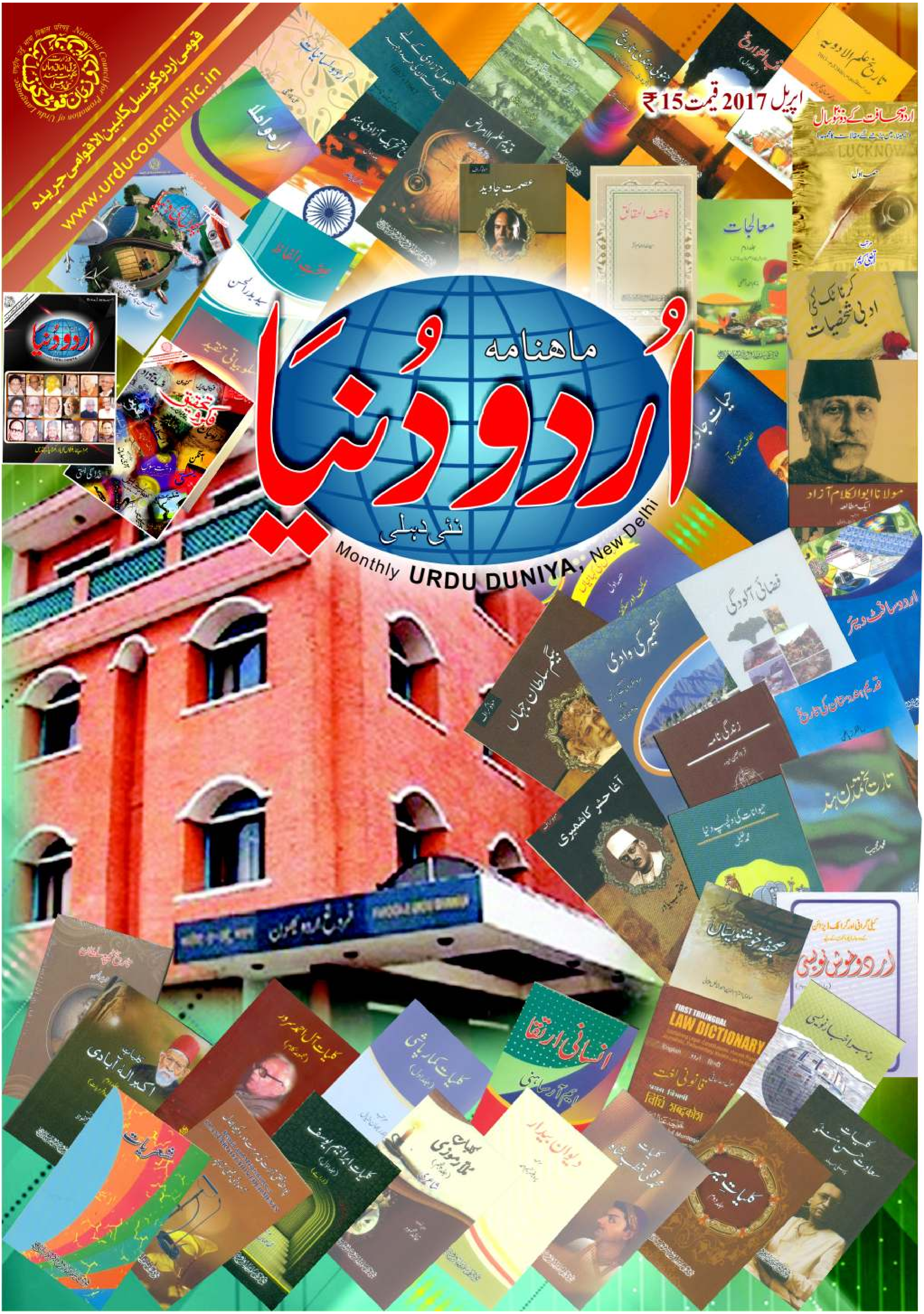

قومی اردو کونسل کا بین الاقوامی جریدہ
www.urducouncil.nic.in
اپریل 2017 قیمت ₹15
ماہنامہ
اُردو دُنیا
نئی دہلی
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi
عصمت جاوید
معالجات
کرناٹک کی ادبی شخصیات
مولانا ابوالکلام آزاد
کشمیر کی وادی
آغا حشر کاشمیری
انسانی ارتقا
FIRST TRILINGUAL
LAW DICTIONARY

ادب اطفال کی دنیا میں اہم ترین سنگ میل

بچّوں کے لیے اردو کی تاریخ کا سب سے خوب صورت، خوب سیرت شاندار رسالہ

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

پیاری پیاری نظمیں

قسط وار ناول

عجیب و غریب خبریں

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly BACCHON KI DUNIYA, New Delhi

دل چسپ کہانیاں

معلوماتی مضامین

ہنسنے ہنسانے کی باتیں

ان کے علاوہ:

کہکشاں ♦ سیاحتی مقامات

اردو ایس ایم ایس ♦ اردو فیس بک ♦ دماغی ورزش

ننھے فنکار ♦ ڈاک خانہ جیسے مستقل کالم

اور بہت کچھ

ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ چھپنے والا اردو رسالہ

قیمت فی شمارہ: 10 روپے   سالانہ: 100 روپے

سالانہ خریداری اور ایجنسی کے لیے رابطہ فرمائیں

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

شاخ : 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002 فون: 24415194 - 040

مشمولات

ادار یہ

ہماری بات 4

خطوط

آپ کی بات قارئین کے خطوط 5

انٹرویو

اردو کی خدمت کرنے والا ہر شخص آج کے دور میں
گویا عبادت کر رہا ہے: فاروق ارگلی حقانی القاسمی 7

باب مطبوعات

قومی اردو کونسل کی اشاعتی خدمات محمد آدم 13

تاریخ ادبیات

تاریخ ادب اردو، عربی ادب کی تاریخ،
بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا
امریکی ادب کا مختصر جائزہ 17

زبان و لسانیات

نئی اردو قواعد، صحتِ الفاظ، اردو املا، اردو لسانیات 23

فرہنگ و لغات

فرہنگِ آصفیہ، دکنی لغت، جدید ہندی اردو لغت
اردو کی صوتی لغت، فرہنگ اصطلاحات شماریات 27

تحقیق و تنقید

کاشف الحقائق، فکر و فن، نئی شعری روایت
تحقیق کا فن، ساحری، شاہی، صاحب قرانی
ہندوستان کی تحریکِ آزادی اور اردو شاعری
مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت 30

دواوین / کلیات

کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ، کلیاتِ میر، کلیاتِ سراج
کلیاتِ اکبرالہ آبادی، کلیاتِ پریم چند، کلیاتِ منٹو
کلیاتِ ملا رموزی، کلیاتِ راجندر سنگھ بیدی 40

مونوگراف

غواصی، سراج اورنگ آبادی، ذوق، محمد حسین آزاد
میر غلام حسن دہلوی، شاد عارفی، قاضی عبدالودود
راجندر منچندا بانی، عصمت جاوید 47

ابلاغیات

اردو صحافت کے دو سو سال، رہبرِ اخبار نویسی
طلسمِ لکھنؤ، اردو میڈیا، ٹی وی نیوز پروڈکشن 53

تاریخ ہند

جامع تاریخ ہند، انقلاب 1857، تاریخ تحریکِ آزادی ہند
تاریخ تمدن ہند، حصول آزادی کے لیے ہندوستان کی جدوجہد،
جنوبی ہند کی تاریخ، قدیم ہندوستان کی تاریخ 56

سوانح و تذکرے

حیاتِ جاوید، مولانا ابوالکلام آزاد، ظ شناسی
کرناٹک کی ادبی شخصیات 61

بچوں کا ادب

منٹو اور آکلو، آدم زاد پری لوک میں، دوربین
ہندوستان کی کہانیوں کا خزانہ، عقل مند مچھیرا
اخبار کی کہانی 65

سائنس و ٹیکنالوجی

تاریخ ایجادات، انسانی ارتقا، سائنس کی کہانیاں، سائنس کی باتیں
اردو سافٹ ویئر، حیوانات کی دلچسپ دنیا 70

طب و معالجات

تاریخ علم الادویہ، قدیم علم الامراض، معالجات 75

قانونیات

بھارت کا آئین، ہندوستانی نظامِ قانون
قانون فرہنگِ اصطلاحات 77

سماجیات/ معاشیات/ نفسیات

اقتصادیات برائے عوام، تعلیمی نفسیات
اٹھارھویں صدی میں ہندوستانی معاشرت 79

خطاطی

صحیفۂ خوش نویساں، اردو خوش نویسی 81

تراجم

ناول اور عوام، شعریات، کشمیر کی وادی
شریمد بھگوت گیتا کا ترجمہ 83

خبرنامہ

اردو دنیا کی خبریں ادارہ 87

ماہنامہ اردو دنیا
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کا بین الاقوامی جریدہ

جلد:19، شمارہ:04، اپریل 2017

مدیر : پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

مطبع:

ایس نارائن اینڈ سنز، بی۔88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا
فیز-II، نئی دہلی-110020

مقام اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

کمپوزنگ: محمد اکرام

ڈیزائننگ: محمد زید

قیمت -/15 روپے سالانہ -/150 روپے

Total Pages:100

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں
- ڈرافٹ NCPUL,New Delhi کے نام ارسال کریں

صدر دفتر

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000 شعبۂ ادارت: 49539009

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in
E-mail: editor@ncpul.in
urduduniyancpul@yahoo.co.in

شعبۂ فروخت

ویسٹ بلاک-8، ونگ-7 آر کے پورم نئی دہلی۔110066
فون: 26109746، فیکس: 26108159
ای میل: sales@ncpul.in,ncpulsaleunit@gmail.com
شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1 پتھر گٹی، حیدرآباد۔500002
فون: 040-24415194

ہماری بات

جن اداروں نے علمی اور ادبی سرمایے کا تحفظ کیا ہے، بیش بہا ذخیرے کو اپنے دامن میں محفوظ رکھا ہے ایسے اداروں کو تاریخ نے کبھی فراموش نہیں کیا۔ بغداد کا 'بیت الحکمہ' ہو، اندلس، مغرب یا قسطنطنیہ کے کتب خانے ہوں یا لندن، آکسفورڈ کی لائبریریاں، یا اس طرح کے اور بھی بہت سے ادارے ہیں جہاں ہمارے علوم وفنون کا ذخیرہ صرف محفوظ ہے بلکہ نئی نسل تک منتقل بھی ہو رہا ہے۔ ان کے علاوہ پوری دنیا میں بہت سے اشاعتی ادارے ہیں جو نہ صرف علوم وفنون کو عوام وخواص تک پہنچا رہے ہیں بلکہ ایک تہذیبی، تمدنی، تاریخی اور لسانی شعور کو بھی بیدار کر رہے ہیں۔ ایسے اداروں کی خدمات ہمیشہ آبِ زر سے لکھی جاتی ہیں۔ قومی اردو کونسل بھی ان اداروں میں سے ایک ہے جس نے اپنی تاسیس سے لے کر اب تک جو کارنامے انجام دیے ہیں وہ بھی تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ قومی اردو کونسل صرف ایک نقطہ یا منشور پر مرکوز نہیں ہے بلکہ اس کا دائرۂ کار بہت وسیع ہے۔ اس ادارے نے جہاں ہندوستان جیسے کثیر لسانی معاشرے میں اردو زبان کے مقام اور معنویت سے پوری دنیا کو روشناس کرایا ہے وہیں اس نے نئی ٹیکنالوجی، عصری تقاضوں اور مطالبات سے ہم آہنگ کچھ ایسے پروگرام اور اسکیمیں بھی شروع کی ہیں جن سے نہ صرف امکانات کے نئے دروازے کھلے بلکہ اس کا فیض ہر خاص وعام تک پہنچا۔ یہ ادارہ کئی محاذ پر سرگرم ہے جہاں یہ یک سالہ کمپیوٹر ڈپلومہ کورس کے ذریعے طلبا کو روزگار سے جوڑ رہا ہے وہیں روایتی صنعت وحرفت کو فروغ دینے میں بھی یہ ادارہ سرگرم ہے۔ کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن کے ذریعے جہاں نوجوانوں کے بڑے طبقے کو ہنر سے آراستہ کر رہا ہے۔ وہیں یہ ادارہ اشاعتی محاذ پر بھی سرگرم ہے۔ اشاعت کے باب میں اس ادارے کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ گو کہ ہندوستان میں اور بھی بہت سے اشاعتی ادارے ہیں مگر قومی اردو کونسل نے اس میدان میں امتیازی نشانات مرتسم کیے ہیں کیونکہ اس ادارے نے صرف زبان وادب کے متعلق ہی کتابیں شائع نہیں کیں بلکہ عصری علوم وفنون سے متعلق اہم کتابوں کی اشاعت بھی اسی ادارے کے ذریعے عمل میں آئی ہے۔ خاص طور پر ٹیکنیکی اور سائنسی علوم سے متعلق انگریزی اور دیگر زبانوں سے ترجمے کے ذریعے اس نے اردو کے دامن کو وسیع کیا ہے۔ ریاضیات، شماریات اور دیگر علوم کی فرہنگ سازی کی ہے۔ قانونی لغت کی اشاعت بھی اسی ادارے کے ذریعے عمل میں آئی ہے۔ اس کے علاوہ ذولسانی، سہ لسانی انگریزی، اردو اور ہندی لغات بھی اس ادارے سے شائع ہوئی ہیں جس سے ایک بڑے طبقے کو فائدہ پہنچا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر قومی اردو کونسل نے اردو زبان کو فروغ دینے کے تمام امکانات کو بروئے کار لا کر اردو کو ہر ہر گھر تک پہنچانے کا کام کیا ہے اور اس کی روشنی ہر علاقے تک پہنچ رہی ہے۔

قومی اردو کونسل نے کلاسیکی ادب پاروں اور نادر ونایاب کتابوں کی اشاعت پر بھی اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔ ان میں بیشتر وہ کتابیں ہیں جو بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ کونسل کی یہ بھی کوشش رہی ہے کہ ہر ذوق اور ہر سطح کا خیال رکھا جائے۔ اس لیے قومی کونسل کی مطبوعات میں موضوعاتی سطح پر تنوع بھی ہے۔ بچوں کے ادب پر بھی قومی کونسل کا خاص دھیان رہا ہے۔ ادب اطفال سیریز کی ایسی باتصویر کتابیں شائع کی گئی ہیں جن سے چھوٹی عمر کے بچوں کی ذہنی تربیت بھی ہو اور زبان وادب کے رموز سیکھنے میں بھی آسانی ہو۔ اس کے علاوہ قومی اردو کونسل سے 'فکر وتحقیق'، 'اردو دنیا' اور 'بچوں کی دنیا' جیسے رسالے بھی شائع ہوتے ہیں اور یہ تمام رسالے پوری اردو دنیا میں نہایت ذوق وشوق سے پڑھے جاتے ہیں۔ ان رسالوں سے بھی کونسل اردو زبان وادب کو فروغ دے رہی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کونسل نے ہم رشتہ زبانوں کے ادب کو اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو قومی اردو کونسل کی جو اشاعتی خدمات ہیں وہ کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ قومی اردو کونسل نے اب تک مختلف موضوعات پر تقریباً 1200 کتابیں شائع کی ہیں۔ نئے اشاعتی سلسلے کے تحت مشاہیر ادب پر مونوگراف کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے۔ اس طرح قومی اردو کونسل کا اشاعتی سفر جاری ہے مگر المیہ یہ ہے کہ مسلسل کوششوں کے باوجود قومی اردو کونسل کی مطبوعات سے ایک بڑا حلقہ ناواقف ہے جبکہ موبائل وین کے ذریعے ہندوستان کے طول وعرض میں کتابوں کو پہنچانے کی کوشش بھی کی جا رہی ہے۔

'اردو دنیا' میں قومی اردو کونسل کی مطبوعات پر گوشہ مختص کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ کونسل کی کتابوں سے پوری اردو دنیا کو واقف کرایا جائے۔ اس میں علامتی طور پر کچھ کتابوں کے جائزے بلا لحاظ تقدیم وتاخیر شامل کیے گئے ہیں۔ صفحات کی تنگ دامنی کی وجہ سے بہت سے زمروں کی اہم کتابیں چھوٹ گئی ہیں۔ آئندہ کوشش کی جائے گی کہ کچھ اور کتابوں کا اجمالی تعارف اردو دنیا کے صفحات پر پیش کیا جائے۔

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

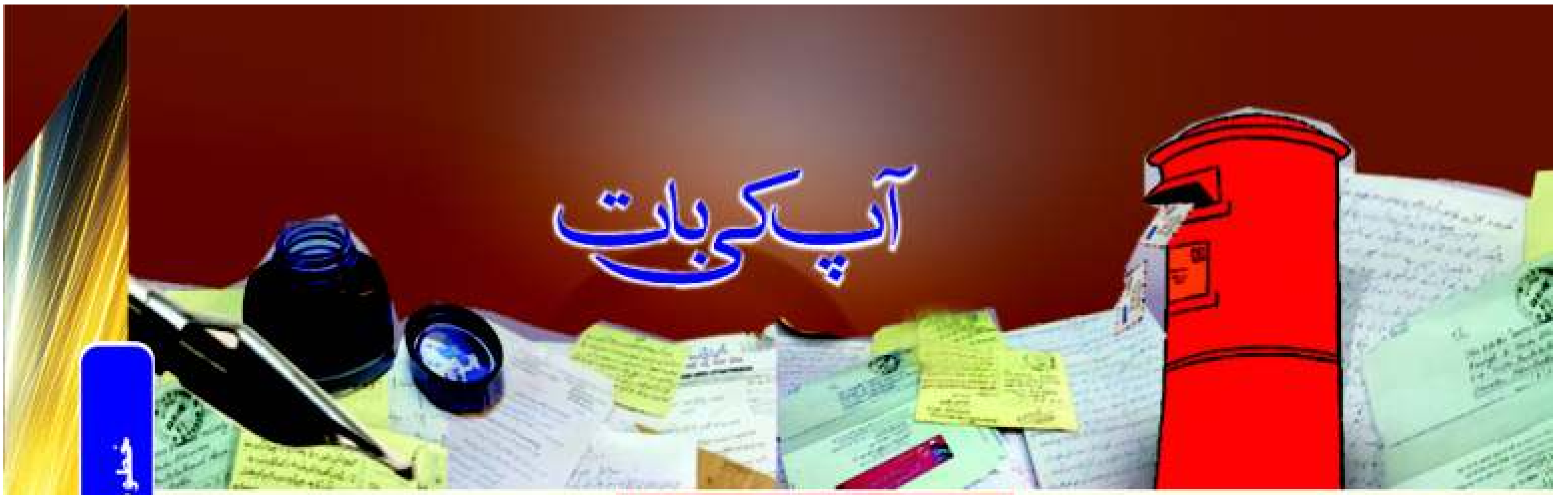

آپ کی بات

مارچ ماہ کا شمارہ دیدہ زیب و جاذب نظر سرورق سے مزین ہے۔ ظفر انجم کے مضمون میں منیر نیازی جیسے شہرۂ آفاق شاعر کی لفظیات و استعارات کا بحسن وخوبی محاکمہ کیا گیا ہے۔ ویسے یہ تنقیدی مقالہ چند چیدہ اشعار کی معنوی جہات کو کھولتا اور فکری گہرائی و گیرائی کے موجب ازحد متاثر کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ احساس بے گانگی و اجنبیت کی وجہ سے شہروں کی بابت ہمیں بیزاری بھی ہونے لگی ہے۔ منیر نیازی کی ایک غزل کا یہ مقطع بالخصوص قابل محولہ تھا:

عادت ہی بنا لی ہے تم نے تو منیر اپنی
جس شہر میں بھی رہنا، اُکتائے ہوئے رہنا

جناب ف س اعجاز نے اپنے مضمون کے تحت ہندی سنیما کے نامور اداکار و ہدایت کار شری راج کپور سے وابستہ تمام خاص پہلوؤں کی بحسن وخوبی خط کشی کی ہے۔

سید طلحہ نقشبندی القادری نے اختر شیرانی پر مبنی اپنے شاندار مقالے میں ان کی بے لوث ادبی خدمات وان کی خودی وانانیت کا مناسب جائزہ لیا ہے۔

ڈاکٹر کرشن بھاوک: گورونانک نگر، پٹیالہ، پنجاب

تازہ شمارہ مارچ 2017 موصول ہوکر صد شرف ہوا۔ **الحمد للہ** ہر شمارہ اپنے آپ میں نئی آب وتاب کے ساتھ مسلسل موصول ہو رہا ہے۔ نہ ڈاک کا بہانہ ہے نہ ڈاکیے کا۔ عموماً اردو رسائل و جرائد ڈاک کی نذر ہونے کا بہانہ بن کر دستیاب نہیں ہو پاتے۔

بہرحال میں ایک بار پھر 'اردو دنیا' کے ایڈیٹر اور ان کی ٹیم کو اس بات کے لیے خاص طور سے مبارک باد دیتا ہوں کہ کبھی موصول نہ ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ اس کا سہرا یقیناً آپ لوگوں کے سر جاتا ہے۔ عام طور سے مضامین اور خبروں کا انتخاب بہت عمدہ ہے اور تازہ شمارے میں بچوں کے شعرا حضرات کی فہرست اور ان کے تعلق سے معلومات بھی بہت دلچسپ ہیں۔

ڈاکٹر سید احمد خاں: کنوینر، عالمی یوم اردو آرگنائزنگ کمیٹی، دہلی

'اردو دنیا' فروری کا شمارہ دستیاب ہوا۔ ہماری بات کے تحت کتابوں کی اہمیت کے سلسلے میں آپ کا اداریہ نہایت چشم کشا اور بصیرت افروز ہے۔ قومی کونسل کے بیسویں کتاب میلے کی روداد بہت پسند آئی۔ اس کے علاوہ امرتسر میں اردو صحافت وغیرہ مضامین پسند آئے۔

انصار احمد معروفی: معروف بلوہ، مئو، یوپی

فروری 2017 کا شمارہ 'اردو دنیا' پڑھا۔ بھیونڈی کتاب میلے کی رپورٹ پڑھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ میں الفاظ میں بتا نہیں سکتا۔ کتاب میلے کی کامیابی اردو والوں کی کامیابی ہے، فنکاروں کی کامیابی ہے۔ ویسے میں بھی ایک فن کار ہوں، فنکار ہی اس کامیابی کو سمجھ سکتا ہے۔ مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل عالی جناب پرکاش جاوڈیکر نے اپنے خطاب میں سچ بات کہی ہے کہ ''کتابیں آدمی کو انسان بناتی ہیں۔ تعلیم کے بغیر دنیا میں کچھ بھی نہیں۔''

اردو کتابوں کا ریکارڈ، دسمبر 2016 کا ایک کروڑ 12 لاکھ روپے رہا۔ اردو کتابوں کی فروخت کا قومی ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ آج بھی اردو کے چاہنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ 'یونیورسٹیوں کے نصاب میں اردو کی شمولیت' مضمون بہت اچھا ہے۔

'ہندوستانی سنیما کے 100 برس کا سہانا سفر'، ادھورا سفر لگا، مزید تفصیلات کی ضرورت تھی۔ (فلم قسمت: اشوک کمار، ممتاز شانتی) جو پہلی فلم تھی جس نے کلکتہ میں لگ بھگ تین سال چل کر ریکارڈ قائم کی۔ راج کپور کی فلم 'سنگم' اور 'میرا نام جوکر' کا ذکر کیا، جبکہ راج کپور کی فلم 'آوارہ' کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ یہ ایک ماسٹر پیس فلم تھی۔ اس کے لیے آج بھی ہندوستان کے علاوہ سوویت یونین میں مقبول ہوئی۔ راج کپور کی اس فلم سے پہچان بھی ملی۔ 'گنگا جمنا' فلم کی ہدایت کاری دلیپ کمار کی بتائی، جبکہ اس فلم کے ہدایت کار نتن بوس تھے۔ البتہ فلم 'کالنگا' جسے دلیپ کمار ہدایت کر رہے تھے، فلم بنتے بنتے ڈبے میں بند ہوگئی۔

مشہور ہدایت کار، فلمساز واداکار شانتارام کی فلموں کا بھی ذکر نہیں کیا، جنھوں نے دو آنکھیں بارہ ہاتھ، ڈاکٹر کوٹنس کی امر کہانی، نورنگ اور گیت گایا پتھروں جیسی کامیاب اور شاہ کار فلمیں بنائیں۔ خواجہ احمد عباس کی کہانیاں اور فلموں کے بارے میں کچھ بھی نہیں لکھا۔ بمل رائے، رشی کیش مکھرجی اور گلزار کی فلموں کو بھی نظرانداز کردیا گیا—! کاش اس مضمون میں ان سب نامور شخصیتوں اور فنکاروں کو شامل کرلیا جاتا تو ایک مکمل تاریخ بن جاتی۔!

ضیا جعفر: بنگلور (کرناٹک)

'اردو دنیا' جنوری 2017 دل خوش کرگیا۔ اس میں محترم شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کا غالب انسٹی ٹیوٹ میں پیش کردہ کلیدی خطبہ معرکہ خیز ثابت ہوا۔ ان ہی ہستیوں اور ایسی ہی تحریروں سے اردو کا چمن زار گلزار ہے، پر یہ احساس بھی دامن گیر ہے کہ تحقیق و جانفشانی کے اس معیار تک کس کی رسائی ممکن ہے۔ اس خطبے میں غالب کی ایک کامل غزل کی جو تعبیر پیش کی گئی ہے وہ تمہید ثابت ہوئی۔ ولی دکنی کے بارے میں ہردو جانب سے

علاقائی عصبیت کا عنصر در آگیا حالانکہ علاقہ ثانوی چیز ہے۔ اولیت کا مستحق شاعر یا ادیب ہوتا ہے۔ اس کے کلام کے محاسن اور معائب (اگر کچھ ہوں تو) پر بحث اور تحقیق کرنا ہی زیادہ مناسب ہے، بجائے اس کے کہ ولی کی دہلی آمد و رفت، ملاقاتیں، تاریخ وغیرہ پر عرق ریزی کی جائے۔

داغ دہلوی کے تعلق سے حقائق کی بہ نسبت پروپیگنڈہ کا زیادہ اثر رہا ہے۔ ان کے بارے میں یہ بھی حکایت گشت کرتی رہی تھی کہ ان کے استاد محترم نے یہ تخلص لال قلعے میں ان کی والدہ کے نکاح کے بعد تجویز کیا تھا۔ واللہ اعلم۔ داغ دہلوی کے بارے میں محترم فاروقی صاحب کا یہ مشورہ قابل غور ہے کہ اگر ذرا سی بھی کاوش کی جاتی تو ہمارے نتائج بالکل مختلف ہو سکتے تھے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ میراجی کے بے ہنگم خاکے، بے تکی حکایات، بے بنیاد افواہوں کو فرو کرنے کے لیے ضروری تحقیق ضرور کی جانی چاہیے، لیکن یہ تمام تر معروضیت کے ساتھ انجام پذیر ہوں۔ علاقائی ادبا و شعرا کے تقابل سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیے ورنہ یہ عدو کے لیے تازہ دم کمک ثابت ہوگی۔

'اردو دنیا' فروری 2017 بھی دستیاب ہوا۔ قومی اردو کونسل کو 20ویں کتاب میلے کی عظیم الشان کامیابی مبارک۔ دونوں شماروں کے سبھی مشمولات قابل قدر ہیں۔

مصطفیٰ ندیم خاں غوری: روضہ باغ، اورنگ آباد

'اردو دنیا' جنوری نئے برس کا پہلا شمارہ حاصل ہوا۔ 'ہماری بات' میں نئے عزائم کا ذکر، زبان و ادب کے فروغ کے لیے مستقل لائحہ عمل کی تجاویز رکھی گئیں ساتھ ہی اسکولوں و کالجوں میں پڑھنے والی نئی نسل کے خیالات کو استحکام دینے کے لیے اور انھیں اردو زبان سے جوڑے رکھنے کے لیے 'نیا آسماں نئے ستارے' اس کالم کا آغاز یقیناً مثبت نتائج کا ضامن بنے گا۔ نسل نو کے لیے یہ کاوش کسی ہیلی پیڈ (Helipad) سے کم نہیں جو بلاشبہ مستقبل میں نئے قلم کو ایک سمت و رفتار عطا کریں گے۔

بہت عرصہ بعد محترم شمس الرحمٰن فاروقی کا مضمون 'ادبی تحقیق کے تقاضے' نظر نواز ہوا۔ اس مضمون میں میدان تحقیق کے جس تشویش ناک پہلو کا ذکر کیا گیا وہ اپنے آپ میں ایک سچائی ہے اور اس بات سے بھی روگردانی نہیں کی جاسکتی کہ ماضی میں ہمارے اکابرین سے اپنے ہم عصر متقدمین کو حاشیے پر لا کھڑا کرنے کی جو لغزش سرزد ہوئی وہ قطعی غیر متوقع تھی۔ ادبی دنیا میں اس موضوع پر ایک طویل بحث چھڑ سکتی ہے۔ ولی دکنی کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلائی گئیں یا پھیلانے کی کوشش کی گئی یہ فعل بھی تحقیق سے چشم پوشی کا ایک سیاہ باب تھا لیکن حقیقت کو بھلا کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے۔

پرویز اشرفی کے ذریعے بشیر مالیرکوٹلوی کا انٹرویو شاعری و افسانہ نگاری کی چند اہم خصوصیات کو اجاگر کرتا ہے اور اس بات پر بھی بندش کے امکانات کم ہی ہو سکتے ہیں کہ، بقول بشیر مالیرکوٹلوی 'ہر ادیب اپنا دور لکھتا ہے' اردو میں افسانہ نگاری کو سو برس سے اوپر کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن ابھی بھی اس کی عمر شاعری سے بہت چھوٹی ہے۔ یہاں پر ان اصناف میں کوئی موازنہ مطلوب نہیں لہٰذا بشیر مالیرکوٹلوی کی فکر افسانوں کے تئیں کس قدر ہے وہ تو عیاں ہے اس لیے اس بات کی کوشش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہمارے اطراف کہانیوں اور افسانوں کی ایک فضا قائم ہو اور تازہ دم اذہان کے قلم سے نئے برس کے ادبی منظر نامے میں نئے نئے افکار و خیالات کا اندراج بھی ہوتا رہے۔

خورشید اکرم کا مضمون 'راج نرائن راز: آجکل اور میں' اپنی نوعیت میں منفرد ہے۔ اس طویل مضمون میں میدان ادب میں تعلیم و تعلم کی کافی گنجائش موجود ہے اور بہت ساری باتیں پیش کی گئی ہیں۔ شمارے میں شامل دیگر مشمولات بھی فکر انگیز اور معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔

ڈاکٹر اظہر ابرار: اسسٹنٹ پروفیسر، ایس کے پوروال کالج، کامٹی

■

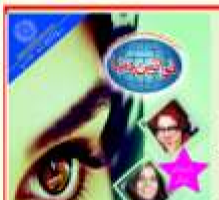

خواتین دنیا

خواتین کے لئے اردو میں سرکاری سطح پر شائع کیے جانے والا یہ واحد رسالہ ہے۔ آدھی آبادی کے جذبات و احساسات کے جذبات کا ترجمان اس مجلہ کا یہ پہلا شمارہ ہے۔ جس میں خواتین کے مسائل و متعلقات کے حوالے سے خیال افروز اور فکر انگیز تحریریں شامل کی گئی ہیں۔ ادبیات کا بھی ایک اہم گوشہ ہے۔ خواتین کے مزاج اور ذوق کے مطابق نگارشات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس میں آپ کو ہر صفحہ پر تنوع نظر آئے گا۔ خواتین کے لئے ایک مکمل رسالہ ہے جسے آئندہ اور بھی بہتر بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کے لئے آپ کے مشورے اور تجاویز درکار ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ اپنی تخلیقات ارسال کریں اور اس رسالے کی ممبر سازی کے لئے بھی اپنا تعاون پیش کریں۔

ہندوستانی خریداروں کے لئے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ 10 روپے

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے:

شعبہ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم نئی دہلی۔ 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

حقانی القاسمی

اردو کی خدمت کرنے والا ہر شخص آج کے دور میں گویا عبادت کر رہا ہے: فاروق ارگلی

نہ میں نے نام ونسب پوچھا، نہ شجرہ جاننے کی کوشش کی اور نہ ہی سوانح۔ میں نے ان سے سیدھا سوال کیا کہ آپ نے کسی ادارے سے وابستگی کیوں نہیں اختیار کی؟

تو ان کا جواب تھا کہ: ہر ادارے کی اپنی ضرورتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پابندیوں میں گھر کر کوئی تخلیقی، علمی، ادبی، تہذیبی کام کرنا خاصا دشوار طلب ہے۔ آزاد رہنے میں انسان کی روح اور ذہن آزاد ہوتا ہے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ اس لیے کام میں لطف آتا ہے۔

مجھے پتہ تھا کہ ان کا تعلق مختلف اداروں سے رہا ہے۔ وہ فری لانسر رہے ہیں اور ہر ادارے سے ان کی آزادانہ وابستگی ہی رہی ہے۔ پھر بھی انھوں نے اس تعلق سے مزید تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ میرا تعلق زیادہ تر تجارتی قسم کے اشاعتی اداروں سے رہا ہے اور آغاز ناول نگاری سے ہوا تھا اور اس دور میں چھوٹے سائز کے ناولوں کا بڑا چلن تھا اور یہ مارکٹ کی ضرورتوں کے مطابق لکھنے والوں کے لیے بہت منفعت بخش ثابت ہوتے تھے۔

اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے میرا اگلا سوال یہ تھا کہ جب آپ نے ناول نگاری سے آغاز کیا تو آپ کا پہلا ناول کون سا تھا؟

تو انھوں نے اس کی تفصیل یوں بتائی کہ: اس زمانے میں میری عمر 15-16 سال کی تھی۔ میں نے پہلا ناول 'نئے داغ نئے پھول' کے نام سے لکھا تھا۔ اردو میں میں نے کبھی فرضی نام کا استعمال نہیں کیا۔ البتہ ہندی میں میں نے فرضی ناموں سے لکھا، اس میں سب سے اہم نام 'رتی موہن' ہے۔ وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں ناول کی بہت سیل تھی ہندی کے پبلشر اس کا اہتمام کرتے تھے کہ اس کے لیے ایک الگ نام ہونا چاہیے۔ اردو بڑی سیکولر زبان ہے یہاں پریم چند، کرشن چندر وغیرہ کو بڑا احترام حاصل ہے لیکن ہندی میں مسلمانوں کی لکھی ہوئی کتاب قارئین نہیں پڑھتے، پبلشر ایسا کہتے تھے کہ کوئی ایسا نام رکھ لیجیے جو ہندو سماج پسند کرے۔ ہندی میں سماجی، جاسوسی تقریباً 150 ناول لکھے۔ اردو میں کوئی پیسے نہیں دیتا تھا، ہندی والے معقول معاوضہ دیتے تھے۔ ہندی میں ایک ایسا ناول چھپا جس کے ٹائٹل پر لکھا تھا کہ پسند نہ آنے پر قیمت واپس۔ اس کا نام تھا 'پیاسا'۔ میں دس پندرہ سال تک مسلسل ہندی میگزین فلمی دنیا میں کام کرتا رہا، ناول لکھتا رہا۔ میں اردو میں سوچتا تھا اور ہندی میں لکھتا تھا۔ بھاشا کے حوالے سے لوگ مجھے پنڈت جی کہنے لگے تھے۔

آپ نے ہندی اردو اور فلمی رسائل کے لیے لکھا مگر مقبولیت کس سے ملی؟

اس سوال پر ان کا جواب تھا: میرے لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ مقبولیت کس سے ملی؟ میں 'روبی' کا فاؤنڈر ایڈیٹر ہوں۔ 'شمع' کے بعد یہ پہلا کلرفل میگزین تھا۔ اس سے پہلے اردو میں اس طرح کا رسالہ صرف ہندی اور انگریزی میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے مالک تھے رحمٰن نیر۔

جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ کن کن اخبارات سے آپ وابستہ رہے؟

تو انھوں نے کہا کہ کئی اخبارات میں لکھتا تھا۔ میں بہت پاپولر تھا۔ کثیر الاشاعت اخبار 'پرتاپ' میں میرے ناول سیریلائز ہوتے تھے۔ پرتاپ میں لکھنے والوں کو معاوضہ نہیں ملتا تھا۔ اخبار معاوضہ نہیں دیتے تھے۔ مگر مجھے معاوضہ ملا۔ میرے پڑھنے والے مجھے چیک اور ڈرافٹ بھیجتے تھے۔ میرے ناول مہارانی پدمنی، جے پور کا خزانہ جب قسطوں میں چھپے تو ان ناولوں کے حوالے سے 21 اور 51 روپے کے بہت سے چیک/منی آرڈر آئے۔ 'فلمی دنیا' میگزین کی اشاعت اس وقت ایک لاکھ 60

ہزار تھی۔ اس میں زیادہ تر ادارتی کام ہمیں کرتے تھے۔ 1967 میں رحمٰن نیر شمع میں کام کرتے تھے، انھوں نے ایک دن کہا کہ فلمی میگزین اردو میں نکالنا چاہتا ہوں۔ اس وقت سب سے بڑا رسالہ 'شمع' سیاہ و سفید شائع ہوتا تھا۔ ہم نے اُردو میں پہلی بار 'روبی' ملٹی کلر میں نکالا۔ 'روبی' نے 'شمع' کو چیلنج کیا اور وہ مقبولیت کے اعتبار سے بہت آگے بڑھ گیا۔

میں نے ان کے سیاسی مضامین بھی پڑھے تھے، اس تعلق سے پوچھنے پر ان کا جواب یہ تھا کہ:

ایک ویکلی اخبار نکلا تھا 1962 میں۔ ایک پنجابی بزرگ تھے بلونت سنگھ جی۔ ترکمان گیٹ میں دفتر تھا اور مجھے ایڈیٹر بنایا۔ اخبار کا نام تھا ہفت روزہ 'پیغامبر'۔ بلونت سنگھ بہت پڑھے لکھے آدمی تھے۔ وہ مرنے کے بعد کی زندگی پر مضامین لکھتے تھے۔ ان کے مضامین اتنے پسند آئے کہ لندن کی ایک سوسائٹی نے انھیں بلا لیا اور وہ وہیں بس گئے۔ 1975 میں میں نے ایمرجنسی کے خلاف ہندی میں ایک جاسوسی ناول لکھا۔ اس سلسلے میں گرفتاری بھی عمل میں آئی اور میسا کے تحت مجھے جیل بھیج دیا گیا۔

دس پندرہ دن جیل میں رہے۔ جنتا حکومت نے دیش بھگتی کا سرٹیفکیٹ دیا۔ جیل سے باہر آتے ہی ایک کتاب 'ایمرجنسی' اور 'جگ جیون رام' لکھی۔ کیونکہ بابو جی نے 2 فروری 1977 کو کانگریس حکومت سے استعفیٰ دیا تھا۔ 5 فروری کو ان کی رہائش گاہ پر پہنچا کہ کتاب پیش کروں۔ کتاب ان کے بیٹے سریش رام کو دی، وہ اندر گئے۔ اسی وقت اندر بلا لیا گیا۔ کتاب والا کہاں ہے؟ تھوڑی سی گفتگو کے بعد کتاب کا ایک حصہ کتابچے کے طور پر دو لاکھ کاپیاں چھاپنے کا آرڈر مل گیا اور میری جیب نوٹوں سے بھری گئی تھی۔

دہلی کا تہذیبی ماحول آپ کو کیسا لگا؟

یہ سوال اس لیے کیا کہ ان کی پوری شخصیت دہلی کی تہذیب میں رچی بسی ہے اس پر ان کا کہنا تھا کہ میں جس وقت دہلی آیا 1956 میں۔ تو اس وقت پنجابیوں سے مسلمانوں کو بہت دہشت تھی۔ ہر گلی کوچے میں ریفیوجی آباد تھے۔ وہ مکانات جو مسلمان چھوڑ گئے تھے ان پر وہ قابض ہوگئے تھے۔ کسٹوڈین سے الاٹ کرا رکھے تھے۔ ایک خاص قسم کی وحشت طاری تھی۔ لیکن دہلی کی روایتی زندہ دلی اس نسل کے مسلمانوں میں باقی تھی، محبتیں اور انسانیت کے جذبے زندہ تھے۔ ایک مثال سن لیجیے۔ خربوزوں کے موسم میں کچھ بزرگ بازار میں خربوزے والوں کے گرد کھڑے ہوجاتے تھے۔ وہ ایک ایک خربوزہ لے کر اس کی قاشیں لوگوں کو چکھاتے، جس کا خربوزہ پھیکا

> **"بھینس کی پیٹھ پر بیٹھ کر صادق سردھنوی کا ناول پڑھا کرتے تھے۔ آفتابِ عالم، معرکۂ کربلا، مشرق کی حور، یوسف بن تاشقین، عبدالحلیم شرر کا منصور موہنا۔ انھی دنوں ابن صفی نے لکھنا شروع کیا۔ پہلا ہی ناول پڑھا، پھر تو ابن صفی کے پرستار بن گئے۔"**

ہوتا تھا وہ سارے خربوزے خرید کر غریبوں میں بانٹتا تھا۔ اُن دنوں اردو بازار جوان تھا۔ شام ہوتے ہی وہ اصحاب جن کا اردو میں بڑا نام تھا، اُردو بازار کے چائے خانوں میں جمع ہوجاتے، باہم تبادلۂ خیال کرتے اور ایک بڑا ادبی ماحول پیدا ہوجاتا تھا۔ بسمل سعیدی، نریش کمار شاد، ظفر پیامی، کرشن موہن، اظہار اثر، سلام مچھلی شہری، واقف مراد آبادی، ساغر نظامی، کامل نظامی، قیصر حیدری، خان غازی کابلی اور جانے کتنے ادیب اور شاعر۔ ہر شام کو ایک کہکشاں آباد ہوجاتی تھی۔

نوجوانوں کے تعلق سے ان بزرگوں کا کیا ردِعمل ہوا کرتا تھا؟

یہ سوال اس لیے ضروری تھا کہ آج کے بزرگ اپنے چھوٹوں کو کہنی مارنے میں ماہر ہیں اس پر انھوں نے ان بزرگوں کے ردِعمل کی بابت بتاتے ہوئے کہا کہ وہ تربیت کیا کرتے تھے۔ باقاعدہ نظر رکھتے تھے۔ عیب بتاتے تھے۔ حوصلہ شکنی نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ آپس میں چشمک بھی خوب تھی۔ لیکن کوئی کسی کے خلاف سازش نہیں کرتا تھا۔ گروہ ضرور تھے لیکن اب وہ تہذیب باقی نہیں ہے۔ اب تو اچھی اردو سننے کو بھی نہیں ملتی۔ اس وقت کئی بزرگوں کو استاد کی حیثیت حاصل تھی، جو صرفی، نحوی یا تلفظ کی غلطی کرتا وہ اس کی اصلاح کرتے تھے۔ جگن ناتھ آزاد اور نریش کمار شاد کی کوئی شام ایسی نہ ہوتی تھی جو اردو بازار میں نہ گزرے۔ کوئی ایسی شخصیت ہندوستان پاکستان کی ایسی نہ تھی جو دہلی آئی ہو اور اردو بازار میں نہ آئے۔ حفیظ جالندھری، جوش ملیح آبادی، شورش کاشمیری جیسی عظیم شخصیات کو پاس سے دیکھنے کا موقع ملا۔ سب سے بڑی رونق گلزار دہلوی کی انجمن تعمیر اردو کی تھی۔ ہر اتوار کو باقاعدہ نشست ہوتی تھی۔ کسی کے افسانے پر بحث ہوتی۔ کسی کی غزل پر تبادلۂ خیال ہوتا تھا۔ نوجوانوں کی تربیت

کے لیے انجمن کو باقاعدہ ادبی حیثیت حاصل تھی۔ اس زمانے میں دہلی میں ایک سیاسی شخصیت تھی ڈاکٹر عباس ملک کی۔ انھوں نے آزادی کے بعد پہلی بار اردو کے آئینی حقوق کے لیے آواز اٹھائی تھی۔ ان کی تنظیم کا نام تھا 'اردو محافظ دستہ' جس کے باضابطہ جلوس نکلتے تھے۔ 1947 کے بعد اردو کے چراغ جلتے رہے۔ عوامی طور پر اخبارات و رسائل اور نشر و اشاعت کا زور اتنا تھا کہ شاید اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا ہوگا۔ پنجاب سے جو ترک وطن کر کے اُردو برادری آئی تھی اس نے اردو کو ازسرِنو روشن کر دیا۔ پنجابیوں نے اشاعتی ادارے قائم کیے، رسائل اور اخبارات نکالے۔ وہ بہت کامیاب بھی رہے۔ پرتاپ، ملاپ، بندے ماترم، تیج اور جانے کتنے اخبار و جرائد۔ ملاپ میں فکر تونسوی نے طنزیہ کالم لکھنا شروع کیا 'پیاز کے چھلکے' جس وقت اخبار آتا تھا خریداروں میں چھین جھپٹ شروع ہوجاتی تھی۔ اس وقت مسلمانوں کے صرف دو اخبار تھے 'الجمعیۃ' اور 'نئی دنیا'۔ نئی دُنیا دوپہر کو نکلتا تھا تو لوگ اپنی دوکانوں کے باہر کھڑے ہوتے تھے کہ 'نئی دنیا' آتا ہوگا۔ بطور صحافی ناز انصاری، پروانہ ردولوی، مہدی نظمی جیسی تاریخ ساز شخصیات اس سے وابستہ تھیں۔ 'الجمعیۃ' کے ایڈیٹر مولانا عثمان فارقلیط تھے۔ ان کے شذرات پڑھنے کے لیے لوگ 'الجمعیۃ' کا انتظار کرتے تھے۔ ان دنوں بہت اچھے ماہنامے نکل رہے تھے۔ حافظ یوسف دہلوی کا 'شمع' بین الاقوامی حیثیت حاصل کرچکا تھا۔ اردو کی تاریخ میں اتنا کثیرالاشاعت ماہنامہ شاید ہی کوئی نکلا ہو۔ رام رکھا مل خوشتر گرامی کا 'بیسویں صدی' لاہور سے دہلی آنے کے بعد بہت مقبول ہوا۔ آج اردو فکشن کے جتنے بڑے نام دیکھنے کو مل رہے ہیں وہ زیادہ تر بیسویں صدی کی دین ہیں۔ کرشن چندر، بیدی، خواجہ احمد عباس، عصمت چغتائی، حامدی کاشمیری، ان کو گھر گھر تک بیسویں صدی نے ہی پہنچایا۔ بیسویں صدی نے ان افسانہ نگاروں کو شناخت عطا کی تھی۔ اس نسل کے کچھ نام اب بھی زندہ ہیں۔ گوپال متل نے 'تحریک' نکالا یہ ترقی پسند نظریے کے خلاف تھا۔ اسے امریکن لابی کا رسالہ کہا جاتا تھا۔ لیکن متل صاحب نے ادبی معیار کو قائم رکھا۔ اردو کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔ اس سے لکھنے والوں کی بڑی تعداد سامنے آئی۔ تحریک کے معاون ایڈیٹر مخمور سعیدی تحریک کی ہی دین ہیں۔

یہ بھی کو پتہ ہے کہ وہ نہ کسی سرکاری عہدے پر فائز ہیں، نہ کوئی کاروبار ہے۔ وہ صحیح معنوں میں قلم کا مزدور ہیں۔ میں نے ان سے یہ پوچھ ہی لیا کہ آپ نے صرف

قلم کو ذریعۂ معاش کیوں بنایا؟

تو انھوں نے بہت ہی انکساری کے ساتھ جواب دیا کہ قلم کے علاوہ کچھ تھا ہی نہیں۔ میری رسمی تعلیم بھی زیادہ نہیں تھی۔ 1949 میں میں ایک پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا۔ وہاں دوسرے درجے سے ہی قواعد پڑھائی جاتی تھی۔ تاریخ، جغرافیہ اور ریاضی اردو میں پڑھائی جاتی تھی۔ میں تیسری کلاس میں تھا اور راتوں رات فیصلہ آیا کہ اب اردو نہیں پڑھائی جائے گی، ہماری پڑھائی ختم ہوگئی۔ کھیتی باڑی اور جانور چرانے میں لگ گئے، پڑھنے کا شوق دیوانگی کی حد تک تھا۔ بھینس کی پیٹھ پر بیٹھ کر صادق سردھنوی کا ناول پڑھا کرتے تھے۔ آفتابِ عالم، معرکۂ کربلا، مشرق کی حور، یوسف بن تاشفین، عبدالحلیم شرر کا منصور موہنا۔ انہی دنوں ابنِ صفی نے لکھنا شروع کیا۔ پہلا ہی ناول پڑھا، پھر تو ابنِ صفی کے پرستار بن گئے۔ ہمارے پڑھنے کا شوق رشتے کی خالہ جو مولانا حسرت موہانی کے چھوٹے بھائی سید روح الحسن کو بیاہی تھیں، ان کی وجہ سے پروان چڑھا۔ مولانا حسرت موہانی کے انتقال کے بعد ان کی خاص کتابیں اور مخطوطات وغیرہ تو انجمن ترقی اردو علی گڑھ چلی گئیں مگر سیکڑوں کتابیں ہمارے گاؤں موضع مسی، ضلع فتح پور آ گئیں۔ روح الحسن صاحب دکن میں وکیل رہے تھے، ان کے پاس پہلے سے کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ ان کے گھر کی سیوا ٹہل کے عوض کتابوں تک رسائی ہوگئی۔ وہاں اردو کے رسالے بھی مل جاتے تھے۔ اس زمانے میں، میں نے طلسم ہوشربا، فسانۂ عجائب اور باغ و بہار سے لے کر تاریخ اسلام تک لالٹین کی روشنی میں پڑھا۔ اسی شوق نے دہلی لا پٹکا۔ والد پولیس میں رہے تھے مگر دیندار انسان تھے، دینیات کا اچھا مطالعہ تھا۔ گاؤں میں گزر بسر مشکل ہوگئی تو دہلی آ کر مسجد دوجانہ کے مؤذن اور امام بن گئے، ان کی وجہ سے ہمارا دہلی آنا جانا شروع ہوا۔ انھوں نے مجھے کھیتی کسانی میں لگا دیا تھا، ہمارے بزرگ کہتے تھے، ''پڑھے لکھے کا ہوئی، ہر جوتے تو گلہ ہوئی۔'' جنگل میں کھیت کام کرتے کرتے بھی پڑھتے رہے۔ میرا کسی چیز میں کوئی استاد نہیں، میرا وجدان، میرا شعور ہی میرا استاد ہے۔ 1956 میں مستقل دہلی آ گئے، یہاں ہم نے 'نوبھارت ٹائمز' اور 'پرتاپ' کا موازنہ کر کے ہندی سیکھ لی۔ چھوٹی موٹی نوکری اور زیادہ وقت لائبریریوں میں کٹتا۔ ہندی کے ساتھ ساتھ کام چلاؤ انگریزی بھی سیکھ لی۔ مسلسل پڑھتے رہنے نے لکھنے کی طرف راغب کیا۔ پہلا ناول چھپنے کے لیے دیا تو پبلشر سے گزارش کی کہ ماترائیں ٹھیک کرا لیجیے۔ ایک ایک شبد

سوانحی کوائف

نام : کنور محمد فاروق خاں — والد : کنور عبدالہادی خاں

تاریخ پیدائش : 3 جنوری 1940 — مولد : موضع مسی، پوسٹ کھجوہا، ضلع فتح پور، یوپی

تعلیم : خانگی، ادیب ماہر

پتہ : 25 گنیش پارک، رشید مارکیٹ، دہلی- 110051

موبائل: 09212166170، ای میل: argali70@gmail.com

مطبوعات

- عبارت سرِ دیوار (شعری مجموعہ)
- لوحِ آبِ رواں (شعری مجموعہ)
- اُردو ہے جس کا نام (اول، دوم)
- دیوار قہقہہ
- فخرِ وطن
- اُردو ہندوستان

مرتبہ ادبی مطبوعات

- انتخاب کلیاتِ میرؔ
- انتخاب کلیاتِ سوداؔ
- انتخاب کلام نظیرؔ اکبر آبادی
- انتخاب کلیاتِ احمد ندیمؔ قاسمی
- انتخاب کلیاتِ داغؔ
- کلیاتِ ریاض خیر آبادی
- آرائشِ محفل (حیدر بخش حیدری)
- آوازِ انقلاب
- آئینۂ ابوالکلام آزاد
- جہانِ خسروؔ
- دس عظیم شاعر
- دس لافانی شاعر
- دس مقبول شاعر
- دس محبوب شاعر
- دس نامور پاکستانی شاعر
- دس نامور پاکستانی شاعرات
- دس نامور ہندوستانی شاعرات
- دیوانِ دردؔ
- ریختی
- سدابہار مزاحیہ تحریریں
- شاعرِ ہند فراق گورکھپوری
- کاروانِ افسانہ
- کاروانِ غزل
- کلام طنز و مزاح
- کلام قتیلؔ شفائی
- کلام مظفر وارثی
- کلیاتِ احمد فرازؔ
- کلامِ انیسؔ
- کلامِ دبیرؔ
- کلامِ حفیظ جالندھری
- کلیاتِ منیرؔ نیازی
- کلیاتِ امیر قزلباش
- کلیاتِ بیکل اُتساہی
- کلیاتِ مجازؔ
- کلیاتِ مخدوم محی الدین
- کلیاتِ معین احسن جذبی
- کلیاتِ مومنؔ
- مجاہدِ اعظم: مولانا محمد علی جوہرؔ
- داستانِ اٹھارہ سو ستاون
- داستانِ اُنیس سو سینتالیس
- وارداتِ غالب
- کلیاتِ بشیر بدرؔ
- کلیاتِ خمار بارہ بنکوی
- کلیاتِ کلیم عاجزؔ
- کلیاتِ جون ایلیا
- مدھوشالہ بچن (اُردو)
- سرسید نمبر (جہانِ کتب)
- خواجہ حسن نظامی نمبر (جہانِ کتب)
- خواجہ حسن ثانی نظامی: شخصیت و کارنامے (دو جلدوں میں)
- آئینۂ ابوالکلام آزاد

کر کے ہندی سیکھی ہے۔

وہ مختلف موضوعات پر لکھتے رہے ہیں۔ چاہے سیاسی ہو یا سماجی، ادبی ہو یا فلمی۔ آج کی نسل کو چونکہ اس سطح پر کوئی رہنمائی نہیں ملتی، انھیں کوئی یہ نہیں بتاتا کہ کسی موضوع پر کس طرح لکھا جانا چاہیے۔ اساتذہ تک رہنمائی کرتے۔ پہلے کچھ کتابیں آتی تھیں اب وہ بھی نہیں آتیں۔ اسی لیے میں نے ان سے یہ پوچھنا مناسب سمجھا کہ کسی بھی موضوع پر لکھنے کا کیا طریقۂ کار ہونا چاہیے؟

تو انھوں نے رہنمائی کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے ذہن میں موضوع ہونا چاہیے۔ کہانی کو کنسیو کرنا چاہیے۔ کہانی سوچیے، پھر جہاں سے چاہیں لکھنا شروع کر دیں، لیکن اس کے لیے کرداروں کے پس منظر، سماجی کیفیت اور نفسیات کا درک، زبان پر گرفت اور الفاظ کا ذخیرہ لازمی ہے جو مطالعے کے بغیر ممکن نہیں۔ اپنا تجربہ یہ ہے کہ سوچیے اور لکھنا شروع کر دیجیے، تحریر خود بخود انجام تک پہنچا دے گی۔

ادب میں بہت سی تحریکیں وجود میں آئیں اور اپنی مدت پوری کر کے ختم بھی ہوگئیں۔ اردو میں بھی جدیدیت اور مابعد جدیدیت جیسی تحریکوں کا بہت زور رہا ہے۔ کچھ لوگ ان دونوں تحریکوں کی مخالفت کرتے ہیں اور کچھ اردو زبان و ادب کے لیے ان دونوں تحریکوں کو مفید قرار دیتے ہیں۔ اس تناظر میں میں نے ان سے یہ سوال کیا کہ

جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

تو ان کا سیدھا سا جواب یہ تھا کہ میں نظریاتی طور پر ادب کی ہر صنف کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہوں کہ اس میں فنکار کا خونِ جگر شامل ہوتا ہے۔ ترقی پسند تحریک نے اُردو ادب کو لازوال تخلیقی کارناموں سے مالا مال کیا ہے۔ جدیدیت اس کی ضد میں سامنے آئی لیکن جدید قسم کی تخلیقات بالخصوص 'شب خون' میں شائع ہونے والے تجریدی اور علامتی افسانوں نے بھی اُردو فکشن کو بہت کچھ دیا ہے۔ خاص نہج سے بات کہنے کا سلیقہ سکھایا ہے شاعری اور فکشن دونوں میں۔۔۔ اس میں بہت اچھی علامتی کہانیاں لکھی گئیں جو ہمارے ادب کو Enrich کرتی ہیں۔ اس میں اشارت اور علامت کے ساتھ فکر و فلسفے کا پرتو نمایاں ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی اور نارنگ کی آپسی چشمک کی وجہ سے ادب کو گروہ بندی کی عینک سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ ادب تو وہ بھی ہے جو لوک ساہتیہ میں ہے۔ لوک ادب گاؤں کے دہقانوں، چرواہوں اور بنجاروں کے ذہن اور سوچ کا اظہار ہے۔ کبیر کی شاعری کو ادبِ عالیہ میں رکھنے سے کون روک سکا؟ ادب بس ادب ہوتا ہے، میں اس کو خانوں میں نہیں بانٹتا، ہاں میں اردو کے معاملے میں بہت حساس ہوں۔ اگر کوئی شخص اردو میں شعر کہتا ہے، اخباروں میں خبریں بناتا ہے، اسکولوں مدرسوں میں پڑھاتا ہے، ادب میں کسی نہ کسی طریقے سے اپنی تخلیقات کے حوالے سے خود کو شناخت کروانے کی کوشش کرتا ہے تو میرے لیے قابلِ احترام ہے۔ میں ذاتی طور پر دانشور نہیں ہوں، نقاد نہیں ہوں، سند یافتہ محقق نہیں ہوں، میرے نظریے کے مطابق، جو شخص بھی اردو کی خدمت کر رہا ہے وہ آج کے دور میں عبادت کر رہا ہے۔

عصری جامعات کے بارے میں رفتہ رفتہ لوگوں کی رائیں بدل رہی ہیں۔ وہاں کے علمی اور تحقیقی کام سے عدم اطمینان کا اظہار اب ان دانش گاہوں سے تعلق رکھنے والے افراد بھی کرنے لگے ہیں۔ اس تناظر میں یہ سوال کرنا بہت ضروری تھا کہ اکیڈمک سطح کے کام سے کیا آپ مطمئن ہیں؟

تو ان کا جواب یہ تھا کہ اصل میں ایک چیز ہے جسے بشریت کہتے ہیں اور وہ آج مادی ترقیات اور صارفیت کے زمانے میں ہر دور سے زیادہ انسانی زندگی میں دخیل ہوگئی ہے۔ نفسا نفسی اور مسابقت کا زمانہ ہے۔ جب مفادات ٹکراتے ہیں تو اس کا اثر تو پڑتا ہی ہے۔ علم و ادب میں بھی انسانی خودغرضی کا غلبہ ہے۔ چاہے تدریس ہو، تنقید ہو یا تحقیق ہو۔ یونیورسٹیوں، علمی اداروں میں مفاد پرستی اور اخلاقی پستی دکھائی دیتی ہے وہ بھی مسابقت آرائی کا نتیجہ ہے۔ دراصل اگر خلوص ختم ہو جائے، مادیت حد سے تجاوز کر جائے تو زوال ہی معاشرے کا مقدر بن جاتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ادب میں بہت سے لوگوں کو انعامات سے سرفراز کیا گیا مگر جس نے قلم اور قرطاس سے ہمیشہ رشتہ رکھا اور نئے نئے موضوعات پر مضامین لکھے۔ ادب کی ثروت میں اضافہ کیا ان کی طرف کسی ادبی ادارے کی نظر نہیں گئی۔ اس تعلق سے شاید یہ سوال زیادہ ضروری تھا کہ کیا آپ کی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے؟

تو انھوں نے نہایت بے نیازی کا ثبوت دیتے ہوئے جواب دیا کہ میں اپنے آپ کو بے حد خوش نصیب محسوس کرتا ہوں کہ وہ کام کرنے کا موقع ملا جو میں کرنا چاہتا تھا۔ جس زمانے میں دہلی آیا تھا، مکان زمین جائیداد کوڑیوں کے مول تھی۔ میرے کئی دوست اور شناسا چھوٹے چھوٹے کاروبار کرکے آج کاروں اور بنگلوں کے مالک بن گئے۔ میں بھی کوشش کرتا تو بہت کچھ کر لیتا۔ لیکن میں نے وہ راستہ چنا ہی نہیں اور وہ کام کیا جس میں مزہ آیا۔ میں نے نہ آشا کی نہ نراش ہوا۔ نہ ایوارڈ کی چاہت ہوئی نہ انعام کی تمنا کی۔ ویسے کچھ ایوارڈ وانعام بھی ملے مگر اس میں میری کسی جستجو یا کوشش کو دخل نہیں تھا۔

ایک زمانے میں عالمی اردو اردو کانفرنس کا بہت شہرہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس ادارے نے بہت سی ایسی کانفرنسیں کروائیں جس میں کثیر تعداد میں غیرملکی مندوبین نے شرکت کی اور وہ مشاہیر بھی آئے جنھیں دیکھنے اور سننے کے لیے خلق خدا کا ہجوم امڈ پڑا۔ اس کانفرنس کی کامیابی میں ان کا بہت اہم رول رہا ہے اس لیے جب ان سے یہ پوچھا کہ عالمی اردو کانفرنس سے آپ کی وابستگی کیسے ہوئی تو ان کا جواب یہ تھا:

ہوا یہ تھا کہ حیدرآباد کے علی صدیقی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ واجبی سے پڑھے لکھے تھے مگر اُردو سے محبت بہت تھی۔ انھوں نے ایک دن کہا کہ میں لندن ہوکر آیا ہوں، وہاں بہت لوگ اُردو جانتے ہیں۔ برطانیہ کی ایئرلائنز میں اُردو میں ہدایات دی جاتی ہیں۔ لندن میں اُردو کے اخبار بھی چھپتے ہیں۔ پچھلے دنوں تلگو کی ایک کانفرنس میں گیا تھا، وہاں لکھا ہوا تھا 'تلگو ورلڈ کانفرنس'۔ تلگو تو دو چار ضلعوں میں ہی بولی جاتی ہے جبکہ ہماری اُردو دُنیا بھر میں بولی جاتی ہے۔ کیا ہندوستان میں اُردو کی عالمی کانفرنس نہیں ہوسکتی؟ میں نے کہا کیوں نہیں ہوسکتی، بس جنون شرط ہے۔ بولے: مجھے تم بھی تھوڑے سے پاگل دکھائی دیتے ہو، آؤ مل کر کرتے ہیں۔ اس کے بعد عالمی اُردو کانفرنس رجسٹرڈ کرائی گئی۔ وہ اندراجی کے بہت قریب تھے، حالانکہ کانگریس حکومت بھی اُردو کی ترقی کے لیے کچھ زیادہ سنجیدہ کبھی نہیں رہی، لیکن صدیقی صاحب نے اندراجی کو عالمی اُردو کانفرنس کے لیے راضی کرلیا، کانفرنس کے اغراض و مقاصد کا انگریزی ترجمہ کرایا گیا، مجھ سے کہا کہ اسے غلط سلط ٹائپ کروایئے گا، وہی غلط کاغذ لے کر وہ اندراجی کے پاس پہنچے۔ انھوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ صدیقی صاحب نے بتایا کہ عالمی اُردو کانفرنس کے ایمس اینڈ آبجیکٹیوز ہیں، میڈم کی عادت یہ تھی کہ وہ قلم لے کر کاغذات پڑھتی تھیں۔ انھوں نے وہ پورا ڈرافٹ پڑھ لیا اور جگہ جگہ اپنے ہاتھ سے کرکشن کردی۔ یہ ذہانت تھی صدیقی صاحب کی کہ اندراجی عالمی اُردو کانفرنس سے باضابطہ وابستہ ہوگئیں۔ اس کے بعد تنظیم نے جو کچھ کیا اس سے سب واقف ہیں۔ فاؤنڈر سکریٹری کی حیثیت سے میں نے دن رات کام کیا۔ پہلی عالمی اُردو کانفرنس 1987 میں ہوئی۔ دُنیا کی کوئی اہم اُردو شخصیت ایسی نہیں بچی جسے ہم نے دلّی نہ بلایا ہو۔ وہ کانفرنس دہلی کی تاریخ ہے۔ 'جنگ' کے ایڈیٹر، 'نوائے وقت' کے ایڈیٹر، بی بی سی کے لوگ، سویڈن کے اُردو شاعر و ادیب، امریکہ اور عرب ملکوں کے علاوہ چین، جاپان تک کے لوگ یہاں آئے۔ مجھے یاد ہے ایک صاحب شکل سے چینی لگتے تھے لیکن بتایا کہ وہ جاپانی ہیں اور ٹوکیو یونیورسٹی میں اُردو پڑھاتے ہیں۔ ایک محترمہ روس سے آئیں وہ بھی اُردو اسکالر تھیں۔ دوسری عالمی اُردو کانفرنس

"ادب بس ادب ہوتا ہے، میں اس کو خانوں میں نہیں بانٹتا، ہاں میں اردو کے معاملے میں بہت حساس ہوں۔ اگر کوئی شخص اردو میں شعر کہتا ہے، اخباروں میں خبریں بناتا ہے، اسکولوں مدرسوں میں پڑھاتا ہے، ادب میں کسی نہ کسی طریقے سے اپنی تخلیقات کے حوالے سے خود کو شناخت کروانے کی کوشش کرتا ہے تو میرے لیے قابل احترام ہے۔"

1988 میں ہوئی، جس میں بیرونِ ممالک سے 160 مہمان آئے، اُن میں دُنیا بھر کے شاعروں وادیبوں کے علاوہ موسیقارِ اعظم نوشاد، دلیپ کمار، منوج کمار، سنیل دت، طلعت محمود، ریشماں، ناہید اختر، اقبال بانو، محمد علی اور زیبا جیسی فلمی ہستیاں شامل تھیں۔ ناچیز کو یہ شرف حاصل ہے کہ اُسے ان عہد ساز ہستیوں سے ملنے، گفتگو کرنے اور ان کی خدمت کرنے کا موقع ملا۔ کیفی اعظمی، مجروح سلطانپوری، خمار بارہ بنکوی، احمد فراز، مظفر وارثی، علی سردار جعفری، افتخار عارف جیسے عہد ساز اصحاب سے مسلسل دس سال تک رابطے رہے۔ آج تک نہ اتنی بڑی اُردو کانفرنس ہوئی، نہ ایسی انجمن بنی۔

بہت سے لوگ آج بھی حسینہ کانپوری کے دیوانے ہیں۔ جب بھی پاپولر لٹریچر کی بات آتی ہے تو یہ نام ذہن میں ضرور گونجتا ہے۔ کچھ لوگوں کو تو یہ پتہ ہے کہ کون معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں۔ مگر بہتوں کو علم نہیں ہے کہ حسینہ کانپوری ایک فرضی نام ہے اور اس کے پیچھے ایک مردانہ ذہن کام کررہا ہے۔ سو اس تعلق سے ان سے یہ سوال پوچھنا ہی تھا کہ حسینہ کانپوری کے نام سے بھی آپ نے لکھا؟

تو انھوں نے اپنے ماضی کو کریدتے ہوئے یہ جواب مرحمت فرمایا کہ میرے ایک دوست تھے اطہر حسین راہی، جو یونین پریس میں لیتھو کی پلیٹیں جمانے کا کام کرتے تھے۔ بہت کم پڑھے لکھے لیکن ذہین آدمی تھے۔ اُردو بازار کی ایک گلی میں ہمارے دوست ناظر سعید کی بیٹھک تھی جہاں میں، ناظر سعید اور ڈاکٹر محمد فیروز دہلوی بیٹھا کرتے تھے۔ فیروز اور ناظر کا بچپنے کا ساتھ تھا۔ محمد فیروز نے بڑی محنت اور مشقت کی زندگی گزارتے ہوئے ایم اے کیا، پی ایچ ڈی کی اور ذاکر حسین کالج میں لیکچرر بنے۔ ہم دونوں نے رسالوں کے دفتروں میں ایک ساتھ کام کیا ہے، ہماری گفتگو میں اکثر راہی صاحب بھی شامل ہوجاتے تھے۔ ایک دن انھوں نے مجھ سے کہا کہ یار ہماری بھی کچھ مدد کرو، ہم بھی پبلشر بننا چاہتے ہیں، پھر انھوں نے خود ہی اپنا آئیڈیا پیش کیا کہ عصمت چغتائی اور واجدہ تبسم کے انداز میں چھوٹے چھوٹے ناول لکھ دیا کرو تو میرا دل کہتا ہے کہ کما کھاؤں گا۔ لہٰذا میں نے تفنن طبع کے طور پر اُسی انداز کی ایک کہانی لکھ دی۔ وہ تقریباً سو صفحات پر مشتمل تھی۔ بڑی ہاٹ اور ولگر۔ شرارتاً لکھا اور ناشر نے مشورہ دیا کہ کسی عورت کے نام سے چھاپو لہٰذا طے پایا کہ مصنفہ کا نام 'حسینہ کانپوری' رکھ دیا جائے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ خاتون زمرۂ نشاط سے تعلق رکھتی

مجھے پاپولر لٹریچر میں کوئی مقام ملنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ جو کچھ بھی لکھا ہندی میں لکھا. یہ ہم اُردو والوں کی مجبوری تھی. عارف مارہروی جو ہندی میں راج ونش کے نام سے مشہور ہوئے. ایک ساتھی بڑا اچھا نام تھا جمیل انجم. ان کا نام ہندی میں ہوا منوج. اظہار اثر جیسے بڑے قلم کار کو آنند کے نام سے لکھنا پڑا.

ہے اُس کا پتہ روئی والی گلی، مول گنج، کانپور لکھا گیا۔ جب وہ ناول چھپا تو ہاٹ کیک کی طرح فروخت ہوا۔ میں نے اس طرح کے تقریباً 80 ناول لکھے جن سے راہی صاحب مرحوم اچھے خاصے کاروباری بن گئے۔ مرحوم معاوضہ بھی معقول دیتے تھے۔ بعد میں میں نے اُن ناولوں کے حقوق ہندی کے ایک پبلشر کو بیچ دیے۔ ملک میں یہ ناول بہت مقبول ہوئے جن کی اساس واجدہ تبسم کی کہانیاں تھیں۔ یہ سلسلہ شاید آگے بھی جاری رہتا لیکن راہی صاحب ایمرجنسی میں ڈر گئے، ہم نے بھی توبہ کرلی۔ یہ میرا ایامِ جاہلیت کا ادب تھا جس میں شرارت اور ضرورت دونوں شامل تھیں اور ایک ردِّعمل بھی کہ نئے لکھنے والوں کے لیے بڑے اداروں اور بڑے جریدوں میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ میرے پہلے ناول پر پچاس روپے ملے تھے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا، میں نے بھی وہی لکھا جو بکتا تھا۔ 1961 کا واقعہ ہے میرے پہلے بچے کی سالگرہ تھی، اہلیہ نے کہا کہ رشتہ داروں کی دعوت کرنی ہے، میں اپنے پبلشر لالہ رتن لال کے پاس پہنچا، انھوں نے کہا کہ اس وقت تو کوئی کام نہیں ہے البتہ جنگ نامہ حنیف منظوم لکھوانا ہے۔ کوئی شاعر ہو تو لکھوادو۔ میں نے عرض کیا کہ خاکسار حاضر ہے۔ موصوف شاعر بھی تھے، بولے مثنوی لکھنا ہنسی کھیل نہیں ہے، ہمیں بھی 'سحر البیان' اور 'گلزارِ نسیم' ازبر تھیں، جھٹ سے تک بندی جڑ دی:

اگر چاہتے ہو کہ آگے بڑھے
رتن اینڈ کو کی کتابیں پڑھو

کام مل گیا۔ فضول سی ایک طویل مثنوی لکھ ڈالی۔ نریش کمار شاد کو دکھائی، تھوڑی اصلاح اور بہت شاباشی ملی۔ ڈھائی سو روپے ملے۔ بچے کا جنم دن دھوم سے منایا گیا۔ دعوت میں عارف مارہروی، انیس مرزا اور اظہار اثر شامل تھے۔

ادب سے تعلق رکھنے والوں کو پتہ ہے کہ پاپولر لٹریچر کے ضمن میں ان کا کام بڑا اہم ہے مگر آج ان کا نام نہیں آتا۔ اس لیے اس تعلق سے جب یہ سوال کیا گیا کہ پاپولر لٹریچر کو آپ نے فروغ دیا؟ تو خاکساری سے بھرا ان کا جواب کچھ یوں تھا:

مجھے پاپولر لٹریچر میں کوئی مقام ملنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ جو کچھ بھی لکھا ہندی میں لکھا۔ یہ ہم اُردو والوں کی مجبوری تھی، عارف مارہروی جو ہندی میں راج ونش کے نام سے مشہور ہوئے۔ ایک ساتھی بڑا اچھا نام تھا جمیل انجم۔ ان کا نام ہندی میں ہوا منوج۔ اظہار اثر جیسے بڑے قلم کار کو آنند کے نام سے لکھنا پڑا۔ ان لوگوں کا ذکر ہونا چاہیے۔ اس عہد کے بڑے پاپولر ادیبوں کی خدمات کا اعتراف کیا جانا چاہیے جیسے خان محبوب طرزی، نسیم انہونوی، وحشی محمود آبادی، گلشن نندہ، دت بھارتی، قیسی رامپوری، کرشن گوپال عابد، انیس مرزا وغیرہ۔

ان کے بارے میں علم ہے کہ وہ کثیر الجہات شخصیت ہیں۔ مختلف میدانوں میں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ افسانہ بھی ان کا میدان رہا ہے۔ پھر بھی ان سے یہ سوال پوچھا گیا کہ افسانے کیوں نہیں لکھے؟

تو انھوں نے بہت ہی خوب صورت جواب دیا کہ اگر میں افسانے لکھتا تو ظاہر ہے کہ کرشن چندر یا سلام بن رزاق تو نہیں بن سکتا تھا۔ تو سوچا کہ کیوں نہ جیتے جاگتے کرداروں پر لکھوں جو اس عہد ناپرساں میں کام کررہے ہیں۔ اُردو ادب کے چراغ جن سے روشن ہیں۔ اب تک 300 سے زائد رفتگاں و قائماں پر لکھ چکا ہوں، اب بھی لکھ رہا ہوں۔ ویسے کچھ افسانے بھی لکھے جو اُس وقت کے رسالوں میں چھپا کرتے تھے۔ 'بیسویں صدی' میں بھی چھپا۔ ہندی میں تو بہت چھپا، 'اپنی آگ اپنا دامن' کے نام سے اردو میں افسانوں کا ایک مجموعہ بھی چھپا ہے۔ یہ ایک خوبصورت سی پاکٹ بک تھی جس میں دس بارہ افسانے تھے۔ اس راہ میں آگے نہ بڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ اکثر رسالے معاوضہ نہیں دیتے تھے۔ مفت میں میں نے بہت کم لکھا ہے۔ مولانا عبدالوحید صدیقی مرحوم اس ناچیز پر بیحد مہربان تھے۔ 1969 میں 'ہما' کا غالب نمبر نکلا تو اس میں 'لو بھئی سنو داستان غالب کی' لکھا۔ 1973 میں 'ہما' کے یادگار اُردو نمبر کی کور اسٹوری 'اُردو کی کہانی اُردو کی زبانی' لکھی جس پر پروفیسر آل احمد سرور نے لکھا کہ سارے کاغذ سادے چھوڑ دیے جاتے اور صرف ایک یہی مضمون رہتا تو بھی اُردو نمبر کامیاب رہتا۔ مشہور پبلشنگ کمپنی دیہاتی پستک بھنڈار کے مالک تھے لالہ ٹھنڈی مل، چاوڑی میں بڑشاہ بولہ پر دُکان ہے، لالہ جی سے اچھی یاد اللہ تھی۔ ایک دن کہنے لگے ارے یار اُردو شاعری کا

ایک اچھا سا کلیکشن ہندی لپی میں بنوادو۔ میں نے کہا کہ پیسے کتنے دوگے۔ وہ بولے دس روپے فرما یعنی سولہ صفحات، شرط تھی کہ غالب سے لے کر اب تک کے نمائندہ شعرا کی غزلیں اُس میں شامل ہوں۔ میں نے اُن کی دُکان میں دیکھ لیا تھا کہ وہاں ہند پاکٹ بکس کی ڈھیروں کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ پرکاش پنڈت نے ساری اُردو شاعری کا انتخاب ہندی میں چھاپ رکھا تھا۔ میں نے الماری سے کتابیں نکالیں اور اُن کے اوراق پھاڑ پھاڑ کر 200 سے زیادہ شاعروں کی غزلوں کا مجموعہ اُن کے سامنے رکھ دیا، وہ کتاب عرصے تک 'اُردو کی رنگین شاعری' کے نام سے بکتی رہی۔

انھوں نے تو کئی اخبارات میں نئے سلسلوں کی شروعات کی۔ 'راشٹریہ سہارا' سے بھی کئی سلسلوں کا آغاز ہوا۔ اب وہ 'ہمارا سماج' میں بہار کی اہم ادبی شخصیات کے حوالے سے ہر ہفتے پورے ایک صفحے کا مضمون تحریر کرتے ہیں۔ جبکہ ان کا تعلق نہ بہار سے ہے اور نہ ہی عظیم آباد پٹنہ سے ان کا کسی طرح کا رشتہ ہے۔ ایسے میں اس سرزمین کی تخلیقی عظمتوں کی عبارتیں لکھنے کے پیچھے کی وجہ جاننا بہت ضروری تھا۔ اس لیے یہ سوال کیا گیا کہ آپ نے دبستانِ عظیم آباد پر کیوں لکھنا شروع کیا؟

تو انھوں نے جو جواب دیا اسے سن کر آپ حیرت زدہ ہوجائیں گے۔ انھوں نے بغیر کسی خوف وخطر کے یہ جواب دیا کہ آج کی تاریخ میں یہ اعلان ہوجائے کہ دہلی کی یونیورسٹیوں، کالجوں، اشاعتی اداروں اور اخباروں سے بہار والوں کو نکال دیا جائے تو پوری دلی میں تالے لگ جائیں گے۔ کمپیوٹر آپریٹر سے لے کر ایڈیٹر، لیکچرر سے پروفیسر تک سبھی وہیں کے ہیں۔ دبستانِ عظیم آباد کی علمی، ادبی اور تخلیقی تاریخ اُردو کا گرانقدر سرمایہ ہے، اسی لیے میں بہار کی ادبی شخصیات پر لکھنا اپنا ادبی فریضہ تصور کرتا ہوں۔

یہ خیال مجھے محبت میں مبالغہ کی مثال لگا اس لیے میں نے ردوقدح کرنا مناسب نہ سمجھا جب کہ مجھے پتا ہے کہ بیشتر اداروں میں ہر صوبہ علاقہ اور طبقہ کے لوگ ہیں اور سب بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کسی کے نہ ہونے سے نہ ادارے بند ہوتے ہیں اور نہ کام رکتا ہے۔

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

شاید یہ ان کا مشاہدہ بول رہا تھا ویسے بھی اس طرح کے اعتراضات زبان وادب کے حوالے سے ماضی میں ہوتے رہے ہیں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ اس طرح کے بیانات پر گھٹیا سیاست بھی ہوتی رہی ہے۔ جس کا خمیازہ زبان وادب کو بھگتنا پڑتا ہے۔

مجھے کچھ اور بھی باتیں کرنی تھیں، کچھ اور بھی سوالات تھے مگر تھکن طاری ہوگئی تھی اس لیے گفتگو موقوف کرنی پڑی اور ان کے پاس بھی شاید وقت کم تھا کہ وہ نہایت معروف آدمی ہیں۔ ان کا ہر لمحہ نہایت قیمتی ہے۔

ان سے بات کرتے ہوئے بہت اچھا لگا۔ ورنہ اکثر دانش وروں سے بات کرتے ہوئے مجھے وحشت ہوتی ہے کہ وہ مصنوعی دانش وری کے خول سے باہر ہی نہیں نکلتے اور اکثر ان کے اندر کا آہنکار بولنے لگتا ہے۔ وہ ایسی شخصیت ہیں جنھوں نے بہت سے ذرّوں کو آفتاب بنایا مگر اس آفتاب کی کسی نے قدر نہیں کی۔ المیہ یہ ہے کہ ابھی تک ان کا نہ کسی اخبار میں انٹرویو چھپا اور نہ کوئی باقاعدہ کتاب مرتب کی گئی جس میں ان کی سوانحی اور تخلیقی زندگی کے تمام نقوش محفوظ ہوں اور نہ ہی انھیں کسی قابلِ ذکر اعزاز سے سرفراز کیا گیا ہے۔ اس شخص کو اردو دنیا فاروق ارگلی کے نام سے جانتی ہے۔ ان کا تعلق فتح پور یوپی کے 'ارگل' سے ہے جہاں آج بھی صرف ایک ہی ڈاکخانہ ہے۔

فاروق ارگلی کا لوح وقلم سے نہایت مضبوط رشتہ ہے، مختلف اخبارات اور رسائل سے وابستہ رہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو ناول لکھے۔ ہندی اردو دونوں زبانوں میں کثرت سے لکھا۔ ہر موضوع پر لکھا۔ رحمن نیر کے رسالے 'روبی' کے مدیر کی حیثیت سے ان کی شناخت مستحکم ہوئی جس کا دلیپ کمار نمبر بیحد مقبول ہوا اور بقول ڈاکٹر فیروز دہلوی ''فاروق نے دلیپ کمار کو شہنشاہ جذبات کے نام سے مخاطب کیا اور یہیں سے دلیپ کمار کے نام کے ساتھ شہنشاہ جذبات لکھا جانے لگا۔''

'روبی' کے علاوہ پندرہ روزہ 'تیز گام' کے ایڈیٹر بھی رہے۔ یہ پندرہ روزہ اخبار انھوں نے سریش کمار کے تعاون سے نکالا تھا، جو بابو جگ جیون رام کے فرزند تھے۔ فاروق ارگلی عالمی اردو کانفرنس کے بانی علی صدیقی کے ادبی مشیر بھی رہے اور ان کے اردو مورچہ میں اپنی صحافت کے جوہر بھی دکھاتے رہے۔ فاروق ارگلی نے شاعری کی تو ''عبارت سر دیوار اور لوح آب رواں'' جیسے مجموعے منظر عام پر آئے اور مضامین لکھے تو 'فخر ادب، فخر وطن اور فخر خواتین' جیسے سلسلے شروع ہوئے۔ کتابیں مرتب کیں تو اتنی کہ ان کی فہرست بہت طویل ہو جائے گی۔ فاروق ارگلی کی تعلیم بس واجبی سی ہے مگر انھوں نے اپنے مطالعے سے علوم وفنون کے بیشتر ذخیرے کو اپنے وجود میں اس طرح جذب کر لیا ہے کہ بات کسی بھی موضوع پر ہو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ ان کا اختصاص ہو۔ مطالعے کی وسعت نے ان کے قلم کو تازگی اور توانائی عطا کی ہے، اس کا ثبوت ان کی تحریریں ہیں۔ اتنی توانائیاں ایک شخص میں بہت کم دیکھی گئی ہیں۔ ان کی مرتب کردہ کتابوں میں جہان خسرو بھی ہے جو اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس میں وہ تمام تحریریں شامل ہوگئی ہیں جس سے امیر خسرو کی تفہیم میں کوئی تشنگی نہیں رہ جاتی۔ فاروق ارگلی نے 'جہان خسروؒ' کے ذریعے خسرویات میں اضافہ ہی نہیں کیا بلکہ ایک طرح سے منجمد اور ذہنی وفکری طور پر غیر متحرک دور میں امیر خسرو کی بازیافت کا ایک اہم فریضہ بھی انجام دیا ہے۔

فاروق ارگلی کی دوسری اہم کتاب ہے 'اردو ہے جس کا نام' جو فخر ادب کے تحت روزنامہ راشٹریہ سہارا نئی دہلی میں شائع ہوتی رہی۔ یہ پہلا سلسلہ تھا جو زندہ اور معاصر ادبی شخصیات کے احوال وآثار پر محیط تھا۔

ہم عصر اردو ادب کے متنوع منظر نامے کی تفہیم میں یہ کتاب معاون ثابت ہو سکتی ہے کہ مربوط اور مبسوط طور پر کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس نے ہمارے عہد کے اساطین کے آثار کی تفہیم کا حق ادا کیا گیا ہو جن 74 اشخاص کے حوالے سے یہ کتاب تشکیل دی گئی ہے ان میں بیشتر اپنے احساس واظہار کے باب میں انفرادیت کے حامل ہیں۔ معاصر تخلیقی وتنقیدی سیناریو کی تفہیم کے باب میں ایک روشن حوالے کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تذکراتی نوعیت کی کتاب ہوتی تو صرف اربابِ تحقیق ہی کے کام آتی یا سوانحی لغت اور قاموس تیار کرنے والوں کے لیے مفید ہوتی مگر یہ تنقیدی نوعیت کا کام ہے اس میں تذکرے جیسی تنقید نہیں ہے بلکہ تخلیق کار کی روح اور ضمیر تک رسائی ہے۔ تخلیق کاروں کی داخلی حسیات اور باطنی کیفیات کے تلاطم کو محسوس کرنے کی کوشش ہے۔ تخلیقی مرکزیت کی جستجو نے کتاب کی معنویت کو منور کر دیا ہے۔ یہ اوروں سے الگ ہے کہ اس میں اپنا ذہن، اپنی لفظیات، اپنی فکر اور اپنی آنکھیں روشن ہیں۔ قاری کی بدلتی ترجیحات کے ماحول میں ادبی تاریخ نویسی کا یہ نیا سلسلہ ہے۔ کتاب میں شامل چراغوں سے ادب کی تیرگی میں شاید کچھ کمی واقع ہو کہ یہ چراغ بھی پرانے چراغوں کا تسلسل ہیں، ان کی روشنی سے بھی ادب کی تابناکی میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ تسلیم کیا جانا چاہیے کہ اگر اعتراف کی روایت ہی ختم ہوگئی تو ادب کے کارزیاں کا سلسلہ ہی رک جائے گا۔ ان کے علاوہ فاروق ارگلی نے بہت سی کتابیں مرتب کی ہیں۔ اختصار میں انھیں قید ہی نہیں کیا جاسکتا۔ سچ یہ ہے کہ:

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

■

Haqqani Al-Qasmi
Mob.: 9891726444
Email.: haqqanialqasmi@gmail.com

محمد آدم

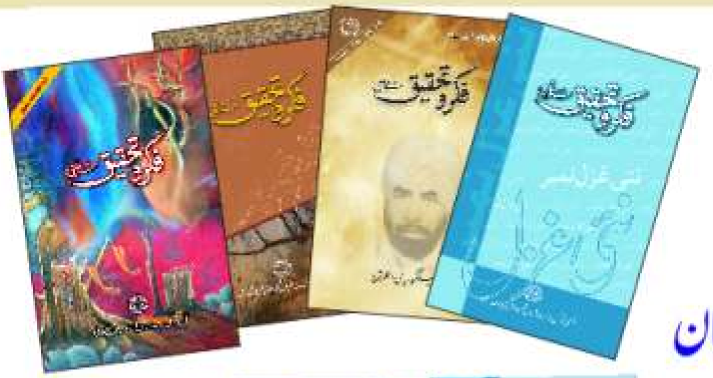

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی اشاعتی خدمات

پروفیسر نورالحسن صاحب کی درخواست پر اردو کے نفاذ اور ترویج کے لیے ایک ادارے کے قیام کا اصولی فیصلہ کیا گیا اور اس ادارے کا نام 'ترقی اردو بورڈ' رکھا گیا جو 1969 میں قائم ہوا تھا۔ یہ بورڈ مشاورتی کمیٹی پرمبنی تھا۔ اس کے وائس چیرمین پروفیسر مجیب تھے۔ بعدازاں مسز اندرا گاندھی نے اردو کے فروغ کے امکانات کا جائزہ لینے کے لیے گجرال کمیشن قائم کیا تھا جس کی سفارشات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اردو کی ترقی کے لیے قومی سطح کا ایک ادارہ معرض وجود میں لایا جائے۔ اسی کے پیش نظر 'ترقی اردو بیورو' کے قیام کا فیصلہ کیا گیا جس کی بنیاد 16 جون 1973 میں پڑی۔ دو برس بعد 5 نومبر 1975 کو اسے ایک ماتحت سرکاری ادارے کا درجہ ملا۔ 1980 میں شمس الرحمان فاروقی اس کے ڈائرکٹر بنائے گئے۔

جب اندر کمار گجرال وزیراعظم ہوئے تو انھوں نے اس کو 'نوڈل ایجنسی' کا درجہ دے کر اس کا موجودہ نام 'قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان' (National Council for Promotion of Urdu Language - NCPUL) کر دیا۔

اس ادارے کا باضابطہ قیام یکم اپریل 1996 میں عمل میں لایا گیا۔ یہ وطن عزیز بھارت میں اردو کا سب سے اہم اور سب سے بڑا ادارہ ہے، جو وزارت 'ترقی انسانی وسائل' کے زیرنگرانی کارہائے نمایاں سرانجام دے رہا ہے۔ ادارے کا مرکزی دفتر دہلی میں واقع ہے۔ اس ادارے کا ذکر ہی محبانِ اردو میں فرحت وانبساط کا سرچشمہ ہے۔ اس کی وجہ وہ ہمہ جہت اور بے لوث خدمات ہیں جو اس ادارے نے اردو زبان وادب کے فروغ کے سلسلے میں انجام دی ہیں۔ اس ادارے نے اردو اور اردو والوں کی امیدوں کو جدید فکر اور نئی جہت عطا کی۔ اس کی خدمات سے فیضیاب ہونے والے وہ تمام اہل اردو ہیں جو دنیا کے مختلف خطوں میں رہتے ہیں۔ خصوصاً اردو دنیا جو کل تک اردو کو روزگار سے جوڑنے کا رونا روتی تھی، اسے شکایت تھی کے اس کی قدیم کتابیں اور مخطوطات گوداموں میں دیمک چاٹ رہے ہیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں! تو ایسے میں اس ادارے نے نہ صرف اردو کو روزگار سے جوڑا بلکہ ادبی، اخلاقی، سماجی، نفسیاتی، سیاسی، ثقافتی، معاشی اور طبی حتی کہ تمام ہی موضوعات جو اردو کی ترویج واشاعت میں سنگ میل کی حیثیت رکھ سکتے تھے اس کی تدوین وتالیف کا کام مکمل کرکے اسے سستے داموں پر اشاعت کے مرحلے سے گزار کر پوری دنیا کے اردو قدردان تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا۔ گرچہ ادارہ خود تالیفی کام نہیں کرتا لیکن اس کے لیے پراجیکٹس اور مالی تعاون ضرور فراہم کرتا ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے قیام کا مقصد اردو زبان کا فروغ، ترقی اور نشوونما کے ساتھ ساتھ اردو زبان کو سائنسی اور تکنیکی شعبوں سے جوڑ کر اسے دور جدید کے جملہ شعبوں میں اردو کے موثر کردار کو بحال کرنا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت ہند کو اردو کے سلسلے میں مشورے اور ہدایات دینا بھی ادارے کا مقصد ہے تاکہ اردو کے فروغ کی کوشش صحیح سمت میں کی جاسکے۔ اردو تعلیم، تعلیمی ادارے، تعلیمی ترقی کے ساتھ اردو کی کتابوں کی تالیف واشاعت، تراجم، کمپیوٹر اور دیگر جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے فروغ اردو وغیرہ اس ادارے کے بنیادی مقصد ہیں۔ اس ادارے نے اپنی مسلسل کوششوں سے

مختصر عرصے میں ہی اردو زبان و ادب کے فروغ میں وہ کارنامے انجام دیے جس کی مثال بہت کم ہے۔ اردو زبان میں ادب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ سائنس اور جدید علوم کے دیگر شعبوں سے متعلق کتابیں، بچوں کی ادبی اور نصابی کتابیں، حوالہ جاتی کتابیں، انسائیکلوپیڈیا، لغات وغیرہ شائع ہو چکے ہیں۔ اردو ادب اور زبان کے سلسلے میں مختلف تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی کتابوں کی اشاعت، نئے اور پرانے لکھنے والوں کو نئی کتابیں چھپوانے کے لیے مالی معاونت کرنا الحمدللہ جاری ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اغراض ومقاصد میں سے ترجیحی مقاصد اس طرح ہیں:

1۔ اردو زبان کے ذخیرے میں اضافے کے لیے مختلف شعبوں اور علوم کی تکنیکی اصطلاحات کو جمع کرنا اور ان کی تدوین کرنا۔

2۔ اخبارات و رسائل کی اشاعت اور اس کے لیے امداد مہیا کرانا، اگر چہ کونسل خود کوئی اخبار جاری نہیں کرتا لیکن وطن عزیز سے شائع ہونے والے اردو اخبارات کو مالی مدد فراہم کرتا ہے۔

3۔ وقتاً فوقتاً ملک اور بیرون ملک مطبوعات کی فروخت اور ان کی نمائش کا انتظام کرنا۔

4۔ گھر بیٹھے کونسل کی کتابوں کی فراہمی کے لیے موبائل وین کا انتظام کرنا۔

5۔ اردو زبان کی ترقی کے مد نظر کمپیوٹر کورسز کو فروغ اور ترقی دینا تا کہ ترقی یافتہ ٹیکنالوجیکل تقاضوں کو پورا کیا جاسکے۔

6۔ انگریزی اور ہندی اور دوسری ہندستانی زبانوں کے ذریعے اردو زبان کی تعلیم کے لیے اسکیم اور پروجیکٹ تیار کرنا اور انھیں نافذ کرنا جس میں فاصلاتی کورس کے ذریعے تعلیم بھی شامل ہے۔

7۔ اردو زبان کے فروغ اور ترقی کے لیے ریاستی حکومتوں اور دوسری ایجنسیوں سے رابطہ کرنا۔

8۔ اردو زبان کی ترویج کے لیے غیر سرکاری تنظیموں کو مالی امداد فراہم کرنا۔

9۔ ریاستی اردو اکادمیوں کی سرگرمیوں میں معاونت کرنا۔

10۔ مختلف نایاب و کمیاب اردو کتابوں کی از سر نو ترتیب و اشاعت۔

کونسل کے درج بالا مقاصد کو پورا کرنے کے لیے دیگر سرگرمیوں کو بھی شامل کرنا۔

اردو کو غیر اردو داں تک پہنچانے کی ذمے داری

قومی اردو کونسل (ترقی اردو بیورو) کے چیئر مین، وائس چیئر مین اور ڈائرکٹر

چیئرمین

نمبر شمار	نام		
1.	مادھورائے سندھیا	جون 1995	اکتوبر 1996
2.	ایس آر بومائی	اکتوبر 1996	فروری 2000
3.	مرلی منوہر جوشی	فروری 2000	اگست 2004
4.	ارجن سنگھ	اگست 2004	2009
5.	جناب کپل سبل	2009	اکتوبر 2012
6.	ایم ایم پلم راجو	اکتوبر 2012	مئی 2014
7.	اسمرتی ایرانی	مئی 2014	جولائی 2016
8.	پرکاش جاوڈیکر	جولائی 2016	اب تک

وائس چیئرمین

1.	ڈاکٹر شاہد صدیقی	جون 1995	اکتوبر 1996
2.	ڈاکٹر راج بہادر گوڑ	اکتوبر 1996	فروری 2000
3.	پروفیسر گوپی چند نارنگ	فروری 2000	اگست 2004
4.	جناب سدیپ بنرجی	اگست 2004	فروری 2005
5.	جناب شمس الرحمن فاروقی	فروری 2005	فروری 2008
6.	جناب چندر بھان خیال	فروری 2008	جون 2011
7.	پروفیسر وسیم بریلوی	جولائی 2011	2014
8.	مظفر حسین	نومبر 2014	

ڈائرکٹر

1.	ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی	جنوری 1980	مئی 1981
2.	کے کے کھلر	مئی 1981	1982
3.	ڈاکٹر فہمیدہ بیگم	1982	جون 1996
4.	ڈاکٹر گنگا پرساد ومل	جون 1996	جون 1997
5.	ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ	جون 1997	ستمبر 2005
6.	جناب ایس موہن	اکتوبر 2005	جون 2006
7.	محترمہ رشمی چودھری	جون 2006	اپریل 2007
8.	ڈاکٹر علی جاوید	اپریل 2007	جنوری 2009
9.	محترمہ رشمی چودھری	جنوری 2009	اپریل 2009
10.	ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ	اپریل 2009	فروری 2012
11.	ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین (اضافی چارج)	اپریل 2012	جون 2015
12.	سید علی کریم	جون 2015	اب تک

اوراس کے لیے ماحول کو سازگار کرنا۔

غیر اردو داں طبقے کو اردو سکھانے اور اس کی اہمیت کے لیے رائے عامہ کو ہموار کرنا اس ادارے کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس مقصد کے لیے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دو ماہنامہ اور ایک سہ ماہی رسالہ پابندی سے شائع کررہا ہے جو اس طرح ہیں:

ماہنامہ 'اردو دنیا' ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' اور سہ ماہی 'فکر و تحقیق'

ان تینوں رسالوں کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالحی نے اپنی کتاب 'ادبی صحافت: آزادی کے بعد' میں تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے۔ ان کے بقول:

''قومی اردو کونسل کا رسالہ 'اردو دنیا' جو قومی اردو کونسل کے خبرنامے کے طور پر نکلتا تھا، پہلے یہ رسالہ سہ ماہی تھا بعد میں اسے ماہانہ کردیا گیا۔ اردو دنیا کا شمارہ نئے دم خم کے ساتھ پہلی بار جولائی تا ستمبر 1997 میں شائع ہوا تھا۔ اس رسالے میں اردو زبان و ادب کے حوالے سے مضامین و نگارشات شائع کی جاتی ہیں کتابوں پر تبصرے بھی شائع ہوتے ہیں۔ اردو تعلیم اور اردو کتابوں کی طباعت و تقسیم، اردو کا موجودہ منظرنامہ، اردو تحقیق و تنقید کی سمت و رفتار کے علاوہ طلبا کو تعلیم کی جانب راغب کرنے کی کوششوں میں مصروف یہ رسالہ اپنے منفرد انداز کے لیے جانا جاتا ہے۔ اگست 2011 سے اس رسالے کو بڑے سائز میں پورے رنگین صفحات پر شائع کیا جانے لگا ہے۔ یہ رسالہ اپنی منفرد پیش کش، بہترین طباعت اور خوبصورت و دیدہ زیب گیٹ اپ اور نئے نئے موضوعات پر مبنی مضامین کے لیے جانا جاتا ہے۔ یہ رسالہ اپنی منفرد پیش کش، بہترین طباعت اور خوبصورت و دیدہ زیب گیٹ اپ اور نئے نئے موضوعات پر مبنی مضامین کے لیے جانا جاتا ہے۔ اہم شاعروں، ادیبوں پر خصوصی گوشے بھی شائع کیے جاتے ہیں۔ کور اسٹوری کے تحت نئے موضوعات پر مضامین کی اشاعت اس رسالے کی اہم خوبی ہے۔

قومی اردو کونسل نے بچوں کے ادب کی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر جون 2013 سے بچوں کے لیے ایک رنگین رسالہ بچوں کی دنیا کا آغاز کیا ہے، جس کی تعداد اشاعت موجودہ دور میں 50,000 سے تجاوز کرچکی ہے۔ یہ رسالہ پورے ملک میں بچوں کا سب سے مقبول رسالہ بن چکا ہے۔

'فکر و تحقیق' کا آغاز 1989 میں ششماہی تحقیقی مجلے کے طور پر ہوا۔ فکر و تحقیق کا یہ شمارہ جنوری تا جون 1989 کا شمارہ تھا جس میں 23 مقالات شائع کیے گئے تھے یہ مقالے شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی میں منعقدہ سیمینار میں پڑھے گئے تھے۔ یہ جریدہ دسمبر 1992 تک ششماہی کے طور پر شائع ہوتا رہا اس کے بعد لگ بھگ تین برسوں تک اس کی اشاعت موقوف رہی اور ترقی اردو بیورو کو قومی اردو کونسل میں ضم کردینے کے بعد فکر و تحقیق کا پہلا شمارہ جنوری 1997 میں شائع ہوا اور اس رسالے کو جولائی 1998 میں سہ ماہی کردیا گیا۔ اس میں زیادہ تر ادبی تحقیق و تنقید سے متعلق مضامین شائع ہوتے ہیں۔ داغ دہلوی، فیض، مخدوم، منٹو، میراجی، نئی غزل، نئے افسانے، نئی نظم اور ناول پر خصوصی اشاعتوں نے رسالے کے وقار میں اضافہ کردیا ہے۔''

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مطبع منشی نول کشور نے جس طرح انیسویں صدی کے سرمائے کو محفوظ کیا قومی اردو کونسل بھی اس عہد میں اردو کتابوں کی اشاعت اور حفاظت میں وہی رول ادا کررہی ہے۔ مگر مطبع نول کشور ذاتی تجارت کی غرض سے قائم کیا گیا تھا جبکہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان خالص اردو کو فروغ دینے والا سرکاری ادارہ ہے اس کا کوئی تجارتی مقصد نہیں ہے۔ جب مکتبہ جامعہ اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا اس وقت اس ادارے نے مکتبہ کے 400 ٹائٹل (ہر ایک ٹائٹل کی گیارہ گیارہ سو کاپیاں) مفت چھاپ کر جامعہ کو دیں جو نہ صرف مکتبہ جامعہ کے احیا کا ذریعہ بنا بلکہ اس طرح سیکڑوں کتابیں جو دیمک کی نذر ہوجاتیں بچ گئیں۔ اس کے علاوہ بھی اس ادارے نے اردو کے مختلف اداروں کو سہارا دے کر اسے بچانے کی بھرپور خدمات انجام دی ہیں۔

اہل اردو کی پیاس اور اردو کے سرمایہ ادب کی حفاظت کی خاطر اس ادارے نے انگریزی اصطلاحات کے لیے اس کے متبادل یعنی اردو کی اصطلاحات پر بہت ہی وقیع کام کیا۔ لغات تیار کی گئیں اور پرانی لغات کی نئے سرے سے طباعت کو یقینی بنایا گیا۔ تعلیمی اداروں کے لیے اردو کا نصاب تیار کیا، کمپیوٹر کورسز اور اس کا نصاب اردو میں تیار کرکے ہزاروں طلبہ و طالبات کو ملازمت کے لائق بنایا اور اردو کا رشتہ روزگار سے استوار ہوا، اس طرح اردو کے جدید طریقۂ کار کے ساتھ قدیم و جدید اردو کتابوں کی طباعت کا کام عمل میں آیا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے موجودہ ڈائرکٹر پروفیسر ارتضی کریم انتہائی فعال، متحرک اور بین الاقوامی شہرت یافتہ ہیں۔ آپ معروف نقاد سابق صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی ہیں۔ ان کے بلند حوصلہ، نیک نیتی اور وسیع بصیرت کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ ادارہ مستقبل میں ماضی اور حال دونوں سے بہتر کام سرانجام دے گا۔ اردو کے مستقبل کو مزید تابناک بنائے گا جس سے چاردانگ عالم میں محبان اردو کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوگا۔ قابل ذکر ہے کہ اردو کے فروغ و اشاعت کے حوالے سے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی خدمات صرف بھارت ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے اہل

> قومی اردو کونسل کی خدمات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا غلط نہیں ھے کہ اس قسم کے ادارہ کے رہتے ہوئے اردو زبان کے زوال کی بات محض ایک مفروضہ ھے۔ اس کا اعتراف خود حکومت وقت کے مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل پرکاش جاوڈیکر بھی 6 اگست 2016 کوراجیہ سبھا میں کرچکے ھیں۔ انھوں نے کہاتھاکہ قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان کی کارکردگی، فروغ اردو کے لیے اس کے منصوبے، اقدامات اور لائحہ عمل قابل ستائش ھیں۔

اردو کے لیے ایک سرمایۂ افتخار ہیں۔

اب تک قومی کونسل نے 1300 سے زائد کتابیں شائع کی ہیں اس کے علاوہ ڈپلوما ان کمپیوٹر اپلی کیشن، بزنس اکاؤنٹنگ اینڈ ملٹی لنگول ڈی ٹی پی (Computer in Diloma Multilingual and Accounting Business Applications) (DTP) کے فل ٹائم کورسز ایسے پروگرام ہیں جواردووالوں کوسیدھے روزگار سے جڑنے کا موقع فراہم کررہے ہیں۔ اب تک اس کے تقریباً دولاکھ طالب علموں کو ڈپلوما کورس کی ڈگری دی جاچکی ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ڈیڑھ لاکھ سے زائد طالب علموں کو اس سے روزگار بھی ملا ہے۔ یہاں سے کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن کورس بھی طلبہ میں اہلیت پیدا کررہے ہیں جو قابل ستائش ہے۔ اس ادارے سے فی الوقت تقریباً 2800 طلبا جڑے ہوئے ہیں اور اس سے ان لوگوں کو روزگار بھی ملے گا۔ قومی اردو کونسل کی فاصلاتی تعلیم کے تحت اردو ڈپلوما کورس میں تقریباً 74000 طالب علموں نے داخلہ لیا ہے۔ یہ سب کورس مکمل کررہے ہیں۔ یہ تمام اسکیمیں اور منصوبے ستائش کے مستحق ہیں امید ہے کہ ان اقدامات سے نئی صبح اور کچھ نئی شروعات ہوگی اور اردو اور دوسری ہندوستانی زبانوں کا فروغ ہوگا۔ اس سے نہ صرف اردو زبان وادب کی افادیت میں اضافہ ہوگا، بلکہ آنے والی نسلوں کو اردو زبان میں ہی جدید اطلاعاتی تکنالوجی کے علاوہ دیگر علوم وفنون کو اپنی زبان میں ہی پڑھنے، سمجھنے اور سیکھنے کا موقع میسر آئے گا۔

قومی اردو کونسل کی خدمات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ اس قسم کے ادارہ کے رہتے ہوئے اردو زبان کے زوال کی بات محض ایک مفروضہ ہے۔ اس کا اعتراف خود حکومت وقت کے مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل پرکاش جاوڈیکر بھی 6 اگست 2016 کوراجیہ سبھا میں کرچکے ہیں۔ انھوں نے کہا تھا کہ قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان کی کارکردگی، فروغ اردو کے لیے اس کے منصوبے، اقدامات اور لائحہ عمل قابل ستائش ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ وسیع تر پیمانے اور مختلف سطحوں پر قومی اردو کونسل اردو زبان کی ترویج واشاعت کے لیے بہتر خدمات انجام دے رہا ہے ساتھ ہی وزیر موصوف نے کونسل کی تفصیلات سے بھی ایوان کو باخبر کیا تھا جو یقیناً اس ادارے کی حسن کارکردگی اور عظمت کی دلیل ہے۔

قومی اردو کونسل نے ہر موضوع پر عمدہ کتابیں ترتیب وتالیف کرکے یا ماہرین سے کرواکر عوام وخواص کی خدمت میں پیش کی ہیں جن میں لغات کے میدان میں جدید اردو لغت، نوراللغات کا جدید ایڈیشن، اردو سے انگریزی، انگریزی سے اردو لغت، سائنسی وتکنیکی اصطلاحات، فرہنگ اصطلاحات انسانیات، فرہنگ اصطلاحات حیوانیات، فرہنگ اصطلاحات ریاضیات، فرہنگ اصطلاحات فلسفۂ نفسیات اورتعلیم، فرہنگ اصطلاحات کیمیا، فرہنگ اصطلاحات لسانیات، فرہنگ اصطلاحات معاشیات، فرہنگ اصطلاحات نباتیات، فرہنگ تاریخ وسیاسیات وغیرہ پر کام کرکے زبان کے عصری تقاضوں کو بھی پورا کیا۔ 2016 کے اواخر میں 'فرہنگ آصفیہ' کا ایک جدید ایڈیشن شائع کیا۔ اس کے علاوہ تحقیق وتنقید پر مبنی کتابیں، لسانیات، سیاسیات، تعلقات عامہ، جغرافیہ، وغیرہ موضوعات پر قابل قدر کتابیں شائع کی گئیں نیز عربی ادب، عربی ڈپلومہ اور اردو ادب پر بہترین کتابیں تیار کرکے اہم علمی ضروریات کو اس ادارے نے پورا کیا۔

اردو کے نفاذ اور ترویج کے لیے املا ورموز واوقاف کے مسائل پر کتابیں، مختلف اصناف پر کتابوں کے ساتھ ساتھ خطاطی، اردو رسم الخط، فن تدوین، ترجمہ، ادبی اور غیرادبی موضوعات پر سیکڑوں کتابیں اور مختلف موضوعات پر سمینار اور ترجیحی ورک شاپ منعقد کرتی ہے اور ادبی سرگرمیوں کے لیے مالی معاونت بھی فراہم کرتی ہے، جس سے طلبہ اساتذہ اور اردو سے جڑے افراد کو اپنے تحقیقی کاموں میں مدد ملتی ہے جو اردو کی ترویج کا سبب ہے اس کے علاوہ بھی کئی منصوبوں پر، زبان کا مسئلہ، سائنسی موضوعات ادارے کی ترجیحات میں شامل ہیں۔

قومی اردو کونسل نے رائج مختلف فنون جیسے علم طب (میڈیکل سائنس) علوم ہندسہ (انجینئرنگ) علوم ریاضی (اکاؤنٹس) وغیرہ جیسے اہم علوم کی تعلیم وتدریس مادری زبان میں فراہم کرنے کے وسائل کا مکمل بندوبست کیا ہوا ہے۔ ماہرین تعلیم اس بات پر متفق ہیں کہ تعلیم اگر مادری زبان میں دی جائے تو طالب علم کا سمجھنا نسبتاً آسان ہوجاتا ہے۔ ادارے نے اس اہم ضرورت کی جانب خاص توجہ دی ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اہم طبی موضوعات اور طب سے متعلق نصابی کتابوں کو ترجیحی طور پر شائع کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے، جو قابل ستائش ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق قومی اردو کونسل کے زیر اہتمام بیس سے زائد مضامین پر طبی نصاب تیار کرنے کی پیش رفت ہوئی ہے، جس میں مختلف باب کے لیے الگ الگ ماہرین کی مدد لی جارہی ہے۔ آدھے سے زیادہ حصوں کو پورا کرلیا گیا ہے اور اس سلسلے میں کئی کتابیں جلد منظر عام پر آجائیں گی۔ اس کے علاوہ ماہرین طب کے پاس ادبیات اور طب سے متعلق جو بھی کتابیں موجود ہیں، کونسل انھیں حوالہ جاتی کتب کی صورت میں شائع کرے گی، تاکہ طلبہ زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں۔

اب تک کئی ادبی، علمی اور تاریخی کتابیں شائع ہوکر علمی، ادبی اور نصابی ضروریات کو پورا کررہی ہیں۔ اس قومی ادارے نے جہاں زبان کے ذخیرے کو یکجا کرنے کا انقلابی کام سرانجام دیا وہیں ذرائع ابلاغ، صحافت، ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے حوالے سے ماس میڈیا کے موضوع پر عمدہ کتابیں طلبہ اور خواص کے لیے فراہم کیں۔ اس کے علاوہ مختلف کلیات کی ترتیب وتدوین مکمل کرکے اردو کے سرمائے کو محفوظ کیا، اس طرح یہ ادارہ اردو قارئین کے لیے برسوں کی پیاس سے سیرابی کا سبب بنا۔ کلیات کے علاوہ شعرا کے دواوین، بیاض اور رسالے جو ایک عرصے سے ناپید تھیں اس کی اشاعت کو یقینی بنایا گیا۔ تذکرے، ناول، افسانے غرض تمام ادبی اصناف اور انسائیکلوپیڈیا وغیرہ پر معیاری اور مستند کتابیں شائع کرکے بہت وقیع اور لائق تحسین کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ گویا یہ اہل اردو پر ایک عظیم احسان ہے اور تمام اہل اردو کا اخلاقی فریضہ ہے کہ سب مل کر شانہ بہ شانہ ادارے کی بقا اور اس کی مزید ترقی میں معاون ہوں تاکہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری وساری رہے اور تشنگان علوم اس کے سرچشموں سے سیراب ہوتے رہیں۔

■

Mohd Adam
Guest Teacher, Dept of Urdu
Jamia Millia Islamia, New Delhi - 110025

تاریخ ادبیات

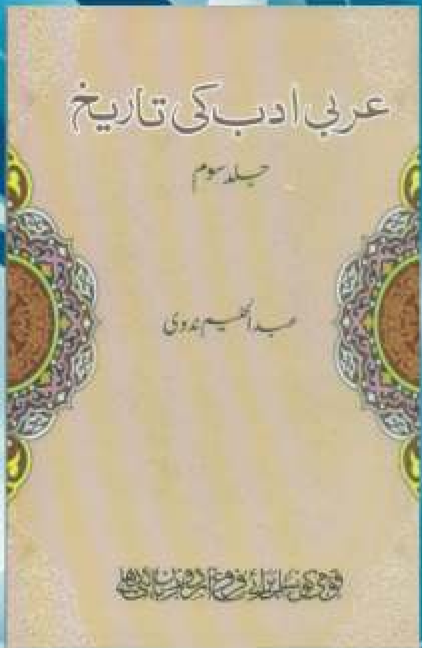

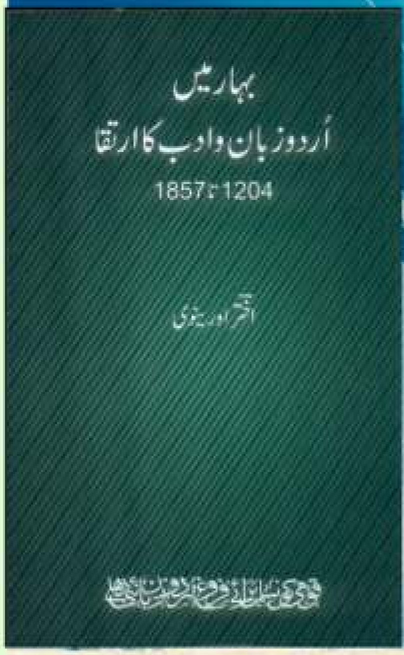

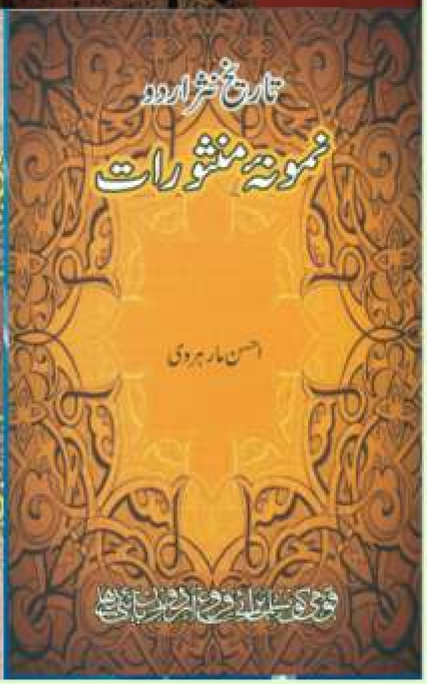

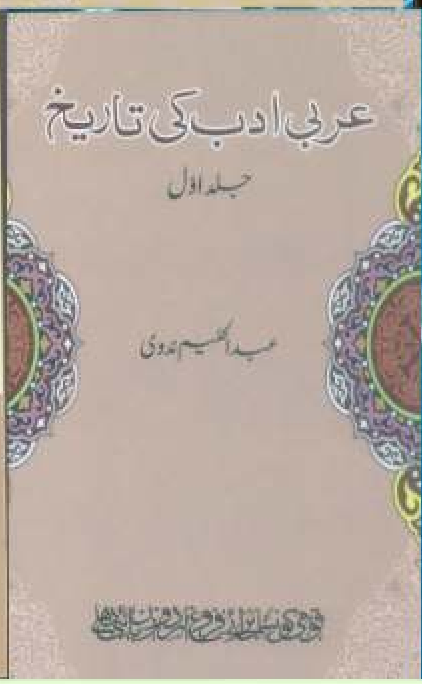

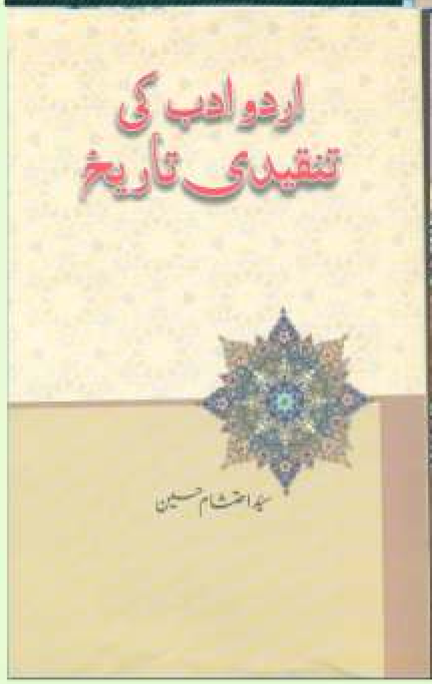

تاریخ ادبیات

تاریخ ادب اردو (جلد نہم)

مصنف: محمد انصاراللہ

اردو زبان میں رام بابو سکسینہ سے لے کر پروفیسر جمیل جالبی تک تاریخ زبان و ادب اردو کے موضوع پر اہم کتابیں لکھی گئیں۔ جن میں سے اول الذکر کتاب نے ایجاز کے باوجود عرصۂ دراز تک درسیات کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کی، لیکن پروفیسر جمیل جالبی کی مطبوعہ کتاب منصۂ شہود پر آجانے کے بعد یہ خلا کافی حد تک پر ہوگیا اور تاریخ ادب اردو کا وسیع مطالعہ کرنے والے طلبہ و اساتذہ کی ایک دیرینہ تمنا پوری ہوگئی۔

بایں ہمہ اردو جیسی کمسن اور ترقی یافتہ زبان کے لیے مزید وسعتوں اور پہنائیوں کے پیش نظر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے منصوبہ بند طریقے سے بالکل منفرد لیکن جامع انداز میں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم کیا جو بلاشبہ فرد واحد کے بس کا کام تھا بھی نہیں۔ یہ تاریخ کام 17 جلدوں پر مشتمل ہوگا، جن میں سے اول پانچ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ زیر نظر 9ویں جلد پروفیسر انصاراللہ کی تحقیق اور زور قلم کا ثمرہ ہے۔ دراصل پروفیسر انصاراللہ کا مفوضہ کام انیسویں صدی عیسوی کی زبان و ادب کے تدریجی ارتقا پر مشتمل ہے جو تین جلدوں پر محیط ہوگا۔

زیر تبصرہ کتاب (جلد نہم) میں اکبر شاہ ثانی کے عہد میں برصغیر ہندوستان کے مختلف مراکز میں ادبیات اردو کے ارتقائی مناظر و کوائف کو ضبط تحریر میں لانے کی سعی مشکور نظر آتی ہے۔ دہلی، لکھنؤ، کلکتہ اور حیدر آباد کی مرکزیت اور اہمیت اپنی جگہ مسلّم سہی، تاہم چھوٹے چھوٹے مقامات سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہاں کے آب و گل سے بھی کیسے کیسے گل کھلے ہوئے ہیں، جن کی حیثیت ان خلیات (Cells) کی سی ہے جن کا پورے وجود کی تعمیر میں اہم حصہ ہوتا ہے۔ اس کتاب میں چھ زمروں کے تحت حسب ذیل مقامات کا احاطہ کیا گیا ہے:

(1) صوبہ جات مغربی: ہریانہ، پنجاب، کشمیر اور صوبۂ سرحد، (2) دہلی (3) آگرہ وگوالیار (4) راجستھان: اجمیر، الور، بھرت پور، ٹونک، جودھ پور اور جے پور (5) بندیل کھنڈ: کالپی اور باندہ (6) بنارس۔

کتاب میں ارباب قلم کی زندگی کے ہمہ جہت پہلوؤں پر غائر نظر ڈالی گئی ہے نیز ان کے قیام و سکون تک رسائی حاصل کی گئی ہے تا کہ ان کے کلام اور نثری ادب پاروں کی قدریں متعین کرنے میں آسانی ہو اور ان کے افہام و تفہیم میں کوئی ابہام باقی نہ رہ جائے۔

ابواب کو ضروری حواشی سے مزین کر کے اس کی معتبریت میں اضافہ کیا گیا ہے۔ فہرست مضامین کے علاوہ بالخصوص دہلی اور بنارس کے تذکرے میں نظم و نثر کی مختلف اصناف کی درجہ بندی کر کے ارباب قلم کی خدمات کا بھرپور جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ درج ذیل موضوعات پر شعری و نثری حوالوں کے ساتھ عالمانہ گفتگو کی گئی ہے:

غزل، قصیدہ، ہجو و ہزل، واسوخت، مثنوی، نامۂ منظوم، مرثیہ وغیرہ، ریختی، رباعیات و مستزاد، قطعات، تضمین، تاریخ گوئی، معمہ، پہیلیاں، گیت اور جگت گرو وغیرہ، مذہبی نثر اور تذکرے وغیرہ۔ شعرا اور مصنفین کی فہرست کی شمولیت سے نفس مضمون تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔

تاریخ نویسی کے ساتھ ساتھ تذکرہ و تاریخ کے متعلقہ عہد کے خد و خال بڑی خوبی سے نمایاں کیے گئے ہیں مثلاً غالب و مومن کا دور اردو شاعری کا عہد زریں بھی ہے۔ ان کی شاعری کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اس عہد میں پہنچانے کا ہنر بھی جانتے ہیں، نتیجۂ کار بہت سے تاریخی اور ادبی عقدے خود بخود کھلتے جاتے ہیں، مثلاً خوب چند ذکا کو اولیں تذکرہ نویس بتاتے ہوئے اقتباس کے حوالے سے، بڑی اہم باتیں لکھی ہیں جو مبنی بر حقیقت بھی ہیں۔

—— ڈاکٹر شفقت اعظمی

تاریخ ادب اردو (1838-1858) (دسویں جلد)

مصنف: پروفیسر محمد انصاراللہ

تحقیق و تنقید پر پروفیسر انصاراللہ کے قلم سے درجنوں کتابیں منظر عام پر آئیں اور مقبول عام و خاص ہوئیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہزاروں صفحات پر پھیلی 'تاریخ ادب اردو' بھی ہے۔

زیر نظر کتاب موصوف کی سترہ جلدوں پر مشتمل تاریخ ادب اردو کی دسویں جلد ہے۔ بنیادی طور پر کتاب کو دو علاقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا روہیل کھنڈ اور دوسرا لکھنؤ۔ اول الذکر میں بالترتیب چھ شہر شامل ہیں: بریلی، مراد آباد، بدایوں، رام پور، شاہ جہاں پور اور فرخ آباد۔

کتاب کی ابتدا میں ایک اجمالی فہرست ہے جو مذکورہ شہروں پر مشتمل ہے پھر ان شہروں میں ہر شہر کی ایک مفصل فہرست ہے، گویا ایک شہر ایک باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر باب کو دو کلیدی حصوں میں بانٹا گیا ہے۔ ایک نظم دوسرے نثر۔ منظوم حصے میں اس بات پر خاص توجہ دی گئی ہے کہ متعلقہ علاقے میں نظم کی کس کس صنف میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔ مصنف نے ان تفصیلات کو الگ الگ بیان کیا ہے؛ البتہ صنف غزل کو اولیت دی گئی ہے۔ اس کے بعد ہر صنف میں طبع آزمائی کرنے والے شاعر پر علاحدہ بحث کی گئی ہے۔

کتاب کی پیشانی پر 1858-1838 کا اندراج اس شبہے میں ڈالتا ہے کہ اس کا تعلق زیر نظر مکمل کتاب سے ہے یا صرف کتاب کے اسی حصے سے؟ اسی طرح سے قاری کے ذہن پر یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ آیا مذکورہ ان بیس سال کے عرصے میں اردو کی تاریخ مندرجہ ذیل انھی مقامات پر مبنی رہی یا اردو کے دوسرے جزیرے بھی آباد ہو رہے تھے اور وہاں بھی اردو ادب کے تاریخی ہیولے تیار ہو رہے تھے؟

مصنف نے عہد وار تاریخ مرتب کرنے کے بجائے شخص وار تاریخ مرتب کی ہے اس طرح انھوں نے روایتی طرز سے انحراف کر کے ایک الگ انداز سے اردو ادب کی تاریخ مرتب کرنے کی سعی جمیل کی ہے۔ اس میں مذہبی نثر کا ایک مستقل عنوان قائم کر کے

مصنف نے اردو ادب کے ایک مردہ پہلو کو بھی زندگی عطا کی ہے۔

کتاب کے اخیر میں کتابیات کے ضمن میں ڈیڑھ سو معتبر و مستند کتب و رسائل کا اشاریہ قابل ذکر ہے۔ زبان و بیان پر قدرے قدامت کا غلبہ ہے اور اسلوب میں بھی کہیں کہیں بوجھل پن ہے تاہم مجموعی طور پر سادہ نثر کو کام میں لایا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ شخص واحد کی طرف سے اس عظیم خدمت کو مکمل ایک انجمن کا کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

—— فاروق اعظم قاسمی

تاریخ ادب اردو (یازدہم)

مصنف: محمد انصار اللہ

اردو زبان و ادب کی تاریخ پر اب تک کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، پروفیسر گیان چند جین اور پروفیسر سیدہ جعفر جیسے اہم تاریخ نویسوں کے علاوہ دیگر کئی مؤرخین نے اردو ادب کی تاریخ قلم بند کی ہے۔ اس سلسلے میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے کئی اہم کام کیے ہیں۔ ان میں سے ایک وقیع کام 'تاریخ ادب اردو' کی تقریباً سترہ جلدوں کا اشاعتی سلسلہ بھی ہے۔ جن کی اب تک گیارہ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ اس کے مصنف پروفیسر محمد انصار اللہ نے دیگر تاریخی کتابوں سے ہٹ کر علاقائی اعتبار سے اردو ادب کی تاریخ پیش کی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں گیارہ علمی و ادبی مراکز کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں فیض آباد، کانپور، الہ آباد، بنگال، گجرات، احمد آباد، بمبئی، دکن، کرناٹک و اطراف کے علاوہ بیرون ممالک یعنی ایران، افغانستان، نیپال، برما اور سری لنکا میں اردو کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہر علاقے کو شاعری مثلاً غزل، مرثیہ، مثنوی، ریختی اور نثر وغیرہ پر تقسیم کر کے شعرا اور نثر نگار کی خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کئی جگہ مذہبی نثر کا عنوان دے کر اس موضوع سے متعلق بھی معلومات فراہم کی گئی ہے۔

فیض آباد کی ادبی شخصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے اعجاز، ترقی، سوزاں، بریاں، ناسخ، آتش، واہب، رقت، خلیق، خلق، انیس، نامی، رشک، رند، واقف، والہ کا نام غزل گو شعرا میں، نازک، دولہن کا شاعرات میں، انور، مقبل، میر کا مرثیہ نگاروں میں تذکرہ کرنے کے علاوہ عازم، مخلوق اور احمد علی کی خدمات بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کانپور کے ادبا کا تذکرہ کرتے وقت مہر، ناسخ، سید، رشک، خرم، رشک، فرد، سرور، یوسف، اور عباس علی فاروقی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کانپور کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں کہ شروع زمانے میں کانپور کے کئی نام سامنے آتے ہیں۔ کمپ، کنپو، کنپور، کانہہ پور اور کانپور۔ الہ آباد کی شخصیات کا بیان کرتے ہوئے ناسخ، نادر، اعظم، قدسی، افضل، مظلوم، فریاد، اعظم، جولاں، قران، انور، حسین، کرامت علی، شوکت نادری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ خطہ بہار کی ادبی شخصیات کے بارے میں بتاتے ہوئے خیالی، فدوی، عاشق، راجا، راسخ، فرحت، یاس، فرد، محترم، ترقی، ظہور، راسخ، عاشق، قمر علی، ظہور اور ذوالفقار علی کا ذکر ملتا ہے۔

بنگال اور مضافات یعنی مرشد آباد، کلکتہ، ہوگلی، ڈھاکہ اور سلہٹ کی ادبی شخصیات کا ذکر کرتے ہوئے مرزا محمد عسکری، حمایت علی، عجائب رام، میر مبارک علی، ہمدم اور فصیح جیسی ادبی شخصیات کی خدمات کا ذکر ہوا ہے۔ صوبۂ متوسط یعنی برار، برہانپور، بھوپال، جبل پور اور ناگپور جیسے مقامات کی ادبی شخصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے جنرل، جانباز، احسن، حافظ شجاع الدین، دولہا، اخگر، رویت، مقدور، مسکین، کرم، واصل، احمد یار خاں، علی اکبر، غمگین اور حشمت کی خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ گجرات یعنی احمد آباد، بڑودہ، بھڑوچ، کچھین، سورت، کھمبایت کی شخصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے باقر، وحید، نصیری، شیدا، صاحب، ضاحک، ذاکر، عباس، کریم، محبؔ، اخلاص، فرحت، غمگین، غنی، احمد، قطب، اختر، بخشش، لطیف، شمس، کاظم اور احمد کی خدمات بیان کی گئی ہیں۔ گجرات کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں کہ گجرات کا قدیمی نام 'گوجر راشٹر' یعنی گوجروں کی مملکت بتایا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ گوجر بعد میں 'شدھ' ہو کر راجپوت کہلائے۔ بمبئی کی شخصیات کے بارے میں بتاتے ہوئے سپاہی، محی الدین، یوسف، فاطمہ عبدالقادر، ابراہیم مقبہ، نظام الدین، یوسف اور صالح محمد کی خدمات کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ دکن یعنی حیدرآباد، اورنگ آباد، کرنول کی اہم شخصیات کی خدمات پر نظر ڈالتے ہوئے شاداں، نصیر، حفظ، اویس، شرر، شہرت، آفاق، مسرت، حیدر، طوفان، عقلاں، فیض، قاسم لعل، بابا قادری، حسین علی، رتن لعل، شاہ علی، جعفر، صالح، شوق، عمر، غلام نبی، سعید الدین، ظہور، شہسوار، جوہر اور واقف کی خدمات کا تذکرہ ملتا ہے۔ کرناٹک اور اس کے متعلقات یعنی میسور اور مدراس کے بارے میں بتاتے ہوئے میر محمد حیات اور عبدالغفور کی خدمات کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ بیرون ملک یعنی ایران، افغانستان، نیپال، برما اور لنکا میں اردو کی تاریخ بیان کرتے ہوئے محمود، سفیر، خورشید، بیتاب کشن نرائن، مولوی رمضان الحق، محمد صالح، مسرور، باجن اور ناصر کی خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کے منقسمہ ہر حصے کے اخیر میں حواشی و تعلیقات دیے گئے ہیں اور تقریباً ڈھائی سو مآخذ موجود ہیں جس سے مصنف کی وسعت نظر کا پتہ چلتا ہے۔ اس میں ادبی شخصیات کے ہمہ جہت پہلو پر گہری نظر ڈالی گئی ہے اور ان کی تخلیقات کو پیش کرتے ہوئے ان کی قدریں بھی متعین کی گئی ہیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو مواد اور عنوان کے اعتبار سے یہ قابل قدر کتاب ہے۔ ویسے تاریخ کے حوالے سے دوسری کتابیں بھی قومی اردو کونسل نے شائع کی ہیں مگر یہ کتاب منفرد نوعیت کی حامل ہے۔ کیونکہ یہ کتاب طلبا اور اساتذہ دونوں کے لیے یکساں مفید ہے۔

—— محمد شمس الدین

عربی ادب کی تاریخ [جلد اول و سوم]

مصنف: عبدالحلیم ندوی

عبدالحلیم ندوی کی زیر تبصرہ کتاب کی پہلی جلد 'عہد جاہلیت' پر مشتمل ہے۔ مصنف نے کتاب میں جلد اول کو ایک مقدمہ اور چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ کتاب کا مقدمہ اردو میں 'تاریخ ادب عربی' کی ضرورت و اہمیت سے متعلق ہے۔ اس کے پہلے اور دوسرے باب میں عرب قوم کا تاریخی پس منظر اور عربی زبان کی تشکیلی کہانی مذکور ہے۔ مصنف نے مختلف حوالوں سے تاریخی اور ثقافتی نقوش کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے لیکن یہاں ان کا کردار صرف راوی کا ہے۔ ادبی ناقد اور مورخ کا صحیح نظریہ ہونا چاہیے کہ واقعات کے بیان میں تحقیقی روش اور تنقیدی نظریہ اختیار کرے۔

مصنف نے دور جاہلیت کے نثری اقسام پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور ضروری حوالہ جات و اقتباسات سے انھیں مزین کرنے کی کوشش کی ہے۔

چوتھے باب میں عربی شاعری کے تشکیلی مراحل اور اس کے ثقافتی سیاق کو خصوصیت کے ساتھ اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے مختلف ذیلی حصے ہیں۔ آغاز میں شاعری کی تعریف اور شعر کی اقسام پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں غزل، فخر و حماسہ، مدح، مرثیہ اور ہجو وغیرہ کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے۔ اس حوالے سے صمہ بن عبداللہ قریشی، حسین بن مطیر اسدی، عمرو بن کلثوم، قریط بن انیف وغیرہ کے شعری متون کا مختلف حوالوں سے تجزیہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی تیسری جلد میں بنو امیہ کے عہد میں عربی زبان و ادب کی ترقی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اسے بھی ایک مقدمہ اور بارہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کے پہلے اور دوسرے ابواب میں گفتگو اور خطابت کے حوالے سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں

طارق بن زیاد، زیاد ابن ابیہ، حجاج بن یوسف، سحبان وائل اور احنف بن قیس کی تقاریر کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے۔ تیسرا باب مذہبی تقاریر کے لیے وقف ہے۔ اس ضمن میں حسن بصری کا خصوصی تذکرہ کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں دفتری اور سیاسی خطوط نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔

کتاب میں مصنف نے مورخ کے بجائے تذکرہ نگار اور راوی کا کردار ادا کیا ہے۔ اس لیے بعض مقامات پر اختصار اور بعض جگہ طوالت کا احساس ہوتا ہے۔ ہندوستان کی بہت سی جامعات میں عربی زبان و ادب کے شعبے قائم ہیں۔ اس کے علاوہ مدارس میں بھی عربی ادب کی تعلیم کا انتظام ہے۔ جامعات سے منسلک اساتذہ کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ عربی زبان و ادب کو عرب مصنف / ناقد جس پس منظر میں دیکھتا ہے؛ اس کے بارے میں ہندوستان میں رہنے والوں کی رائے بھی وہی ہوگی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ عجمی مصنفین اپنے تحفظات کا برملا اظہار کرنے میں ہچکچاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان و ادب پر اردو میں جو بھی تصانیف سامنے آئی ہیں وہ کہیں نہ کہیں عربی کتابوں کا ترجمہ یا چربہ ہیں۔ بعض نے برملا اس کا اقرار کیا ہے تو بعض نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے۔ مجموعی طور پر یہ دونوں جلدیں اپنے موضوع پر متوسط درجے کی تصنیف ہیں جو درسی ضروریات کے پیش نظر مرتب کی گئی ہیں۔ اس لیے طلبہ کی صلاحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مصنف نے تمام مباحث کو آسان زبان اور سلیس اسلوب میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ طلبہ کے درمیان بھی یہ کتاب شروع سے مقبول رہی ہے۔ اس کا ثبوت اس کے مختلف ایڈیشن ہیں۔ پہلی مرتبہ یہ کتاب 1979 میں شائع ہوئی تھی اور 2014 میں کونسل نے اس کا چھٹا ایڈیشن شائع کیا ہے۔

—— جابر زماں

بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا (1204 تا 1857)

مصنف: اختر اورینوی

ادبی اعتبار سے اختر اورینوی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی سرمائے کی بدولت وہ ادبی دنیا میں منفرد مقام کے حامل ہیں۔

'بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا (1204 تا 1857)' دراصل مصنف کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر پٹنہ یونیورسٹی نے ڈی لٹ کی ڈگری تفویض کی تھی۔ مواد کے اعتبار سے یہ کتاب کافی اہمیت کی حامل ہے۔ مصنف نے فقط بہار میں اردو زبان و ادب کے ارتقا پر بحث کرنے کے بجائے 'مقدمہ' میں ایک طویل گفتگو فلسفۂ زبان و اقوام، اردو زبان کے آغاز کا پس منظر اور اردو زبان کے ارتقا پر کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ دوٹوک انداز میں انھوں نے فیصلے بھی صادر فرمائے ہیں۔ مثال کے طور پر خالص زبان کے متعلق اکثر یہ تحریر پڑھنے میں آتی ہے کہ اس سے مراد وہ زبان ہے جس میں دوسری زبان کے الفاظ شامل نہ ہوئے ہوں۔

یوں تو پوری کتاب فقط دو ابواب پر مشتمل ہے۔ اول 'بہار میں اردو زبان' اور دوئم 'بہار میں اردو ادب' لیکن ان دونوں ابواب میں کئی ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ مثلاً پہلے باب میں چار ذیلی عنوانات (i) عہد عالمگیر میں لسانی یکسانی (ii) کھڑی بولی ریختہ (iii) قدیم اردو اور صوفیاء کرام (iv) انگریزی دور میں اردو زبان۔ لیکن باب دوئم میں 48 (اڑتالیس) ذیلی عنوانات قائم کرتے ہوئے بہار میں اردو ادب کے ارتقا سے بحث کی گئی ہے۔ اس باب کے تحت اردو ادب کے فروغ میں صوفیاء کرام کی خدمات کے ذکر کے ساتھ تذکرہ نگار شعرا اور نثر نگاروں کی بھی ایک طویل فہرست پیش کی گئی ہے۔ اس باب میں ایسے شعرا کی تفصیلات بھی درج ہیں جنھوں نے مختلف شہروں سے ہجرت کے بعد عظیم آباد میں سکونت اختیار کی اور زندگی کے آخری ایام تک وہیں مقیم رہے۔ ان شعرا میں میر محمد باقر حزیں، اشرف علی خاں فغاں، میر ضیاء الدین ضیا اور شاہ رکن الدین عشق وغیرہ شامل ہیں۔ مصنف کا ایک بڑا کمال یہ ہے کہ کتاب میں شعرا کی تفصیلات کے ساتھ ان کے کلام کا ایک مختصر سا انتخاب بھی پیش کیا ہے۔

کتاب کے اختتام پر کتابیات اور اشاریہ سے پہلے 'بہار میں اردو ادب کے عام میلانات' کا عنوان قائم کرتے ہوئے مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس زمانے میں اردو زبان و ادب نے بہار کی سرزمین میں اپنے بال و پر پھیلانے شروع کیے، اس وقت وہاں کے شعری اور نثری فن پاروں پر صوفیانہ اور مذہبی رنگ پوری طرح غالب تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ صوفیا نے دین اسلام کی تبلیغ کے لیے عوامی زبان کو ہی ذریعۂ اظہار بنایا تھا، کیوں کہ انھیں اپنی بات زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانی تھی۔ لہٰذا معیاری کے بجائے عوامی زبان ہی تبلیغ کے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔

—— ساجد ذکی فہمی

قدیم تامل ناڈو میں عربی و فارسی ادبیات کی چار سو سالہ تاریخ

مصنف: کاوش بدری

''قدیم تامل ناڈو میں عربی و فارسی ادبیات کی چار سو سالہ تاریخ (جلد اول- عربی) 176 صفحات پر محیط ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اسے 2004 میں مختلف علوم وفنون کی کتابوں کی سیریز میں شائع کر کے اردو دنیا میں جنوبی ہند کے ساحلی خطے کو بطور گہوارۂ ادب روشناس کرانے کی مثبت پہل کی ہے۔

اس کتاب کا ابتدائیہ ڈاکٹر افضل الدین اقبال نے لکھا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے۔ کتاب کا مطالعہ اس دعوے کی تائید کرتا ہے۔ کتاب تین مستقل ابواب اور چھ ذیلی ابواب پر مشتمل ہے۔ 52 صفحات پر محیط پہلے باب میں موصوف نے تامل ناڈو کی جغرافیائی حدود، عربی مدارس میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ، خانقاہی درس گاہی نظام، تامل ناڈو میں قدیم عربی کتب، مخطوطات و کتب خانے، عربی زبان و ادب کے فروغ کا تاریخی پس منظر، گھریلو مدارس و مکاتب، اساتذۂ کرام کے اسمائے گرامی، بیرونی ممالک کے علما، ادبا، شعرا، تامل ناڈو میں مدرسوں کی تاسیس اور انگریزی تعلیم کی مخالفت، فورٹ سینٹ جارج مدرسہ کالج کا قیام، موجودہ عربی مدارس، تامل ناڈو میں عربی، فارسی اور اردو کے فروغ کے لیے انگریزوں کی خدمات اور اس کے مقابل علما کی جماعت، مذہبی گروہ بندیاں اور عرب تمل مشترکہ ''تمیل'' رسم الخط کا جائزہ پیش کیا ہے۔

دوسرا باب جو 60 صفحات پر محیط ہے اس میں ''تذکرۂ علمائے کرام'' کے عنوان سے 24 علما کا ذکر ہے۔

تیسرا باب 340 صفحات پر محیط ہے جس میں تامل ناڈو کے اہم مدارس، ان کی اجمالی تاریخ اور ادبی رسائل ومجلّات کی تفصیل فراہم کی ہے۔ اسی باب میں ذیلی باب کے تحت مدرسہ باقیات الصالحات کے ذیل میں 15 بزرگوں کا تعارف کرایا ہے جس میں افضل العلما پروفیسر حافظ محمد یوسف کوکن عمری، شمس العلما عبدالوہاب شاہ قادری، مولانا عبدالجبار، مولانا ضیاء الدین امانی، شیخ الادب مولانا عبدالصمد علی باقوی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، سید حسین شاہ حقیقت وغیرہ شامل ہیں۔

اس باب میں ایک اہم حصہ فہرست مخطوطات کا بھی ہے جسے دیکھ کر کاوش بدری کی محنت کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ جبکہ ہم یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ یہ مخطوطے ایسی جگہ ہیں جہاں نہ تو باضابطہ کیٹلاگ بنے ہیں اور نہ ہی جدید لائبریری سائنس سے

واقف لوگ بیٹھے ہیں۔ ایسے میں موصوف نے جن کاوشوں سے یہ مواد حاصل کیا ہوگا اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کاوش بدری قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس اہم کام کو انجام دیا۔ کلاسیکی ادب پر ریسرچ کرنے والے طلبہ یقیناً اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

— شعیب رضا

امریکی ادب کا مختصر جائزہ

مصنف: سلامت اللہ خاں

''امریکی ادب کا مختصر جائزہ'' سلامت اللہ خاں کی تاریخی و تجزیاتی نوعیت کی کتاب ہے جس میں امریکی ادب کے تاریخی و ثقافتی سیاق و سباق کی وضاحت کی گئی ہے نیز وہاں کی ہر ادبی تحریک پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور مختلف تحریکوں کا باہمی رشتہ یا ایک دوسرے پر ان کا ردِعمل اور ان تحریکوں کے نمائندہ ادیبوں اور ان کے شہ پاروں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ''امریکی ثقافتی میراث'' ہے جس میں امریکہ میں نوآبادیات قائم کرنے والوں اور عیسائیت کے مبلغوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں اور ان کی تحریروں سے امریکی ثقافت پر پڑنے والے دوررس اثرات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ خاص طور پر سترھویں صدی کے میتھر خاندان کی تین پشتوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں پادری جوناتھن ایڈورڈس کا بھی ذکر ہے جو ایک بڑے عالم، فلسفی، صوفی، منطقی اور سائنسداں تھے، ان کی تمام دستیاب تحریروں (پانچ تصانیف) پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ گرچہ ان کی تمام تر تصانیف کا تعلق خیر و شر کی تفاصیل اور ثقافتی روایات سے ہے لیکن امریکی تخلیقی ادب کو بھی انھوں نے متاثر کیا۔ امریکی ادب میں ان اثرات کی بازگشت کو مصنف نے بخوبی اجاگر کیا ہے جو ناتھن ایڈورڈس کے بعد روشن خیالی کے علم بردار، عملیت کے ہیرو اور حریت پسند بنجامن فرینکلن کی خدمات اور ان کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا محاکمہ کیا گیا ہے۔

دوسرا باب ''بدیع امریکی ادب اور رومانیت'' ہے۔ امریکہ میں حصول آزادی کے بعد برطانوی اور یورپی ادب کے اثرات سے پاک، منفرد مقامیت کا اظہار جون ٹرمبل، فلپ فرینو اور جوئیل بارلو کی شاعری میں ہوتا ہے۔ ان تینوں شعرا کا ذکر ان کی مخصوص نظموں کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ شاعری کی طرح تخلیقی نثر میں بھی قومی مواد کو برتا گیا ہے۔ ولیم ہل براؤن، سوزان روسن اور حنا فاسٹر کے ناول اس رجحان کے نمائندہ ناول ہیں جن کا ذکر یہاں موجود ہے۔

تیسرا باب ''رومانیت کا بحران اور فن کی تجدید'' ہے۔

چوتھا باب ''علاقائی حقیقت نگاری اور ادبی و اخلاقی قدروں کی تجدید'' ہے۔

پانچواں باب ''رومانیت کا انحطاط اور نیچریت کی ابتدا'' ہے۔ اس باب میں پہلے انیسویں صدی کی آخری دہائی میں رومانیت کے زوال کے اسباب کا بیان ہے۔ اس کے بعد اس ادبی خلا کو پر کرنے کے لیے نیچریت (Naturalism) کی ادبی تحریک کی ابتدا کا ذکر ہے نیز اس کے پس پشت کارفرما مختلف عوامل، رومانیت اور نیچریت کے مابین فرق اور ان کے نمائندہ ادیبوں کا ذکر اس باب میں شامل ہے۔

چھٹا باب ''ہزیمت خوردہ نسل کے پیش رو'' اور ساتواں باب ''ہزیمت خوردہ نسل: پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کے درمیانی وقفے میں'' ہے۔

چھٹے باب میں بیسویں صدی کی مختلف و متنوع ادبی تحریکوں کا تعارف ہے۔ نیچریت کی عارضی آب و تاب اور پھر اس کے احیا کے اسباب و علل کا بیان ہے۔

آٹھواں اور آخری باب ''جدید امریکی ادب کے رجحانات: دوسری جنگ عظیم کے بعد'' ہے۔ یہ کتاب امریکہ کی ادبی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک گرانقدر معلوماتی کتاب ہے جو مختلف ادوار میں قلمکاروں کے مختلف ذہنی رویوں، امریکی ادبی روایات، ادبی میلانات و رجحانات اور ان رجحانات کے نمائندہ قلم کاروں کی تجزیاتی تصویر بھی پیش کرتی ہے۔

— ابوشہیم خاں

اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ

مصنف: محمد حسن

زیرِ نظر تصنیف، جیسا کہ اس کے عنوان ہی سے ظاہر ہے، ادبی سماجیات سے تعلق رکھتی ہے جو نسبتاً ایک نیا علم ہے۔ خود مصنف کے الفاظ میں ''ادبی سماجیات'' ادب کو سماج کے رشتوں سے اور سماج کو ادب کے وسیلے سے پہچاننے کی کوشش ہے۔ ادبی سماجیات ادب کا مطالعہ سماج کے وسیلۂ اظہار کے طور پر ہی نہیں کرتی بلکہ اس کے آئینے میں عصری مسائل، اقدارِ حیات، بدلتے ہوئے ذوقِ سلیم اور ان کے محرکات کو پرکھنا اور پہچاننا بھی چاہتی ہے۔ اندازِ بیان اور تکنیک کے بدلتے ہوئے تصورات بھی اسی دائرے میں آتے ہیں۔''

مصنف نے اس سلسلے میں تخلیق کے ساتھ ساتھ تخلیق کار کو بھی مطالعے کا موضوع بناتے ہوئے ادبی سرپرستی کو ادبی سماجیات کا حصہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے اپنے موضوع کا پس منظر پیش کرتے ہوئے ادبی تاریخ کی روشنی میں سماجیات کے منزل بہ منزل اور عہد بہ عہد ارتقا کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے افلاطون، ویکو، مادام مری اسٹیل، کے علاوہ مارکس اور اینگلز کے خیالات سے بھی بحث کی ہے جنھوں نے ادب کو سماجی ارتقا کے عمل کا حصہ قرار دیا تھا۔

مصنف نے 1858 کے بعد برطانوی اقتدار کے دور کے آغاز سے حصول آزادی تک کے اردو ادب کے قلمکاروں کی حیثیت سے بحث کی ہے اور آزاد ہندوستان کے 38 شعرا 23 افسانہ نگاروں، 10 مزاح نگاروں، 22 نقادوں، 10 محققوں اور 10 مشاعرے کے شاعروں کے، خاندانی پس منظر، ان کے پیشوں اور ادبی سرپرستی کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ 38 شاعروں میں سے 13 کا پیشہ تدریس، 2 کا وکالت، 3 کا ریڈیو ٹی وی، 5 کا فلم، 1 کا سرکاری ملازمت، 3 کا کاروبار اور 5 کے دیگر پیشے ہیں۔ 23 افسانہ نگاروں میں سے 3 کا پیشہ تدریس، 3 کا صحافت، 3 کا ریڈیو ٹی وی، 5 کا فلم، 1 کا سرکاری ملازمت، 3 کا کاروبار، اور 5 دیگر ہیں۔ 10 مزاح نگاروں میں سے 2 کا پیشہ تدریس، 2 کا صحافت، 4 کا سرکاری ملازمت، اور 5 کا دیگر ہیں۔

22 نقادوں میں سے 16 کا پیشہ تدریس، 1 کا ریڈیو ٹی وی، 3 کا سرکاری ملازمت اور 3 دیگر ہیں، 10 محقق میں سے 7 کا پیشہ تدریس اور 1 کا دیگر ہے۔ اس طرح 112 قلمکاروں میں سے 41 تدریس سے وابستہ ہیں، 5 صحافت سے، 2 وکالت سے، 7 ریڈیو ٹیلی ویژن سے، 7 فلم سے، 9 سرکاری ملازمت سے، 7 کاروبار سے اور 13 دیگر پیشہ جات سے وابستہ ہیں۔

ان قلمکاروں کی تعداد خاصی ہے جنھیں اس جائزے میں شامل کیا گیا ہے اس لیے ان میں سے ہر ایک پر روشنی ڈالنا ممکن نہیں ہے۔

— ظفر احمد نظامی

تاریخ نثر اردو: نمونۂ منثورات

مولف: احسن مارہروی، مرتب: رحیل صدیقی

اردو ادب میں شاعری کے نمونے اور کلیات آسانی سے دستیاب ہوجاتے ہیں جب کہ نثری نمونے کا فقدان نظر آتا ہے۔ قارئین کی دل چسپی شاعری میں ہمیشہ سے زیادہ رہی ہے۔ قومی کونسل نے حال میں احسن مارہروی کی تالیف کردہ کتاب 'نمونۂ منثورات' شائع کی ہے جسے رحیل صدیقی نے مرتب کی ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ 1398 سے عصر حاضر (1930) تک کے نثری نمونے دیے گئے ہیں۔ احسن مارہروی نے 28 صفحات پر مشتمل مقدمہ تحریر کیا ہے۔ ایسے کام کے لیے یہ مقدمہ مختصر معلوم ہوتا ہے لیکن انھوں نے دو تین یا چار پانچ نمونوں کے بعد 'تبصرہ کیفیت' کے عنوان سے نثری نمونوں کا خوبصورت تجزیہ بھی پیش کیا ہے جو وقت طلب کام تھا۔

کتاب چوں کہ 1930 میں شائع ہوئی تھی اس لیے عصر حاضر سے 1928، 1929 تک کا خیال آتا ہے لیکن اس کتاب میں جو آخری سے پہلے نمبر شمار 43 میں خط درج ہے وہ 12 اگست 1924 ہے لیکن یہ خط دوسرے دور کے تحت جس پر 1901 تا 1930 درج ہے۔ یہ بھی ایک الگ دلچسپ نکتہ ہے کہ جس دور کا باب شروع ہے اس کے اوپر ہی تا 1930 درج ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ کتاب 1930 کے بعد شائع ہو پاتی۔ ایک دو نمونے 1926 تک کے بھی درج ہیں۔ مرتب نے ایک اور دل چسپ نکتہ پیدا کیا ہے کہ اس کی ترتیب و تدوین بقول مصنف 1924 میں مکمل ہوگئی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو اس میں 1926 کے نثری نمونے کہاں سے آجاتے ہیں۔

اگر مؤلف کی بات مان لی جائے تو 1930 سے سات سال پہلے کا مطلب ہے 1923 اور اگر آٹھ سال پہلے کتاب مکمل ہوگئی تھی تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کتاب 1922 میں مکمل ہوگئی تھی۔ دراصل سات آٹھ اور دو تین سال کہنے سے اور بھی غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ رسالہ 'زمانہ' مارچ 1931 صفحہ 200 پر دونوں جلدوں کے سولہ نمونوں کی فہرست شائع ہوئی تھی۔ اس سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ دوسری جلد بھی مکمل ہوچکی تھی لیکن وہ دست برد زمانہ کا شکار ہوگئی۔

بہرحال تحقیقی نوعیتوں سے قطع نظر اس کتاب کی افادیت کسی طرح کم نہیں ہوتی۔ مؤلف کی محنت و کاوش کا اندازہ نمونوں کے تنوع سے ظاہر ہے۔ پھر یہ کہ بہت سے نمونے انھوں نے قلمی نسخوں سے نقل کیے ہیں۔ یہ بھی اہتمام ملتا ہے کہ الفاظ کے قدیم املا کے بریکٹ میں جدید املا بھی لکھا گیا ہے۔ اپنے مقدمے میں انھوں نے محمود شیرانی کے ذریعے 'پنجاب میں اردو' میں اردو کی پیدائش کا مولد و مسکن پنجاب کو قرار دیے جانے کی تردید کی ہے، جو دل چسپی سے خالی نہیں۔

'نمونۂ منثورات' کی اشاعت سے اردو کے اساتذہ اور طلبہ دونوں مستفیض و مستفید ہوسکیں گے۔ ایک ساتھ ایک ہی کتاب میں مختلف اقسام کے نثری نمونوں سے اگر کوئی تنقیدی تجزیہ یا نثری ارتقا کی صورت حال کا جائزہ لینا چاہے تو اُسے بڑی آسانی ہوگی۔ رحیل صدیقی مرتب کتاب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس جانب توجہ کی۔

— کوثر مظہری

اردو ادب کی تنقیدی تاریخ

سید احتشام حسین

پروفیسر سید احتشام حسین کا شمار اردو کے ممتاز ناقدین میں ہوتا ہے۔ ان کی دلچسپی ادب کے علاوہ دوسرے علوم سے بھی تھی۔ ادب کے مختلف شعبوں میں احتشام صاحب نے اپنے علمی کمالات دکھائے، لیکن ان کا اصل میدان تنقید نگاری تھا ان کی تحریروں سے اردو تنقید کو نیا رخ ملا اور اختلاف کے باوجود اس سلسلے میں ان کے طریق کار کی ہمہ گیری، وسعت اور اہمیت کا اعتراف کیا گیا۔

زیر تبصرہ کتاب 'اردو ادب کی تنقیدی تاریخ' چودہ ابواب میں منقسم ہے، پہلا 'اردو زبان و ادب کی ابتدا' ہے۔ اردو ادب کی تاریخوں میں عام طور پر اردو زبان کے آغاز و ارتقا سے متعلق ایک باب شامل ہوتا ہے لیکن یہ باب بسا اوقات الجھاوے کا سبب بنتا ہے۔ پروفیسر احتشام حسین نے اس باب میں بہت ہی سہل انداز میں اردو زبان کے آغاز و ارتقا کو پیش کیا ہے۔

دوسرا باب 'اردو دکن میں' ہے۔ اس باب میں اردو زبان و ادب کے ارتقائی مراحل اور اردو ادب کی توسیع و اشاعت پر روشنی ڈالتے ہوئے صوفیائے کرام نیز سلاطین دکن کی علمی و ادبی خدمات کا تعارف پیش کیا ہے۔ دکن کے اہم شعرا کے کلام کا جائزہ لیتے ہوئے کئی اہم ادبا کا ادبی مقام متعین کیا ہے۔

دلی اٹھارویں صدی میں، اس کتاب کا تیسرا باب ہے اس باب میں ان اسباب و عوامل پر اظہار خیال کیا ہے جو اردو زبان و ادب کے ارتقا میں سدراہ ثابت ہوئے اور پھر مغلیہ عہد کے زوال کا ذکر کرتے ہوئے اردو زبان کے عروج کی کہانی بیان کی ہے۔ اردو زبان و ادب کے ارتقا کے سلسلے میں یہ عہد تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے۔

چوتھے باب میں بہ عنوان 'اردو نثر کی ابتدا اور تشکیل' میں اردو نثر کے آغاز اور نثری ادب کے ارتقا پر بحث کی گئی ہے۔ بعض تصانیف کے انتساب کو مشکوک قرار دیتے ہوئے ان کی تاریخی اہمیت پر توجہ مبذول کرائی ہے۔

پانچویں باب 'اودھ کی دنیائے شاعری' میں عنوان کی مناسبت سے دبستان لکھنؤ کے امتیازات کو زیر بحث لاکر دونوں دبستانوں کے تضادات اور مماثلتوں کو نشان زد کیا ہے۔ یہ بحث بھی ادب کے طالب علموں نیز مورخین ادب کے لیے پریشان کن ثابت ہوتی ہے۔ احتشام صاحب نے اس عقدے کی جس طرح گرہ کشائی کی ہے اس سے ان دبستانوں کی خصوصیات اور لکھنوی تہذیب کے زیر اثر ارتقا پانے والے ادب کی تفہیم آسان ہوجاتی ہے ان کی اس صائب رائے سے شاید ہی کوئی اختلاف کرے کہ ''دہلی اور لکھنؤ کا فرق انداز بیان میں زیادہ اور معنویت میں کم سے کم ہے اور اس کا مطالعہ اسی روشنی میں کرنا چاہیے؟''

نظیر اکبرآبادی اور ایک خاص روایت کا ارتقا، اس کتاب کا چھٹا باب ہے۔ یہ دراصل ایک مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔

کتاب میں شامل دوسرے ابواب کے عنوانات اس طرح ہیں: قدیم دلی کی آخری بہار، اردو نثر فورٹ ولیم کالج اور اس کے بعد نئے دور سے پہلے نظم اور نثر، نیا شعور اور نیا نثری ادب، نشاۃ ثانیہ کی اردو شاعری، نظم میں نئی سمتیں، نثر کے نئے روپ، موجودہ ادبی صورت حال۔

ان عنوانات کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس مفید تر کتاب میں کن موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے اور ادبی تاریخ کے طالب علموں کے لیے یہ موضوعات کس قدر اہم ہیں۔ آٹھواں باب فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات اور اس کے اثرات کا جائزہ اختصار اور جامعیت کی بہترین مثال ہے جس کی نظیر اردو ادب کی دیگر تاریخوں میں ملنا مشکل ہے۔ اسی طرح گیارہویں باب میں جدید روشنی کے اثرات اور اس کے نتائج زیر بحث آئے ہیں یہی وہ عہد ہے جب انگریزی زبان و ادب سے بالواسطہ اور براہ راست بھی اخذ و استفادے کی راہیں ہموار ہوئیں اور اردو ادب بیش بہا ادبی سرمایے سے مالا مال ہوا۔

آخری باب موجودہ ادبی صورت حال میں احتشام صاحب نے تقریباً 1970 تک کی ادبی صورت حال کا جائزہ لیا ہے اور اس کے ساتھ ہی جدید ادبی رجحانات اور نئے شعری و ادبی تجربات پر روشنی ڈالتے ہوئے بدلتی ہوئی نئی ادبی صورت حال کو سمجھنے کی راہ آسان کی ہے۔

— عبدالرب

زبان و لسانیات

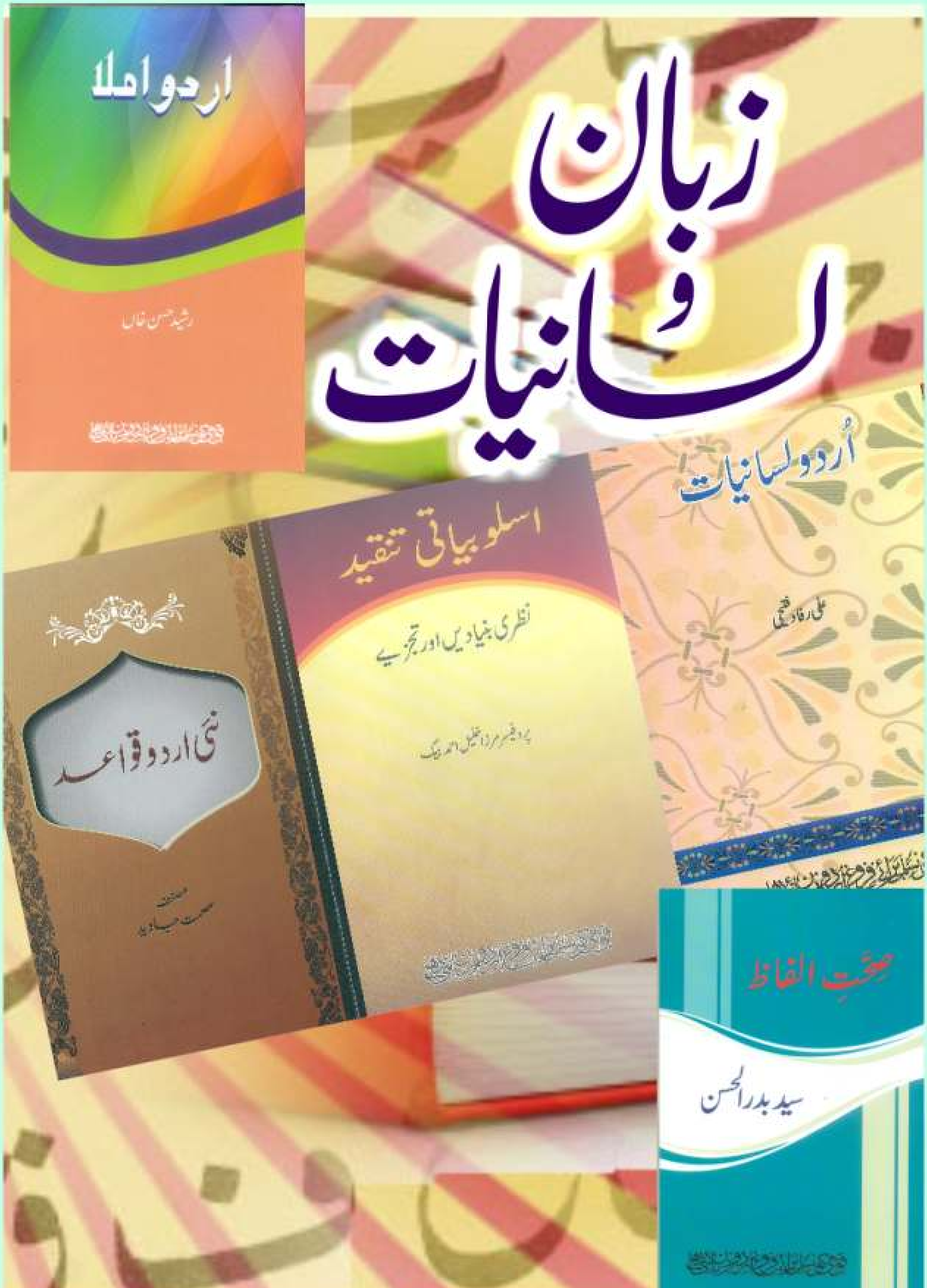

نئی اردو قواعد

مصنف: عصمت جاوید

صحیح زبان بولنے اور لکھنے کے لیے قواعد(Grammar) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اردو میں، اگر ایمانداری سے بات کی جائے تو اس جانب کم توجہ کی گئی۔ زبان کی باریکیوں اور جملوں کی ساخت سے لے کر محاورات اور روزمروں کے صحیح استعمال کے لیے قواعد سے واقفیت ضروری ہوتی ہے۔ لیکن مولوی عبدالحق کے بقول:

''زندہ زبان کے قواعد نویس کو سب سے اول بول چال کا خیال رکھنا چاہیے اور اسی سے قاعدے بنانے چاہئیں۔ (بحوالہ: کتاب ہذا، ص xv)

پہلے اس کتاب کے ابواب ملاحظہ کرلیں:

حصہ اوّل: صوت، باب اول اردو صوتیے

حصہ دوم: صرف، باب دوم: اجزائے کلام، باب سوم: جنس و تعداد۔ زمانہ

حصہ سوم: نحو، باب چہارم: جملہ، باب پنجم: جملے کی ساخت، باب ششم: اردو جملے کی قسمیں

حصہ چہارم: مشتقات و مرکبات، باب ہفتم: تشکیل الفاظ

فہرست اصطلاحات: (1) اردو انگریزی (2) انگریزی اردو

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ قواعد کا آغاز نحو سے ہوتا ہے۔ نحو سے قبل صرف کا بیان کرنے کے ضمن میں عصمت صاحب توجیہ پیش کرتے ہیں:

''ہم نے صرف کے اس حصے کا ذکر جس کا جملے سے گہرا تعلق ہے 'نحو' سے قبل کیا ہے تاکہ اردو نحو کو سمجھنے میں آسانی ہو اور اردو زبان کے لسانی مزاج کا مکمل عرفان حاصل ہو۔'' (کتاب ہذا، ص xxii)

حالانکہ کتاب میں صرف سے بھی پہلے صوت کے ذیل میں اردو صوتیے سے بحث کی گئی ہے۔ صوتیہ جسے انگریزی میں Phoneme کہتے ہیں، اردو میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی حصے میں مصنف نے تفصیل کے ساتھ مصوتوں (Vowels) اور مصمتوں (Consonants) کا بیان کیا ہے۔ قواعد کی قدیم کتابوں میں مصوتے کو حرف علت اور مصمتے کو حرف صحیح سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس جانب بھی عصمت جاوید نے توجہ دلائی ہے اور اس مفروضے کی تردید کی ہے کہ اردو میں حروف علت صرف الف، واؤ اور ی ہیں۔

عصمت جاوید صاحب نے واؤ معروف کے ذیل میں اوُن، دُور، حُور (ص:5) درج کیا ہے۔ کھڑی زیر اور الٹا پیش دونوں کا محل استعمال اب تک کنفیوژن پیدا کرتا رہا ہے۔ یہاں بھی جیسے دُور اور حُور میں 'د' اور 'ح' پر پیش ڈالتے ہیں اوُن میں الف پر اُلٹا پیش (ٗ) یا پیش (ُ) ڈالنا چاہیے۔ اگر کوئی کہے کہ چونکہ اون میں پہلے الف آتا ہے اس لیے الف پر پیش یا اُلٹا پیش نہیں ڈالا جاتا تو پھر اَیسے اور اَور میں الف کے اوپر زبر کیسے ڈالا جاسکتا ہے؟ عصمت جاوید نے بڑی محنت اور وقت ریزی کے ساتھ مثالوں کی روشنی میں گیارہ مصوتوں کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اردو کے سات مختلف مصمتوں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں انھوں نے اردو صوتیوں سے الگ کرنے کے لیے کچھ آوازوں کی مماثلت کے سبب انھیں تحریہ سے موسوم کیا ہے۔ جیسے: ث اور س، ذ، ض اور ظ، ط اور ت، ح اور ہ، ع اور َ (زبر) کی ہوتی ہے۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ جن کی تعلیم مدرسے کی ہوتی ہے وہ کم از کم 'ع' کو تو ادا ضرور کرتے ہیں۔ ساتھ ہی کچھ الفاظ ایسے ہیں جہاں 'ع' کی ہلکی سی آواز ضرور پیدا ہوتی ہے جو الف یا زبر سے مختلف ہوتی ہے۔ جیسے تعارف اور معلوم میں 'ع' کی ادائیگی خفیف طور پر ہی سہی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن اردو کی حد تک اس پر بہت زیادہ اصرار نہیں کیا جاسکتا۔ معرفت اور معبود میں ہم ایک دم سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ 'ع' الف یا َ (زبر) کی آواز کے مساوی ہے۔ عصمت جاوید نے خود بھی کچھ الفاظ لکھے ہیں اور کہا ہے کہ انھیں اردو کے صوتی نظام سے مکمل طور پر خارج بھی نہیں کیا جاسکتا ہے جیسے: ساعت، جماعت، تعارف، تعلق، لعاب، مسعود، سعید وغیرہ۔ حالانکہ ان سب الفاظ پر عصمت جاوید کا پہلے والا مفروضہ بھی لاگو ہوسکتا ہے۔

اس کتاب کے دوسرے باب میں اسم، فعل، حرف، صفت، اور ضمیر وغیرہ کے حوالے سے تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیسرے حصے میں صرفیہ سے لے کر جنس، تعداد اور زمانہ کے احوال سے تجزیاتی انداز میں مثالوں کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ جنس اور تعداد یعنی واحد اور جمع کے حوالے سے جو مباحث ہوتے رہے ہیں وہ اور دوسرے ممکنہ مباحث سامنے آئے ہیں۔ عصمت جاوید نے اس باب میں حد درجہ محنت شاقہ سے کام لیا ہے۔

صرف کے بعد حصہ سوم میں باب چہارم کے ذیل میں جملہ اور پھر باب پنجم میں جملے کی ساخت، اس کی قسمیں اور یہ سلسلہ باب ششم تک کیا گیا ہے۔ دراصل کسی بھی زبان میں جملوں کی ساخت یعنی syntax کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اسی لیے جب کسی کے بارے میں تضحیک کے طور پر کہنا ہوتا ہے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے: ایک جملہ تو لکھنا آتا نہیں اور بڑے ادیب بنے پھرتے ہیں۔ گویا سارا کھیل ہی جملوں کا ہے۔ معروف اور مجہول جملے یعنی Active اور Passive جملوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح مرکب اور پیچیدہ جملے (Compound & Complex Sentences) سے بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور مثالوں کی مدد سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کے حصہ چہارم میں باب ہفتم کے ذیل میں مشتقات اور مرکبات کو مثالوں کی مدد سے سمجھایا گیا ہے۔ آج کے تناظر میں بات کی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر مشتقات اور مرکبات میں دل چسپی ہو اور اس عمل پر دسترس ہو تو اصطلاحات بنانے میں آسانیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ لیکن ہم نے اردو زبان کو لقمہ تر تصور کرلیا ہے اور قواعد اور زبان کے رموز سے دوری اختیار کرلی ہے جس کے سبب زبان تنزل کا شکار ہوتی جارہی ہے۔ عصمت جاوید کی کتاب اساتذہ اور طلبا دونوں کے لیے اہم اور مفید ہے۔ آخر میں انگریزی اور اردو میں رائج اصطلاحات کے متبادل بھی دیے گئے ہیں جو کہ ہر لحاظ سے مفید ہے۔ کتاب خوب صورت چھپی ہے اور قیمت بھی مناسب ہے۔

— کوثر مظہری

اسلوبیاتی تنقید - نظری بنیادیں اور تجزیے

مصنف: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ

یہ کتاب پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ کے 31 مضامین کا مجموعہ ہے۔ موصوف کا تعلق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ لسانیات سے ہے اور اردو میں اسلوبیات پر مضامین لکھنے والے پہلے محقق ڈاکٹر مسعود حسن خاں (28 جنوری 1915 تا 16 اکتوبر 2010) سے تلمذ کا فخر بھی حاصل ہے۔ ان مضامین کا تعلق اطلاقی لسانیات کی شاخ اسلوبیاتی تنقید سے ہے۔ جملہ مضامین 40 برس کی مدت کو محیط ہیں۔ مضامین خوش اسلوبی سے مرتب کیے گئے ہیں۔ ہر مضمون کے آخر میں حواشی ہیں جن سے کتابیات، توضیحات اور تعلیقات کا علم ہوتا ہے۔ یہ حواشی خود اپنی جگہ کافی اہم ہیں۔ کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ زیر بحث نثر اور نظم دونوں کے نمونوں کی مثالیں دے کر لسانی ڈھانچے کا توضیحی تجزیہ کیا گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ کتاب متن کی مرکزی حیثیت، اس کے مطالعے اور تجزیے سے نتائج مرتب کرنے کی تفہیم اور طریقۂ کار میں مدد کرتی ہے۔ مزید برآں ادبی تنقید اور اسلوبیاتی تنقید کے مابین فرق کو بھی واضح کرتی ہے۔ ادب کے قاری کے سامنے صرف ادبی تنقید کے معیار ہوتے ہیں جن کے ذریعے ناقد ادب کے معیار کا تعین کرتا ہے۔ اسلوبیاتی تنقید کا تعلق صرف لسانیاتی مطالعہ ادب سے ہے جس میں ماورا متن داخلی و تاثراتی تشریحات سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ اسلوبیاتی تنقید مکمل طور پر متن کے مطالعے پر مبنی ہوتی ہے اور متن کے اسلوب کی خصوصیات کو تلاش کرنے کے بعد ہی شاعروں اور نثر نگاروں کے مابین ان کے خصائص، معیار اور انفرادیت کا تعین کیا جاتا ہے۔ اسلوبیاتی ناقد کے نزدیک اس امر کی زیادہ اہمیت ہے کہ بات کا اظہار کیسے اور کس طرح کیا گیا تاکہ اس بات پر کہ کیا کہا گیا ہے۔ لہٰذا یہ عمل روایت سے گریز بھی ہے۔ نیا پن ادبی تنقید کے جمود کو ختم کرکے نئی تخلیقی فضا سے بھی واقف کراتا ہے۔

مصنف نے کسی فن پارے کے اسلوبیاتی مطالعے اور تجزیے کے سلسلے میں مصمتے، مصوتے، معکوسی اور ہکار آوازوں کے عمل و دخل کا بھی جائزہ لیا ہے اور ڈاکٹر مسعود حسن خاں نیز ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے حوالے سے غالب کی بعض غزلیات اور میر انیس کے بعض صوتی نمونوں کا جائزہ پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ مصنف نے معروف شعرا، ناقدین، نثر نگار اور افسانہ نویس ادب نوازوں کے اسلوب کا جائزہ لیا ہے جو بہت دلچسپ اور معنی خیز ہے۔ اس سلسلے میں نیاز فتح پوری (1884-1996) پر ایک مکمل مضمون ہے جس میں نیاز کے مزاج اور تشکیل اسلوب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس مضمون سے معلوم ہوا کہ نیاز فتح پوری نے جب 1922 میں آگرہ (یوپی) سے نگار کا اجرا کیا تو ترکی زبان و ادب سے گہری دلچسپی کی وجہ سے اس کا نام ترکی کی مشہور شاعرہ نگار بنت عثمان کے نام پر رکھا۔ ان کے مزاج اور تشکیل اسلوب پر نہایت معلوماتی اور منفرد نوعیت کا مضمون ہے۔ ڈاکٹر مسعود حسن خاں نے اپنے مضامین کے ذریعے ایک نئے دبستان تنقید کا آغاز کیا تھا۔ ان کے شاگرد مرزا خلیل احمد بیگ کی زیر تبصرہ کتاب کو اس کا تکملہ سمجھنا چاہیے۔ ''یہ کتاب متن کی مرکزی حیثیت اور زبان و ادب کے باہمی رشتوں کی افہام و تفہیم میں معاون ثابت ہوگی۔''
(ص xi)

— سید لطیف حسین ادیب

صحت الفاظ

مصنف: سید بدرالحسن

زبان کوئی بھی ہو اس کی معیار بندی کے لیے صحت الفاظ ضروری ہے۔ اردو ایک ایسی زبان ہے جس نے اپنے آغاز و ارتقا میں بہت سی زبانوں سے استفادہ کیا ہے اور اس عمل میں دوسری زبانوں کے الفاظ کو اپنی سان پر چڑھا کر اپنے امتزاجی مزاج میں ڈھالا ہے۔ اردو الفاظ کے صحیح تلفظ اور صحیح املا نیز تذکیر و تانیث کے سلسلے میں غلطیوں کے ارتکاب سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ تھوڑی بہت ان بھی زبانوں سے شناسائی ہو جن سے اردو نے استفادہ کیا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں جب گوناگوں مصروفیات نے لوگوں کو کم فرصتی کے آزار میں مبتلا کردیا ہے۔ عمل مشکل سے مشکل تر ہوتا جارہا ہے اس لیے اچھے خاصے اردو داں سمجھے جانے والے لوگ بھی اردو لکھنے میں املا کی غلطیاں ہی نہیں کرتے بلکہ بولنے میں بھی الفاظ کا غلط تلفظ کر جاتے ہیں۔ تحریر میں املا اور اعراب کی غلطیاں اب تو عام ہوتی جارہی ہیں۔ اردو کے اخبارات اور رسائل میں اس طرح کی غلطیاں ہر صفحے پر نظر آجاتی ہیں۔

ان حالات میں بدرالحسن صاحب نے یہ کتاب ترتیب دے کر اردو کی ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔ انھوں نے کتاب کے مواد کو 33 عنوانات کے تحت پیش کیا ہے۔ یہ عنوانات تلفظ، املا، اعراب، عروض و قواعد، تذکیر و تانیث، غلط العام اور غلط العوام جیسے

مسائل پر مبنی ہیں جن کی اہمیت مسلم ہے۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جو لکھے تو جاتے ہیں درست لیکن بولے جاتے ہیں غلط۔ بعض الفاظ غلط بولے بھی جاتے ہیں اور غلط لکھے بھی جاتے ہیں۔ مولف نے دونوں طرح کے الفاظ کی الگ الگ نشاندہی کی ہے۔

الفاظ کے معنی درج کرنے میں مولف نے وضاحت اور کفایت لفظی دونوں سے کام لیا ہے۔ کتاب میں تقریباً ان تمام الفاظ کا احاطہ کیا گیا ہے جو تحریر و تقریر میں عام طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

بدرالحسن صاحب نے یہ کتاب ترتیب دے کر ایک اہم خدمات انجام دی ہے اس کتاب کی اہمیت متقاضی ہے کہ یہ ہر اردو داں شخص کے پاس موجود رہے۔ اسے اردو زبان کے ہر استاد کے مطالعے میں بھی رہنا چاہیے تاکہ وہ اپنے طلبہ کو اردو الفاظ کا صحیح تلفظ اور درست معنی از بر تر اس کے اور اس ضمن میں خود اس کا علم بھی تازہ ہوتا رہے۔ اخباروں اور رسالوں کے دفتروں میں بھی اس کتاب کی موجودگی ضروری ہے تاکہ ان کے صفحات پر جن غلطیوں کا اعادہ ہوتا رہتا ہے، ان کا کچھ تدارک ہو سکے۔

— سعید النسا

اردو املا

مصنف: رشید حسن خاں

رشید حسن خاں کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔

خاں صاحب نے اپنے پیچھے کلاسیکی متون کی تدوین کا وہ قیمتی اثاثہ چھوڑا، جو انھیں ادبی دنیا میں زندہ و جاوید رکھے گا۔

1964 میں انھوں نے سب سے پہلے باغ و بہار کو ترقی اردو بورڈ کے لیے معیاری ادب کے سلسلے کے تحت مرتب کیا۔ 1974 میں 'اردو املا' تصنیف کر کے وہ کارنامہ انجام دیا کہ اگر اپنی باقی زندگی میں کوئی بھی تصنیفی کام نہ کرتے تب بھی دنیا میں انھیں ہمیشہ یاد رکھا جاتا۔ مئی 1974 میں 'اردو املا' جیسی معرکۃ الآرا، کتاب تصنیف کر کے انھوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ہر دور متقدین، متوسطین، اور متاخرین کے املا سے اچھی طرح واقف تھے۔

خاں صاحب نے ہر کلاسیکی متن کی تدوین کے دوران ان کی املا پر خاصی توجہ صرف کی، جن نسخوں کا املا اُس زمانے کے مطابق یا قریب پایا اسے متن میں درج کیا۔ بعض جگہوں پر موجودہ املا کو بھی اختیار کیا۔ تدوین کے دوران نسخۂ اوّل کے املا کی سختی سے پابندی کی اور واضح اغلاط کی تصحیح کی۔

رشید حسن خاں نے 'اردو املا' میں یہ کوشش کی کہ املا کے مختلف النوع مسائل کا احاطہ کیا جائے۔ غلطیوں کی تصحیح کی جائے۔ اصطلاحات کو صحیح طور پر شامل کیا جائے۔ املا کی مختلف شکلوں پر توجہ دے کر املا کی معیار بندی کی جائے اور مرجح صورتوں کا تعین کیا جائے۔ اس بات کو بہ طور خاص ملحوظ رکھا گیا ہے کہ کسی قسم کی جدت طرازی کو دخل نہ دیا جائے۔

فہرست مضامین سے یقیناً بہت ساری تفصیلات کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ کتاب کے آخر میں ضروری الفاظ پر مشتمل ایک فہرست بہ ترتیب حروف تہجی بھی شامل ہے اور دیگر بہت سے ضروری مسائل کو مختلف عناوین کے تحت لکھا گیا ہے۔ ایک مستقل باب املائے فارسی سے متعلق ہے۔ چنانچہ فارسی کے ہندوستانی اور کلاسیکی لہجے کی نسبت سے یائے معروف و مجہول، واو معروف و مجہول اور نون غنہ کے مسائل و فارسی املا کے عام قاعدوں پر بالتفصیل گفتگو کی گئی ہے۔

'تدوین اور املا' اور 'لغت اور املا' کے عنوان سے دو اجزا شامل کیے گئے ہیں۔ جگہ جگہ اشعار و فقرے بھی ملیں گے۔

زیر تبصرہ کتاب اپنی نوعیت اور موضوع کے اعتبار سے ایک کارآمد و مفید پیشکش ہے۔ کتاب میں اردو املا کے مختلف پہلوؤں پر دلیل کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہے۔

— ڈاکٹر شریف الدین

اردو لسانیات

مصنف: علی رفاد فتیحی

پروفیسر علی رفاد فتیحی کی کتاب 'اردو لسانیات' جملہ لسانیاتی مباحث کا مجموعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب اجمال کے باوجود تفصیل اور جامعیت سے مزین ہے۔ کتاب میں کل 13 ابواب ہیں۔

علم صوتیات، اصول فونیمیات، اردو فونیمیات، اردو حروف تہجی، اردو صرف، اردو نحو، اردو معنیات، ہندوستان کا لسانی پس منظر، ہندوستان کی لسانی تہذیبیں، ہند آریائی زبان کی لسانی خصوصیات، زبان اردو، اردو کے آغاز و ارتقا کے نظریے: ایک تنقیدی جائزہ، دکنی اردو۔ مسائل کو آسانی سے ذہن نشین کرنے کے لیے بالخصوص طلبا کی خاطر مصنف نے اس بات کا خصوصی التزام کیا ہے کہ ہر باب کے آخر میں باب کا خلاصہ بھی پیش کر دیا جائے۔ علاوہ ازیں مصنف نے خود لکھا ہے کہ باب ایک سے سات تک اردو زبان اور اس کے صوتی، صرفی، نحوی اور معنیاتی متعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب آٹھ سے تیرہ تک اردو زبان کی تاریخ اور اس کے لسانی رشتے کا جائزہ لیا گیا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کے ابتدائی تین ابواب انتہائی کارآمد اور مفید ہیں۔ علم صوتیات اور علم فونیمیات (اصوات) میں لفظی مشابہت کے باوجود مصنف نے علم کی ان شاخوں کے درمیان فرق کو بڑی آسانی کے ساتھ واضح کیا ہے۔

اس فرق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صوتیات کا تعلق زبان کی تقریری شکل سے ہے اور اصوات کا تعلق تحریری شکل سے یعنی علم کی اس شاخ کا مقصد کسی مخصوص زبان میں استعمال ہونے والی ایسی امتیازی اصوات کی شناخت کا تعین ہے جن کے استعمال کی وجہ سے معنی میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ پانچویں باب میں ایک ذیلی عنوان ہے 'اردوانے کا عمل' اس عنوان کے تحت دیگر زبانوں کے چند ایسے الفاظ درج کیے گئے ہیں جن کی تارید کی گئی ہے۔ اس کے بعد 'تراکیب لفظی' کا ذیلی عنوان ہے جس کے تحت تراکیب لفظی کی مختلف صورتوں جمع الفاظ، مرکب عطفی، مرکب اضافی، مرکب بالہمزہ، مرکب یائے مہموز، مخلوط الاشتقاق وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ 'تراکیب لفظی' اور اس کی مختلف صورتوں کا درج کی گئی مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مباحث ماقبل کے عنوان سے پیوست ہیں اور 'اردوانے کا عمل' 'تراکیب لفظی' کی مختلف صورتوں کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔

علی رفاد فتیحی کی یہ کتاب اردو لسانیات کے مطالعے میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

— محمد مقیم

فرہنگِ آصفیہ
جلد دوم
مولوی سید احمد دہلوی
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی
فرہنگِ آصفیہ
جلد سوم
مولوی سید احمد دہلوی
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

فرہنگ و لغات

دکنی لغت
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی
فرہنگِ آصفیہ
جلد اوّل
مولوی سید احمد دہلوی
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

فرہنگ و لغات

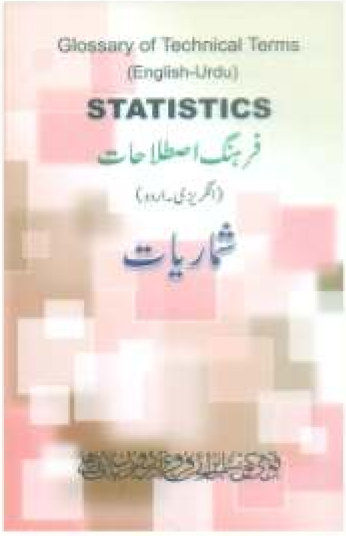

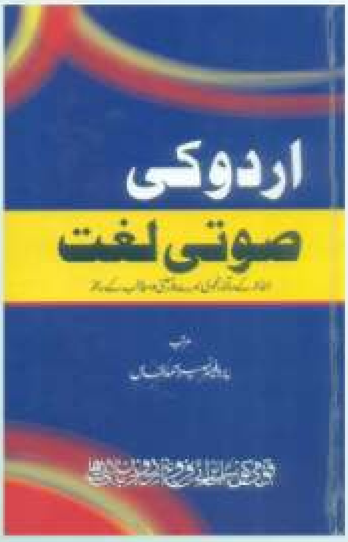

فرہنگ آصفیہ (نیا ایڈیشن)

خاں صاحب سید احمد دہلوی

'فرہنگِ آصفیہ' اردو کی شہرۂ آفاق لغت ہے جسے خاں صاحب سید احمد دہلوی نے 1892 میں شائع کیا تھا۔ بعدازاں یہ مختلف طباعتی اداروں سے شائع ہوتا رہا۔ بالآخر منسٹری آف ایجوکیشن اینڈ سوشل ویلفیئر کے زیر اہتمام ترقی اردو بورڈ نے اس کا عکسی ایڈیشن جہازی سائز میں 1974 میں شائع کیا۔ قومی اردو کونسل بھی اس کو سائز کی تبدیلی کے ساتھ (عکسی ایڈیشن) متعدد مرتبہ شائع کر چکی ہے۔ جہازی سائز کے صفحات کو چھوٹا کرنے سے ایک طرف جہاں الفاظ باریک ہوئے وہیں گڈمڈ بھی ہوئے اور پھر ازاں پلیٹ، سستے کاغذ اور روایتی پریس کی مار نے اس لغت کی حالت خستہ کردی لیکن تہذیبی تاریخ کے اس وقیع حوالے اور مستند و جامع لغت کو عوام کی پسندیدگی ہر دور میں حاصل رہی۔ اس لغت کی اہم ترین خوبی یہ بھی ہے کہ یہ اپنے عہد کی جملہ روایتوں، قدروں، تہذیبی باقیات، رسوم و رواج، عدالتی و بیگماتی محاورات، پیشہ وروں و اہل حرفہ کی اصطلاحات، روزمرہ، ضرب الامثال، اشارے کنائے، تاریخی واقعات، مناسبِ حال ماڈے، تذکیر و تانیث کے نکتے، فلسفہ و طبعیات کی موشگافیاں، نکاتِ علمِ زبان، اردو صرف و نحو کے قواعد، قدیم و جدید تحقیقات کے ادبی اختلافات مع نظائرِ نظم و نثر و کثرت معانی و وجہِ تسمیہ، اولیائے ہند اور فقرائے ہند کے اسمائے گرامی مع مختصر حالات، معتبر، مفتخر، مستند علمائے کرام کے اسمائے گرامی اور مختصر سوانحی کوائف کے علاوہ کلاسیکی روایات و لفظیات کی تشریح و توضیح کے ساتھ ساتھ موسیقی اور اس کے رموز نیز اس کی بندشوں و سُر کی حرکتوں، مُرکیوں، سَم، تال وغیرہ کی جس طرح سید صاحب نے وضاحت کی ہے وہ خاصے کی چیز ہے اور دیگر لغات سے اسے ممیز بھی کرتی ہے۔ ساتھ ہی اسے انسائکلوپیڈیا کے قریب کردیتی ہے۔ نیز مذکورہ لغت میں الفاظ کے محلِ استعمال سے متعلق اپنے دور کے مستند شعراء کے اشعار کے ساتھ ساتھ اس عہد کی مقبول ترین ٹھمریوں، دادرا، خیال، لوک گیت، دوہوں، کہہ مکریوں اور پہیلیوں سے بھی مثالیں دی گئی ہیں۔ اس اعتبار سے مذکورہ لغت کو اگر بحرالعلوم کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

—— ادارہ

دکنی لغت

مصنف: سیّدہ جعفر

قدیم دکنی متن کی قرأت اگر متن کے حسب منشا ہو جاتی ہے تو قاری کے لیے معانی ومطالب کی تفہیم کسی حد تک آسان ہو جاتی ہے۔ قدیم دکنی زبان وادب کی قرأت عام لوگوں کے لیے آسان نہیں ہے۔

قدیم دکنی ادب اردو ادبیات کی اساس ہے، اس لیے اس سرمائے سے واقفیت لازمی وضروری ہے۔ ہر جدید ادب اپنے ماضی سے غذا حاصل کرتا ہے اور پھر خود ماضی بن کر آنے والے زمانے کے ادب کو غذا فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنے ماضی کے ادبی اثاثے سے بخوبی واقف ہوں۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور ایک پروجیکٹ دکنی زبان وادب کی تفہیم کے لیے تیار کیا۔ اس پروجیکٹ کی تکمیل کی ذمے داری محترمہ سیدہ جعفر کو سونپی گئی جنھوں نے اپنے معاونین کی مدد سے اس اہم کام کو بحسن خوبی تکمیل تک پہنچایا۔ سیدہ جعفر نے بڑی عرق ریزی و دل سوزی سے کام کیا ہے۔ ان کا یہ ''دکنی لغت'' قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی سلسلہ وار نصابی وغیر نصابی اشاعت کی ایک اہم کڑی ہے۔ اگرچہ ''دکنی لغت'' سے قبل کئی لغات دکنی ادبیات کی تفہیم کے لیے شائع ہوئی ہیں لیکن سیدہ جعفر صاحبہ کا کارنامہ اپنے تئیں منفرد ہے۔ اس کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں ساڑھے پانچ سو سال پرانے الفاظ تک کو جگہ دی گئی ہے اور ان پر اعراب بھی لگائے گئے ہیں تاکہ تلفظ واضح ہو سکے۔ الفاظ کے معنی کے ساتھ ان کے استعمال کی چار چار مثالیں بھی دی گئی ہیں اور ماخذ کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ بعض الفاظ متعدد معنوں اور مختلف صورتوں میں استعمال ہوئے ہیں، ان کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے۔ مثالوں کے ضمن میں زیادہ تر مثالیں نظموں سے دی گئی ہیں اور شاعر کا نام بھی درج کیا گیا ہے اور ایک جدت یہ کی گئی ہے کہ پورے اشعار نہ دے کر صرف وہی مصرعے دیے گئے ہیں جن میں وہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ البتہ ایسے مواقع پر جہاں لفظ کا مفہوم ایک مصرعے سے واضح نہیں ہوتا دونوں مصرعے دیے گئے ہیں۔ سیدہ جعفر صاحبہ تقریباً چالیس سال سے دکنی ادب پر کام کر رہی ہیں اور قدیم دکنی زبان وادب پر کامل عبور رکھتی ہیں۔ قدیم دکنی ادب پر مہارت کا مطلب، بیک وقت سنسکرت، مراٹھی، گجراتی، برج بھاشا، پنجابی اور عربی و فارسی سے آگاہی ہے اور شمالی

ہندوستان کی بولیوں سے بھی۔ سیدہ جعفر صاحبہ میں یہ صفات موجود ہیں جس کا ایک ثبوت یہ 'دکنی لغت' بھی ہے۔

یہ لغت 521 صفحات پر مشتمل ہے۔ اندراجات 13100 سے زائد ہیں۔

—— عبدالرشید اعظمی

جدید — ہندی اردو لغت (دو جلدوں میں)

ترتیب و تدوین: پروفیسر نصیر احمد خاں

پروفیسر نصیر احمد خاں کی یہ لغت ''جدید — ہندی اردو لغت'' ذو لسانی لغت ہے جس میں قدیم و جدید ہندی کے الفاظ، اور معانی و مفاہیم ہندی اور اردو دونوں رسم الخطوں میں دیے گئے ہیں۔ آج کے دور میں جب اردو ہندی لسانی و ادبی اشتراک اور رشتوں کی بازیافت کے لیے سیمینار، ورک شاپ اور یونیورسٹیوں میں تحقیقی زاویے تیار کیے جا رہے ہیں ایسے میں اس نوع کے لغت کی ضرورت اور اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

اس لغت کی ترتیب و تدوین میں جن چیزوں کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا ہے ان میں یونیورسٹیوں کے نصابات، قدیم دستاویزات، صحافتی زبان اور عام بول چال کے الفاظ شامل ہیں۔ الفاظ کے مآخذ کی تلاش میں عربی، فارسی اور سنسکرت الفاظ کی بنیاد تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دستیاب لغات کے الفاظ علاقائی بولیوں کے الفاظ، کبیر، جائسی، سور اور تلسی کے کلام کے الفاظ، محاورے اور کہاوتیں شامل ہیں۔ الفاظ کے معنی اور سیاق و سباق میں یہ کوشش بھی جھلکتی ہے کہ ان دو زبانوں کو کس طرح قریب تر لایا جا سکتا ہے۔

اس لغت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ہندی اندراجات کے معنی اردو میں دے کر انھیں اردو اور دیوناگری دونوں رسم الخطوں میں علامات و اعراب کے ساتھ لکھا گیا ہے تاکہ متن کے تلفظ میں دشواری نہ ہو۔ الفاظ کے معنی ظاہر کرتے وقت بقول مرتب ان کے ''مترادفات لانے کی کوشش اور مترادفات نہ ہونے کی صورت میں ان کے سیاق و سباق کی وضاحت کی گئی ہے اور معنی کی ترتیب استعمال کے تناسب سے دی گئی ہے۔''

دو جلدوں پر مشتمل اس لغت میں تقریباً سوا لاکھ الفاظ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ علاوہ اس کے چار ہزار محاورے اور کہاوتیں بھی ہیں۔ استعمال کے طریقوں میں حروف کی ترتیب، ماخذ، الفاظ کی نقل، تصریف و اشتقاق، علامات اور مخففات، نحوی زمروں کی نشاندہی، ماخذ کی نشاندہی، صوتی شکلوں کی نشاندہی کے علاوہ چند اور وضاحتیں ہیں جو اس لغت کی غرض و غایت کا احاطہ کرتی ہیں۔ پہلی جلد 1575 صفحات کی ہے جس میں v سے u کے الفاظ ہیں اور دوسری جلد 1576 سے 3268 صفحات تک ہے جس میں i سے g کے اندراجات ہیں۔ دوسری جلد میں صفحہ 3174 سے آخر تک محاورے اور ضرب الامثال دیے گئے ہیں۔

—— احمد کفیل

اردو کی صوتی لغت

مرتب: پروفیسر نصیر احمد خاں

اردو زبان میں صوتی لغت کا نہ ہونا بھی ایک بڑی کمی ہے۔ پرانی لغات میں اردو الفاظ کے جو تلفظ درج ہیں انھیں درست اور معیاری قرار دینا شاید مناسب نہیں ہے۔ اس لیے اردو میں ایک معیاری صوتی لغت کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی گئی کیونکہ جو لغت تلفظ سے مبرّا ہے وہ لایعنی ہے۔ ہر زبان کا اپنا صوتی نظام ہوتا ہے۔ علاقائی اثرات کی بنا پر کچھ علاقوں میں الفاظ کی ادائیگی میں فرق آ سکتا ہے لیکن معیاری تلفظ ایک اور صرف ایک ہی ہونا چاہیے۔ اسے ہی فروغ دے کر رائج کیا جانا چاہیے۔ تعین تلفظ کے لیے اردو زبان میں ایک صوتی لغت کی ضرورت برابر محسوس کی گئی لیکن ایسی لغت کی تدوین کے لیے پہلی شرط برابر یہ رہی کہ اس کا مرتب لسانیاتی شعور اور آداب لغت نویسی کا نہ صرف واقف کار بلکہ ماہر ہو۔ لغت میں الفاظ کے انتخاب، اندراج اور ان کی توضیح وغیرہ کے لیے علمی احتیاط کے ساتھ لسانی سلیقے اور شعور سے بھی کام لینا پڑتا ہے اس لیے مرتب لغت اگر سائنٹفک طریقہ کار اختیار نہ کرے تو لغت نویسی کے ساتھ انصاف کرنا ممکن نہیں ہے۔ نصیر احمد خاں لغت سازی کے رموز سے نہ صرف آشنا ہیں بلکہ وہ اس کے جدید اصولوں سے بھی واقف ہیں۔ انھیں لسانیات کی درس و تدریس کا ایک طویل تجربہ حاصل ہے۔

'اردو کی صوتی لغت' صوتیاتی نظام پر مبنی لغت کی کمی کو پورا کرنے کی ایک اہم اور کامیاب کوشش ہے۔ اس لغت میں وضاحت کے ساتھ الفاظ کے ماخذ، نحوی زمرے اور معنی و مطالب کو بیان کیا گیا ہے۔ مرتب نے اردو زبان کو ہندوستان کے وسیع تناظر میں دیکھا ہے، اس لیے لغت میں اردو، عربی، فارسی کے علاوہ انگریزی، ہندی اور روز مرہ استعمال ہونے والے الفاظ کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ الفاظ کے ساتھ محاوروں، کہاوتوں، ضرب الامثال اور اصطلاحات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ تلفظ کے تعین کے لیے دوآبہ کی کھڑی بولی کو معیار قرار دیا گیا ہے، اس کا یہ جواز فراہم کیا گیا ہے کہ اردو نے اس علاقے میں جنم لیا، پلی، بڑھی اور پروان چڑھی۔ اس لغت کے اندراجات کے لیے فرہنگ آصفیہ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ 'فرہنگ آصفیہ' میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ الفاظ شامل کیے گئے تھے لیکن اس لغت میں اندراجات کی تعداد قریب پچاس ہزار ہے۔

—— معصوم عزیز کاظمی

فرہنگ اصطلاحات: شماریات

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ذریعے تقریباً 1800 اصطلاحات پر مبنی شماریات (Statistics) کی فرہنگ کی اشاعت نہ صرف بروقت ہے بلکہ خوش آئند بھی کیونکہ کسی زبان کو استحکام بخشنے میں جہاں ادبی کتابوں کی اہمیت ہے وہیں سماجی علوم کی کتابیں بھی علمی شعبوں کے گوناگوں پہلوؤں سے روشناس کراتی ہیں۔ اس فرہنگ کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس میں شماریات کی بنیادی اصطلاحات یکجا کر دی گئی ہیں۔ آئندہ اس موضوع پر فرہنگ تیار کرنے والوں کے لیے اس کتاب کی حیثیت اساسی ہوگی۔

زیر تبصرہ فرہنگ کے پیش لفظ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ اصطلاح اور عام لفظ میں فرق کیا جائے اور عام لفظ کو فرہنگ کا حصہ نہ بنایا جائے۔ فرہنگ کو تیار کرتے وقت بہت حد تک اس اصول کی پاسداری کی گئی ہے۔

پیش لفظ میں ایک اہم اصول یہ درج کیا گیا ہے کہ اگر کوئی انگریزی اصطلاح اردو میں مروج اور عام فہم ہو تو اسے برقرار رکھا جائے اور اس کے اردو متبادل نہ اختراع کیے جائیں۔ غالباً اسی کے پیش نظر کئی اصطلاحوں مثلاً Quality Control کا متبادل 'کوالٹی کنٹرول' ہی کر دیا گیا ہے لیکن بعض جگہ ایسا لگتا ہے کہ انگریزی کی عام فہم اصطلاح کو اردو کے مزاج میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش نہیں کی گئی ہے۔

توقع ہے کہ اس کتاب سے اساتذہ اور طلبا کو اردو میں شماریات پڑھنے پڑھانے میں آسانی ہوگی۔ حسب سابق قومی کونسل نے اس فرہنگ کو معیاری انداز میں شائع کیا ہے۔

—— معین الدین خان

تحقیق و تنقید

تحقیق وتنقید

کاشف الحقائق (جلد اوّل ودوم)

مصنف: سید امداد امام اثر

’کاشف الحقائق‘ کا شمار اردو تنقید کے بنیادی متون میں ہوتا ہے۔ اس کتاب کے مصنف مولوی سید امداد امام اثر کو اردو تنقید کا امام ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ اولاً یہ کتاب مولانا الطاف حسین حالی کی کتاب ’مقدمہ شعروشاعری‘ کے بعد منظر عام پر آئی۔ اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اس کا عکسی ایڈیشن 2015 میں شائع کیا ہے۔ یہ ایڈیشن 1982 کے پہلے ایڈیشن کا عکس ہے۔ کاشف الحقائق کی اولین اشاعت 1897 میں عمل میں آئی تھی۔ جبکہ ’مقدمہ شعروشاعری‘ اس سے محض 4 برس قبل 1893 میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔

اس کتاب میں سب سے پہلے مرتب کتاب ڈاکٹر وہاب اشرفی کا دیباچہ یا مقدمہ ہے۔ اس میں انھوں نے مولوی سید امداد امام اثر کے حالات اور علم ومطالعے کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ کتاب کے مباحث اور مصنف کے تنقیدی نظریات وتنقیدی عمل کا جائزہ بھی لیا ہے۔ کتاب کی جلد اوّل میں دنیا بھر کی ممتاز زبانوں عربی، لاطینی، انگریزی، فرنچ، یونانی، سنسکرت کے قابل ذکر شعروادب کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ خود مصنف نے بھی اس کا اظہار کیا ہے کہ اس میں مختلف اقوام جہاں کی شاعری کا ذکر ہے۔ نیز اخلاق، مذہب اور معاشرت سے بھی بحث کی گئی ہے۔ گویا جلد اوّل میں مصر و یونان وانگلی وعرب کی شاعری زیر بحث آئی ہے۔

اس جلد میں انھوں نے از روئے تقاضائے مضامین شاعری کی تقسیم کرتے ہوئے رعایت لفظی، مبالغہ پردازی، صنائع وبدائع، پست خیالی، مکروہ مضامین اور بدمذاقی جدید پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ شاعری کو دیگر فنون لطیفہ سے الگ نہیں سمجھتے۔ اسی جلد میں معروف شاعر متنبی کا جائزہ لیتے ہوئے انھوں نے یہ دل چسپ بحث بھی چھیڑی ہے کہ عرب کے شعرا عاشقانہ شاعری میں اپنے مخاطب کو ہمیشہ مؤنث قرار دیتے ہیں۔

’کاشف الحقائق‘ کی دوسری جلد میں فارسی اور اردو شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان دونوں زبانوں کی اصناف سخن خاص طور پر غزل، نظم، قصیدہ اور مراثی کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے ارتقا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تمام قابل ذکر اساتذہ کا اصول تنقید کی روشنی میں تقابلی مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔ ابتداءً انھوں نے اس بات پر افسوس کا بھی اظہار کیا ہے کہ اردو شعرا نے فارسی سے جتنا فائدہ حاصل کیا اپنی زبان سنسکرت کی طرف اتنی ہی کم توجہ مبذول کی۔ اس سے اردو شاعری کو خاصا نقصان پہنچا ہے۔ انھوں نے فارسی اور ہندوستانی معاشرت، عوامی مزاج، تاریخ وتہذیب، ادبیات وشعریات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ شعروادب کا جائزہ نہیں لے رہے ہیں بلکہ تمدنی، تہذیبی اور ثقافتی وادبی تاریخ لکھ رہے ہوں۔ غزل گوئی کے باب میں انھوں نے شاعروں کو توجہ دلائی ہے کہ غزل کی زبان سلیس ہو، اسے صنائع وبدائع سے پاک ہونا چاہیے۔ انھوں نے غزل کے حوالے سے جس طرح مشرقیت پر زور دیا ہے وہ اس عہد میں انھیں دیگر تنقید نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔ انھوں نے غزل گو شعرا کے لیے ایک بیس نکاتی منشور جاری کیا ہے۔ یہ منشور ان کی گہری تجزیہ نگاری اور وسیع معلومات کا مظہر ہے۔ ان کے اس ادبی منشور سے بیشتر تنقید نگاروں نے اختلاف کیا ہے لیکن اس منشور کی تہذیبی بنیادوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

کاشف الحقائق کی پہلی جلد میں بنیادی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ جبکہ دوسری جلد میں اردو کی غزل گوئی پر محققانہ ریویو کیا گیا ہے۔ اس ریویو میں انھوں نے غزل کے متعلق بہت پتے کی باتیں کہی ہیں جو مطالعے کے لائق ہیں۔ جستہ جستہ وہ ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں جو آج بھی تازہ معلوم ہوتی ہیں۔ فلسفہ، منطق، تاریخ، عمرانیات پر ان کو جو عبور حاصل ہے اس کی بنا پر وہ تنقید کرتے وقت کبھی سطحی بات نہیں کہتے۔

—— ڈاکٹر سید اختیار جعفری

یادو بود غالب

مصنف: پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

یہ تصنیف خواجہ احمد فاروقی کے نو تحقیقی مضامین پر مبنی ہے جو غالب کی زندگی کے بہت سارے معاملات ومسائل پر روشنی ڈالتی ہے۔ پہلا مضمون ’غالب کی عظمت‘ کے عنوان سے ہے جو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مضمون میں خواجہ احمد فاروقی نے عہد غالب کے ہندوستان کا سیاسی منظر نامہ مختصراً پیش کیا ہے جس میں غالب نے اپنے مزاج

اور جذبات سے گریز کر کے مصلحت کوشی سے کام لیا ہے۔ دوسرا مضمون 'غالب اور بے صبر' کے عنوان سے ہے۔ اس مضمون میں خواجہ احمد فاروقی نے غالب کے ایک شاگرد منشی بال مکند بے صبر کی تاریخ پیدائش اور سال وفات کی تحقیق پیش کی ہے جس میں اب تک کافی اختلاف تھا۔ ان کا شجرۂ نسب تحریر کیا ہے اور کلام بھی درج کیا ہے۔ گیارہ صفحات کے مضمون میں کم وبیش نو صفحات میں بے صبر کا کلام نقل کیا گیا ہے۔

تیسرا مضمون 'غالب اور آزردہ' ہے۔ مفتی صدرالدین خاں آزردہ، غالب کے ہم عصر تھے۔ خواجہ صاحب نے یہ تحقیق پیش کی ہے کہ غالب ان کے علم وفضل کا اعتراف کرتے تھے۔ دلیل میں ابوالکلام آزاد اور حالی کے اقوال مع فارسی کلام آزردہ تحریر کیے ہیں۔

چوتھا مضمون 'غالب کی شخصیت اور شاعری میں ترکی ایرانی عناصر' ہے۔ یہ مضمون قدرے طویل ہے۔ یعنی 19 صفحات تحریر کیے گئے ہیں۔ اس میں خواجہ صاحب نے ہندوستان اور ترکی و ایران کے محل وقوع اور آب و ہوا کی تفصیل بیان کی ہے اور ترکی و ایران کے ہندوستان پر اثرات پر روشنی ڈالی ہے۔ بعدازاں غالب کے آباواجداد اور ان کے وطن کی تفصیل بیان کی ہے نیز ان تمام کے اثرات، غالب، ان کی شخصیت، ان کے کلام پر کیا ہوئے ان سب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ پانچواں مضمون 'غالب کا مقدمۂ پنشن' ہے۔ یہ مضمون پندرہ صفحات میں مکمل ہوا ہے۔ اس مضمون میں خواجہ صاحب نے غالب کے مقدمے کی تفصیل ان کی درخواستوں کی روشنی میں پیش کی ہے۔ چھٹا مضمون: 'غالب کے چند غیر مطبوعہ فارسی رقعات حضرت غمگین کے نام' ہے۔ یہ مضمون دس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں غالب کے رقعات کی روشنی میں دونوں شخصیات کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ نیز غمگین کے حالات زندگی کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔

ساتواں مضمون 'غالب کا سکۂ شعر' ہے۔ اس مضمون میں خواجہ احمد فاروقی نے سکۂ شعر کی حکایت کی تفصیل لکھی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ بہادر شاہ کی تخت نشینی کے وقت 1837 یا 1838 میں مذکورہ سکۂ شعر ذوق نے کہا تھا۔ یہ گفتگو سات صفحات میں مکمل ہوتی ہے۔

آٹھواں مضمون ''معرکۂ غالب و حامیانِ قتیل ایرانی، ہندی نزاع کی روشنی میں'' ہے۔ یہ مضمون قدرے طویل ہے۔ موضوع سے تو ایسا لگتا ہے کہ پوری بحث غالب اور قتیل کے حامیوں کے معرکے پر ہے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ خواجہ احمد فاروقی نے اس وقت کے بڑے بڑے باکمالوں کے معرکوں پر روشنی ڈالی ہے جیسے فیضی، عرفی، ابوالفضل، ظہوری، قدسی، زلالی، حزیں، خان آرزو، امام بخش صہبائی اور مرزا علی لطف ہیں۔ خواجہ احمد فاروقی نے حزیں اور خان آرزو کے معرکے پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد غالب اور حامیان قتیل نیز کلکتہ کی ادبی شاعرانہ فضا پر گفتگو کی ہے۔ غالب سے متعلق ایرانی ہندی نزاع حامیان قتیل سے دس صفحات میں مکمل ہوتی ہے۔ اس بحث میں خواجہ احمد فاروقی نے غالب کی ترش مزاجی اور زود بیانی مع مثال پیش کی ہے اور کلکتہ میں غالب کے ایرانیوں سے مراسم بیان کیے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ کتاب غالب شناسی کے لیے معاون ہے۔ خاص طور پر تحقیق کے طلبہ کے لیے کارآمد ہے۔

—— عبدالرشید اعظمی

فکروفن

مصنف: خلیل الرحمٰن اعظمی

''فکروفن'' اردو کے معتبر ناقد اور ممتاز شاعر خلیل الرحمٰن اعظمی کے تنقیدی مضامین کا پہلا مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ پہلی بار آزاد کتاب گھر، دہلی سے 1956 میں شائع ہوا تھا۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے حال ہی میں ان کی تمام تنقیدی تصانیف کو ازسرِ نو شائع کیا ہے۔ 'فکروفن' میں دس مضامین شامل ہیں۔ یہ تمام مضامین شاعری سے متعلق ہیں۔

'فکروفن' میں شامل تمام مضامین اپنی نوعیت کے اعتبار سے قابل مطالعہ ہیں۔ تاہم غالب، بہادر شاہ ظفر اور جوش ملیح آبادی پر جو مضامین ہیں ان کا اجمالی ذکر یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ غالب ایک نابغۂ روزگار اور آفاقی شاعر ہیں۔ انھوں نے اردو شاعری کو ایک نیا رنگ و آہنگ اور ذہن دیا۔ ان کی شاعری تہ داری اور رنگارنگی کی بہترین مثال ہے۔ اعظمی کے خیال میں ان کی شاعری کی رنگارنگی شدید اندرونی کشمکش اور ذہنی تصادم کی زائیدہ ہے۔

'فکروفن' میں شامل مضامین میں 'بہادر شاہ ظفر' سب سے اہم مضمون ہے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی سے قبل کے نقادوں میں نیاز فتح پوری کے علاوہ کسی نے بھی ان کی شاعری کا بغور مطالعہ نہیں کیا اور نہ ہی ان کی شعری جہات اور مقام کو متعین کرنے کی کوشش کی۔ خلیل الرحمٰن اعظمی نے ظفر کی شاعری کو ان کے تمام کلام کی روشنی میں پرکھا ہے اور ان کا معیار اور مقام متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے بہادر شاہ ظفر کو اردو کا بدنصیب شاعر کہا ہے۔

جوش ملیح آبادی شاعر شباب بھی ہیں اور شاعرِ انقلاب بھی۔ جوش پر خلیل الرحمٰن اعظمی کا مضمون اپنی نوعیت کا ایک بہترین مضمون ہے۔ جوش کی شاعری میں خلیل الرحمٰن اعظمی کو ان کی تصویر کشی نے بہ طور خاص متاثر کیا ہے۔ ان کے خیال میں یہ لفظی تصویر کشی سودا، انشا اور اکبرالہ آبادی سے ہوتی ہوئی جوش کے یہاں اپنی تکمیل کرتی نظر آتی ہے۔

خلیل الرحمٰن اعظمی کی تنقید کا جوہر معروضیت ہے۔ وہ متن کی تفہیم پر زور دیتے ہیں۔ کسی بھی متن پر اس وقت تک قلم نہیں اٹھاتے ہیں جب تک ان کا ذہن اس پر آمادہ نہ ہو جائے۔ ان کا اسلوب اور اندازِ فکر ان کا اپنا ہے لیکن وہ اپنے ہم عصر نقادوں سے بھی متاثر رہے ہیں۔ اس کا اعتراف وہ خود کرتے ہیں کہ ''موجودہ دور کے ان چند قلم کاروں کا ذکر بے محل نہ ہوگا جن کے انداز فکر اور اسلوب نگارش سے متاثر رہا ہوں۔ ان میں آل احمد سرور، مجنوں، سید عبداللہ، فیض اور فراق کے نام خاص طور پر اہم ہیں۔''

—— رغبت شمیم

پریم چند کا تنقیدی مطالعہ بہ حیثیت ناول نگار

مصنف: پروفیسر قمر رئیس

پروفیسر قمر رئیس کا شمار دورِ حاضر کے ان نقادوں اور دانشوروں میں ہوتا ہے جنھوں نے اردو فکشن میں اپنی ایک الگ اور منفرد شناخت بنائی ہے۔ پریم چند کا مطالعہ اور پریم چند شناسی ان کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔

'پریم چند کا تنقیدی مطالعہ بہ حیثیت ناول نگار' کے اب تک کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس میں پریم چند کے تمام ناولوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ''سوانحی حالات'' کے عنوان کے تحت مصنف نے پریم چند کے بچپن اور ابتدائی تعلیم، ملازمت اور دوسری شادی، محبوبہ اور ڈپٹی انسپکٹری، تبادلہ، مدرسی کا نیا دور، گورکھ پور کا قیام، استعفے کے بعد، بمبئی کی ملازمت، بیماری اور وفات کے ذیلی عنوان سے پریم چند کے متعلق اہم اور مستند معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح 'ذہنی اور فکری پس منظر' کے عنوان کے تحت ہندوستان کے عام اقتصادی حالات، مذہبی اور سماجی اصلاحات، قومی بیداری اور سیاسی جدوجہد وغیرہ کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے۔

'فن اور فکر کا ورثہ' کے عنوان کے تحت مصنف نے اردو کے ابتدائی ناول نگاروں

مثلاً ڈپٹی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، مولانا عبدالحلیم شرراور مرزا ہادی رسوا کی ناول نگاری کا جائزہ لیا ہے۔ انھی ناول نگاروں نے ناول کی سنگلاخ سرزمین کو اس قابل بنایا کہ آگے چل کر پریم چند اپنے ناولوں میں حقیقت نگاری کا بہترین نمونہ پیش کر سکے۔

پریم چند کے ناولوں کے تنقیدی مطالعے کو مصنف نے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ مطالعے کی یہ ترتیب پریم چند کے ناولوں کی تاریخی ترتیب سے مطابقت رکھتی ہے۔ ناولوں کے موضوعات، فنی اسالیب اور اہم کرداروں کے مطالعے کو تفصیلاً پیش کیا گیا ہے۔ 'ابتدائی دور کے ناول 1916-1903 کے زیرعنوان مصنف نے پریم چند کے ابتدائی دور کے ناولوں مثلاً اسرار معابد، ہم خرما و ہم ثواب، جلوۂ ایثار اور بیوہ پر گفتگو کی ہے۔ 'دوسرے دور کے ناول' میں بازار حسن، گوشۂ عافیت، نرملا اور غبن جیسے ناولوں کو شامل کرکے ان کا فکری وفنی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس دور کے ناولوں میں فکری وفنی اعتبار سے پختگی آنی شروع ہوئی ہے۔ 'تیسرے دور کے ناول' کے تحت مصنف نے چوگان ہستی، پردۂ مجاز، میدان عمل، گئودان اور منگل سوتر جیسے ناولوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ ظاہر ہے اس دور کے ناول فکری وفنی لحاظ سے بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ مذکورہ بالا ناولوں میں جاگیردارانہ اور مہاجنی تہذیب کے استحصالی رخ کی عکاسی، پولیس اور پٹواریوں کی لوٹ کھسوٹ، سرمایہ دارانہ نظام کی جھلک، غیرملکی سامراج کے ناجائز تسلط کے خلاف احتجاج اور ملک کی آزادی کی جدوجہد کی جھلک نظر آتی ہے۔

'زبان اور طرز بیان' کے باب میں مصنف نے پہلا دور، دوسرا دور اور تیسرا دور کے ذیلی عنوان کے تحت پریم چند کی زبان اور طرز بیان پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ کیسے وقت اور زمانے کی مناسبت سے پریم چند کی ناول نگاری کی زبان، پیش کش اور طرز ادا میں تبدیلی آتی گئی۔ اس طرح 'اظہار و بیان کی خصوصیات' کے تحت مصنف نے واقعہ نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور ظرافت نگاری کے ذیلی عنوان سے پریم چند کی ناول نگاری کی خصوصیات، عمدہ مکالمہ نگاری، دلکش منظر کشی اور ان کی ظرافت نگاری پر روشنی ڈالی ہے۔

'پریم چند کا تصور حیات'، 'پریم چند کے ہیرو' اور 'پریم چند کا مرتبہ: بحیثیت ناول نگار' وغیرہ ابواب میں پریم چند کی ناول نگاری کے پس منظر و فکر و نظر پر کار آمد گفتگو کی گئی ہے۔ کتاب کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جس طرح پریم چند گاؤں کے کسانوں، مزدوروں، محنت کشوں اور غریبوں کے دکھ درد کے سب سے بڑے نباض کہے جاتے ہیں بالکل اسی طرح پروفیسر قمر رئیس بھی پریم چند کے نباض کہے جاسکتے ہیں۔

— سورج دیو سنگھ

آبشار اور آتش فشاں

مصنف: فضیل جعفری

فضیل جعفری ہم عمر تو ترقی پسند تحریک کے ہیں لیکن ان کا ادبی سفر کم و بیش جدیدیت کے ساتھ شروع ہوا۔ وہ شاعر بھی ہیں اور تنقید نگار بھی۔ ان کی شاعری میں بھی ان کے مزاج کا تیکھا پن موجود ہے اور اسی لیے وہ غزل جیسی نرم و نازک اور نستعلیق صنف میں ایسے شعر بھی کہتے رہے ہیں:

ہوتے نہ نکچر تو کئی لوگ جعفری
ساحل پہ بیچتے کہیں چھولے دہی بڑے

تنقید میں وہ شاعری کے مقابلے میں زیادہ کامیاب رہے ہیں خصوصاً ان تنقیدی تحریروں میں جو ادب پاروں پر نہیں بلکہ تنقیدوں/ نقادوں پر لکھی گئی ہیں۔ اس سلسلے کا ان کا معرکہ آرا مقالہ ''کمان اور زخم'' ہے جو 1986 میں شائع ہوا، اس سے پہلے ''جواز'' میں بالاقساط شائع ہوا تھا۔ ایسی تنقیدیں جو ادب پاروں سے نہیں بلکہ نقادوں سے دست و گریباں ہوتی ہیں ان میں فضیل جعفری کی کامیابی کا راز بھی ان کے مزاج کے اسی تیکھے پن میں دریافت کیا جاسکتا ہے۔'' آبشار اور آتش فشاں'' ان کے 11 تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے جو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کا پہلا مضمون ہے ''پریم چند کو سمجھنے کی ایک ناتمام کوشش''۔ اس میں فضیل جعفری نے کئی اہم نکات پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ پریم چند کے ساتھ ابھی تک انصاف نہیں ہوسکا اور اس کے لیے ذمے دار وہ ترقی پسندوں کو ٹھہراتے ہیں جو'' ان کے فوری جانشین اور وارث بھی تھے۔''

دوسرا مضمون ''غلام عباس کا افسانوی ادب'' ہے جو اس لحاظ سے اہم ہے کہ غلام عباس پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ تیسرا مضمون ''گوندنی والا تکیہ: ایک مطالعہ'' ہے۔ یہ غلام عباس کے ایک نسبتاً کم معروف پہلو یعنی ناولٹ نگاری پر روشنی ڈالتا ہے۔

وہ عصمت کا اصل کارنامہ 'چوتھی کا جوڑا'، 'بے کار' اور 'دو ہاتھ' جیسے افسانوں کو بتاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں سات مضامین ہیں ''احمد ندیم قاسمی کا افسانوی رویہ، ایک چادر میلی سی: ایک تبصرہ، بستی۔ ایک جائزہ، اردو افسانہ اور جدید افسانہ، وارث علوی اور فکشن کی تنقید، ساختیاتی کتاب میں ردتشکیل کی ہڈی اور تھیوری، امریکی شوگر ڈیڈی اور مابعد جدیدیت ہیں۔

''وارث علوی اور فکشن کی تنقید'' اس کتاب کا سب سے عمدہ مضمون ہے جو پھر میرے اس مفروضے کی تائید کرتا ہے کہ فضیل جعفری ادب پاروں کے مقابلے میں تنقید کی تنقید لکھنے میں زیادہ کامیاب ہیں۔ یہ مضمون وارث علوی کی دو کتابوں ''فکشن کی تنقید کا المیہ'' اور'' جدید افسانہ اور اس کے مسائل'' کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ اگر وارث علوی کی تمام تحریروں کو دائرۂ بحث میں لایا جاتا تو ان کا پست و بلند محاکمہ زیادہ بہتر ڈھنگ سے کیا جاسکتا تھا۔

— جاوید رحمانی

تحقیق و تعارف

مصنف: حنیف نقوی

اس کتاب میں شامل بیس (20) مضامین سے عام قاری کا تعلق کم ہی ہوسکتا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی اہمیت اس لیے باقی رہتی ہے کہ ان میں جو گوشے اور نکات ملتے ہیں، ان سے بہت سے جالے صاف اور الجھنیں ختم ہوجاتی ہیں۔ محققوں نے ہمارے ادب کے ایسے ہی تاریک گوشوں کو روشن کیا ہے۔

زیرتبصرہ کتاب کا پہلا مضمون بیاض آبرو پر ہے لیکن قدیم ترین مضمون 'منظومات باقر آگاہ کے نثری دیباچے' ہے جو 1968 میں لکھا گیا، لیکن جنوری 1979 کے ماہ نامہ 'نیا دور' لکھنؤ کے شمارے میں شائع ہوا۔ 'بیاض آبرو' میں مختلف شعرا کے کلام کا انتخاب اور مختصر تعارف ہے۔

حنیف نقوی صاحب کا ایک مضمون 'غالب اور عیوب قوافی' (ص 115) عنوان سے ہے ڈاکٹر منصور عمر مرحوم، استاد شعبۂ اردو، سی ایم کالج دربھنگہ کا مضمون ہفت روزہ

ہماری زبان کے شمارہ بابت 15 نومبر 1988 شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون منصور عمر کے مضمون کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ فارسی والے اسے کتابت کی رو سے پڑھتے بھی ہیں یعنی 'ی' کے طور پر موسی اور عیسی بھی پڑھتے ہیں۔ حنیف نقوی صاحب نے بہت سے فارسی کے اشعار بھی بطور سند پیش کیے ہیں۔

کلیم کاشانی، مرزا صائب اصفہانی، شوکت بخاری، فیضی کے فارسی اشعار اور مصحفی، یقین، انشا وغیرہ کے اردو اشعار پیش کیے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں نہیں سمجھتا کہ یہ قوافی بہت زیادہ رائج رہے ہیں۔ سند کی حد تک تو ٹھیک ہے۔ اردو کے عام قارئین کے لیے ان قوافی کی قرأت بہرحال وقت طلب ہوگی۔ اساتذہ کی بات الگ ہے۔ لیکن آپ غور کیجیے کہ حنیف نقوی صاحب نے ایک موضوع کے لیے کتنے اشعار فارسی اور اردو کے بطور مثال کے پیش کر دیے ہیں۔

یہ کتاب 'تحقیق و تعارف' اہم اس لیے بھی ہے کہ اس میں حالی کے مکاتیب، اودھ اخبار کی قدر و قیمت اور اقبال سے منسوب ایک غزل جیسے اہم مضامین ہیں اور حنیف نقوی نے تحقیقی نقطۂ نظر سے کئی گوشوں کو روشن کیا ہے۔ اس میں کئی پرانے مضامین ہیں جو 70 کی دہائی میں لکھے گئے ہیں۔

— کوثر مظہری

نئی شعری روایت

مصنف: شمیم حنفی

اردو ادب کے موجودہ منظر نامے میں پروفیسر شمیم حنفی محتاج تعارف نہیں ہیں۔ فکشن ہو یا شاعری جب وہ اپنے طویل تجربات مطالعہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لیتے ہیں تو پسِ متن چلنے والی زیریں لہریں بھی سطحِ متن پر ابھرتی ہوئی موجوں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اپنے موضوع کا حق ادا کرنے میں انھیں یوں بھی کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ وہ اپنے ادبی ذوق کی تسکین کے لیے مشرق کے ساتھ مغرب میں لکھے جا رہے ادب پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔

پیش نظر تصنیف ''نئی شعری روایت'' تین مستقل ابواب بعنوان ''بیسویں صدی کی اردو شاعری میں جدیدیت کی روایت اور اس کے مضمرات''، ''نئی جمالیات'' اور ''تخلیقی عمل اور اظہار و ابلاغ کے مسائل'' پر مبنی ہے۔

موصوف نے جدید شاعری پر فراق گورکھپوری کی جارحانہ تنقید کے ایک اقتباس کو کتاب کے اولین صفحے پر جگہ دی ہے جس میں فراق نے لکھا ہے کہ ''جدید شاعری میں سب کچھ ہے اگر نہیں ہے تو عظمت''۔ فاضل مصنف نے اس اقتباس کے پیش نظر کتاب میں جدید شاعری کی اساس پر مدلل گفتگو کی ہے اور واضح کیا ہے کہ ''جدیدیت ہر اس تجربے کو اور ہر اس مظہر کو نئے انسان سے منسلک سمجھتی ہے جو اس کی شخصیت اور مسائل کے کسی پہلو سے ربط رکھتا ہے، خواہ تاریخی، سماجی اور عقلی اعتبار سے وہ کتنا ہی مجہول اور فرسودہ کیوں نہ سمجھا جائے، اصل شرط نئی حقیقتوں کے ادراک اور نئے طرزِ احساس کی ہے۔''

128 صفحات پر محیط پہلے باب میں مصنف نے جدید شاعری کی روایت اور اس کے مضمرات پر روشنی ڈالنے کے لیے جہاں جدیدیت سے متاثر اور جدیدیت کے محرک یوروپین ناقدین کے حوالے دیے ہیں وہیں ن.م. راشد اور میراجی کے خیالات و افکار کی روشنی میں سلیم الرحمٰن، عمیق حنفی، افتخار جالب، ناصر کاظمی، ضیا جالندھری، منیب الرحمٰن، محمد علوی، انیس ناگی، زاہد ڈار، اختر الایمان، ساقی فاروقی، شہریار، کمار پاشی، شکیب جلالی، مجید امجد، شمس الرحمٰن فاروقی، ظفر اقبال، بلراج کومل، عزیز قیسی، وحید اختر، باقر مہدی، عادل منصوری، خلیل الرحمٰن اعظمی، جیلانی کامران، جیسے معتبر شعرا کے کلام کی مثالوں سے اس باب کو مکمل کیا ہے۔

پہلے باب میں نئی شاعری کے پس منظر پر مبسوط گفتگو کرنے کے بعد دوسرے باب کے شروع میں ہی اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''فن کی آزادانہ حیثیت میں یقین نے فنی اور لسانی اعتبار سے بھی نئی شاعری کو اپنی پیشرو شاعری کی بہ نسبت پیچیدہ تر بنا دیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر فن کی طرح شاعری میں کاریگری اور تکنیک ہے لیکن یہ تکنیک کسی بتائے ہوئے طریقے کے میکانکی معمول کی آفریدہ نہیں ہوتی... اس لیے ہر شاعر کے مطالعے میں اس کے انفرادی طریق کار اور استعداد نیز زبان کی طرف اس کے ذاتی رویوں کی تلاش و تفہیم ناگزیر ہے۔''

اس سلسلے میں جہاں وہ فنی و لسانی روایت سے استفادے کو ضروری قرار دیتے ہیں وہیں افتخار جالب کے حوالے سے روایت کی نفی کو ایک قوی الاثر میلان قرار دیتے ہیں۔ لسانی تشکیلات کے سلسلے میں افتخار جالب نے جن امور کی نشاندہی کی ہے اس کے نکات بھی زیر بحث لاتے ہیں۔

تیسرا اور آخری باب ''نئی شاعری: تخلیقی عمل: اظہار و ابلاغ کے مسائل'' میں فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ ''تخلیقی اظہار کے مسائل کو سمجھنے کے لیے یہاں شاعری کو دو الگ الگ دائروں میں رکھنا ضروری ہے، اولاً شعر کی وہ ہیئتیں جن کا ردِ عمل قاری پر فوری ہوتا ہے، ثانیاً وہ جنھیں قاری زینہ بہ زینہ سمجھتا جاتا ہے اور بالآخر ایک ایسے کلیدی تاثر کی دریافت کرتا ہے جسے ان کا جوہر کہنا چاہیے۔''

نئی شاعری پر لکھی جانے والی تحریروں میں زیر تبصرہ کتاب اپنی انفرادی شان رکھتی ہے اور اس حوالے سے کام کرنے والے اسکالرز ہی نہیں اساتذہ کے لیے بھی نہایت کارآمد ہے۔

— شعیب رضا فاطمی

مقالات مسعود

مصنف: مسعود حسین خان

ادبی دنیا میں پروفیسر مسعود حسین خان ماہر لسانیات، محقق اور ناقد کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔ ان کی درجنوں تصانیف و تالیفات زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ پیش نظر کتاب 'مقالات مسعود' ان کے سولہ تحقیقی تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔

'مقالات مسعود' کا پہلا مضمون 'صوتیات کا خاکہ' اور دوسرا مضمون 'اردو لفظ کا صوتی و صوتیاتی تجزیہ' ہیں جس میں صوتیات کے اصول و ضوابط پر بحث کی ہے۔ تیسرا مضمون 'قومی یک جہتی اور ہندوستانی زبانیں' ہے۔ اس میں قومیت اور ہندوستانی زبانوں پر بحث کی ہے۔ اس میں انگلستان یا فرانس کی سی یک لسانی یا یک تہذیبی وحدت تلاش کرنا بے سود ہے۔ پھر بھی مشترک جغرافیائی حالات، تاریخ اور معیشت کے عناصر اس مختلف النسل باشندوں کو ایک وحدت میں جکڑے رہے ہیں۔ گو یہ ہندوستانی قومیت، قومیت کی اکثر شرائط سے عاری تھی۔ بہرحال یہ ایک اچھا مضمون ہے۔ چوتھا مضمون 'مطالعہ شعر' (صوتیاتی نقطۂ نظر سے) اور پانچواں مضمون 'تخلیقی زبان' لسانیاتی اعتبار سے فکر انگیز مضمون ہیں۔

'اقبال کا صوتی آہنگ' میں موصوف نے بتایا ہے کہ غالب اور اقبال کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کا صوتی آہنگ فارسی کا ہے اس لیے بے بنیاد ہے کہ مذکورہ آوازوں (ف/ز/ژ/خ/غ/اور/ق) کو چھوڑ کر اردو کی باقی تمام آوازیں (بہ شمول مصوتے)

خالص ہندآریائی ہیں۔ ہر چند ان میں سے بعض فارسی عربی کے ساتھ اشتراک رکھتی ہیں۔ فارسیت کا الزام ان دونوں شاعروں کی شعری فرہنگ پر کیا جاسکتا ہے، صوتی آہنگ پر نہیں۔ یہ مضمون ادبی وفنی خوبیوں سے معمور ہے۔ ساتواں مضمون 'اقبال کے ترکیب بند' ادبی خوبیوں سے مزین ہے۔ آٹھواں مضمون کلام غالب میں قافیے اور ردیف کا آہنگ ہے۔

ایک مضمون 'غالب کی غزل کا ایک تجزیہ' ہے۔ اس میں غالب کی ایک غزل جس کے مطلع کا مصرع اولی ہے 'سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں' میں آورد اور آمد، ردیف و قافیہ پر مدلل بحث کی ہے۔ ظاہر ہے کہ غالب اس طرحی غزل میں 50 فیصد کامیاب ہیں۔ انھوں نے اس غزل کا ادبی وفنی تجزیہ معروضی انداز میں کیا ہے۔ دسواں مضمون 'غالب کے خطوط کی لسانی اہمیت' ہے۔ یہ مضمون مختصر ہے مگر لسانی اعتبار سے اس کی اہمیت سے انکار ناممکن ہے۔ گیارہواں مضمون 'فانی کی ایک غزل کا صوتیاتی تجزیہ' ہے جو لسانیاتی اعتبار سے غور وفکر کا متقاضی ہے۔ بارہواں مضمون 'اصغر گونڈوی کا ایک نقاد: نیاز فتح پوری' ہے۔ یہ ایک ادبی وفنی مضمون ہے۔ تیرہواں مضمون 'میرا شعری تجربہ' صحیح ہے۔ اس میں انھوں نے اپنی شاعری کی ادبی وفنی خوبیوں کو مدلل پیش کیا ہے۔ چودھواں مضمون 'اردو لغت نویسی کے بعض مسائل' ہے۔ اس میں لغت نویسی کی تاریخ، اس کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے مسائل یعنی اردو حروف تہجی، اندراجات لغت، املا کے مسائل، تلفظ کا مسئلہ، معنی کا تعین اور ترتیب وغیرہ ہیں۔

'گودان تا گئودان' ایک تحقیقی مضمون ہے جس میں گئودان کے بارے میں اہم معلومات فراہم کی ہیں۔

'مقالات مسعود' معرکۃ الآرا مضامین کا مجموعہ ہے۔ امید ہے کہ ادبی دنیا میں اس کتاب کی پذیرائی ہوگی۔

——ڈاکٹر مجیب احمد خان

اردو کے ابتدائی ادبی معرکے

(ابتدا سے عہد میر و مرزا تک)

مصنف: محمد یعقوب عامر

معرکے ہماری ادبی تاریخ کا ایک اہم حصہ رہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب اس قسم کی معرکہ آرائیوں سے ادبی زندگی میں رونق اور چہل پہل رہا کرتی تھی، اور اس کی روشنی میں شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقی قوتوں کو پختگی کی میزان میں تولا جاتا تھا۔

ادبی معرکوں کی ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو تلاش کرنے، اور انھیں مدون کرنے کی غرض سے محمد یعقوب عامر نے یہ کتاب قلم بند کی ہے۔ اپنی بات کو مختلف مثالوں اور واقعات کی مدد سے ثابت کرنے کی غرض سے انھوں نے تیرہ ابواب قائم کیے ہیں۔ ان ابواب کے تحت ادبی معرکے کی تعریف کرتے ہوئے اس کو مختلف مماثل اصطلاحوں سے ممتاز کیا ہے مثلاً ادبی مباحثہ، ادبی مقابلہ اور ادبی معرکہ جیسی اصطلاحوں پر بحث کرتے ہوئے مختلف اسباب ومحرکات اور عوامل پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ فارسی اور عربی زبانوں میں ادبی معرکہ آرائیوں کی روایت کا بھی سرسری طور سے جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ میرے خیال میں اس باب کو شامل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ فارسی اور عربی زبانوں میں ان روایتوں کا سراغ لگاسکیں اور اردو زبان میں ادبی معرکہ آرائی کو اُس روایت سے منضبط کرسکیں کہ آخر کار اس زبان کی بیش تر ادبی روایتیں عربی وفارسی ادبی روایتوں کے سایے تلے پروان چڑھی ہیں۔

موصوف نے ہندوستانی شعرا اور ایرانی شعرا کی معرکہ آرائیوں کے لیے بھی ایک باب مخصوص کیا ہے اور اس میں سراج علی خاں آرزو اور شیخ علی حزیں کی تاریخی معرکہ آرائی کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ محتشم اور والہ داغستانی کی معرکہ آرائی کو بھی اسی باب میں سمیٹا ہے۔

میر کے معرکوں کو علاحدہ باب میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ سودا کے معرکوں کو بھی ایک علاحدہ باب میں اکٹھا کیا ہے۔

خلاصۂ بحث کے تحت موصوف نے سارے مباحث کو سمیٹتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دکنی شعرا کے ہاں معرکوں کا وجود شاعرانہ تعلیوں کی حد تک محدود تھا۔

ڈھائی سو صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مصنف نے عربی فارسی کے علاوہ اردو کے بیش تر شاعروں کی معرکہ آرائیوں کو سمیٹنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ مثالوں سے مختلف واقعات کو درست ثابت کیا ہے، جانبین کے اشعار کو پیش کرکے صحیح صورت حال تک رسائی کو ممکن بنایا ہے۔

——شبانہ خاتون

واجد علی شاہ کی ادبی اور ثقافتی خدمات

مصنف: کوکب قدر سجاد علی میرزا

688 صفحات کی یہ ضخیم کتاب پانچ ابواب پر منقسم ہے۔ پہلے باب کا عنوان ''پس و پیش'' ہے، اس باب میں واجد علی شاہ کے عروج وزوال اور ان کی خدمات پر اس عہد کی سیاسی، سماجی، ادبی اور مذہبی تحریکوں کے اثرات کے جائزے کے علاوہ ان کے معزول ہونے اور ان کی وفات کے بعد کے چند اہم واقعات کو بھی مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا باب ان کی سوانح سے متعلق ہے۔ اس حصے میں ان کی ولادت، خاندان، تعلیم، ازواج، اولاد، ولی عہدی، شاہی، معزولی، نظر بندی، جلاوطنی اور وفات وغیرہ سے متعلق مدلل گفتگو کی گئی ہے۔ کتاب کا تیسرا باب پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔ یہ باب اس لیے زیادہ اہم ہے کہ اس میں واجد علی شاہ کی تمام تصنیفات اور ان کے بیانات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے جنھیں اب تک لوگ بغیر دلیل کے تسلیم کرتے رہے ہیں۔ اس باب کی تیسری فصل میں واجد علی شاہ کی بیالیس تصنیفات کی تفصیل پیش کی گئی ہے اور چند نایاب کتابو ں کے نام بھی بتائے گئے ہیں۔

چوتھا باب ثقافتی خدمات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس حصے میں واجد علی شاہ کی ثقافتی سرگرمیوں کو بہت ہی مربوط اور منظم طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ اس باب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح واجد علی شاہ نے اپنے عہد کی موسیقی، رقص، شاعری، معماری، مصوری، باغبانی نیچرل ہسٹری، خطاطی اور لباس وغیرہ کی روایتوں کو ترقی دی۔ اس باب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے کس طرح رہس کے خد وخال مرتب کیے اور اسے کس طور انگریزی اثرات سے محفوظ رکھا۔ پانچواں اور آخری باب دو فصلوں میں منقسم ہے۔ پہلی فصل میں واجد علی شاہ کی نثر نگاری سے بحث کی گئی ہے اور دوسری فصل میں ان کی شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ خطوں میں مکالماتی اسلوب اور مثنویوں میں ڈرامائی طرز ادا ان کی ادبی شناخت قرار پاتی ہے۔ اس باب کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ جن خطوں کو آج تک بیگماتی زبان اور نسوانی جذبات کی عکاسی کے ثبوت میں پیش کیا جاتا رہا ہے وہ تمام خط دراصل اس عہد کے اوسط درجے کے ادیبوں کے تحریر کردہ ہیں، کہ بیگمات بالعموم لکھنے پڑھنے سے واقف نہ تھیں۔

کوکب قدر صاحب نے یہ کتاب لکھ کر بڑی دیانتداری سے تحقیق کا حق ادا کیا ہے، انھوں نے انتہائی غیر جانبداری سے واجد علی شاہ کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیا ہے اور لکھنویت کے بعض منفی اثرات کا صدق دل سے اعتراف بھی کیا ہے۔ واجد علی شاہ اور ان کے عہد سے متعلق کئی کتابیں لکھی گئی ہیں بالخصوص ابواللیث صدیقی کی کتاب ''لکھنؤ کا دبستان شاعری'' پروفیسر مسعود حسن رضوی کی کتاب ''لکھنؤ کا شاہی اسٹیج'' اور

انگریزی میں ڈاکٹر جی۔ڈی بھٹناگر کی کتاب Administration of Awadh under wajid ali shah وغیرہ لیکن کوکب قدر سجاد علی میرزا کی مذکورہ کتاب اس موضوع پر لکھی گئی تمام کتابوں میں یوں زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ اس کی حیثیت بہرطور تحقیق مزید کی ہے۔ پھر یہ کہ کوکب قدر صاحب کا تعلق نواب واجد علی شاہ کے خانوادے سے ہے۔ یہ کتاب واجد علی شاہ کی ادبی اور ثقافتی خدمات کی روداد اور بیان حقائق کے استناد کا درجہ تو رکھتی ہی ہے لکھنؤ کے اس عہد کی تاریخ بھی ہے جس کے نمائندہ واجد علی شاہ تھے

—ابوبکر عباد

سرور جہان آبادی اور اکسیر سخن

مرتب: الف ناظم

منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی 1973 تا1910 نے صرف 37 برس کی عمر پائی ہے تاہم اس قلیل عرصے میں سرور جہان آبادی نے جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں وہ ان کی بلند شخصیت کی دلیل ہے۔

جدید نظم کے فروغ میں سرور جہان آبادی کا نام تاریخی طور پر ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گا۔ سرور جہان آبادی نے قومی، مذہبی اور نیچرل نظمیں لکھ کر جدید اردو نظم کو انتہائی وسعت فراہم کی۔ مزید برآں انگریزی نظموں کے معیاری اور کامیاب اردو ترجمے بھی کیے ہیں۔

سرور جہان آبادی نظم نگاری تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ انھوں نے نثری خدمات سے بھی اردو ادب کے وقار کو بلند کیا۔

زیر تبصرہ کتاب ڈاکٹر الف ناظم کی مرتب کردہ ہے۔ جن کی محنت و کاوش کے ذریعے ہی سرور جہان آبادی کا اصل کلام منظر عام پر آسکا۔ جن کی بے پناہ کوششوں سے ان کی شخصیت کو اردو دنیا میں نئی زندگی ملی نیز ان کے کلام کو ضائع کرنے والے اور اپنے نام سے ان کے کلام کو شائع کرا کے راتوں رات لوگوں کی نظر میں مقبولیت حاصل کرنے والے بھی پردہ غیب سے باہر آئے۔ الف ناظم کی کوششوں کے ذریعے سرور جہان آبادی کے اصل کلام کی شناخت ہوئی۔

زیر مطالعہ کتاب 'اکسیر سخن' کالی داس کی نظموں کا اردو ترجمہ ہے جسے سرور جہان آبادی نے اپنی حیات میں مکمل کرلیا تھا۔ کالی داس کو ہندوستان کا شیکسپیئر کہا جاتا ہے۔ دونوں ادیبوں میں ادبی تصانیف کی بنیاد پر کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان کے زیادہ تر کلام کا اردو ترجمہ کیا جاچکا ہے۔ انھیں ترجموں میں سے ایک 'رتو سنگھار' کا اردو ترجمہ 'اکسیر سخن' ہے جو سرور جہان آبادی کے ذریعے عمل میں آیا ہے۔

—خالد حسن

اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک

مصنف: خلیل الرحمٰن اعظمی

اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، خلیل الرحمٰن اعظمی کی تحقیقی اور تنقیدی کتاب ہے، جو اصل میں ان کا پی. ایچ. ڈی (1957) کا مقالہ ہے۔ اس گراں قدر مقالے کو پہلی بار انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ نے 1972 میں شائع کیا تھا، اس کے بعد اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس کی غیر معمولی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نے اپنے خاص اشاعتی منصوبے کے تحت اسے خاص اہتمام سے شائع کیا ہے۔ کتاب ترقی پسند تحریک کے فکری خدوخال اور ترقی پسند ادیبوں کے کارناموں کے جائزے پر مشتمل ہے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی نے جو مقدمہ لکھا ہے، وہ کئی معنوں میں فکر انگیز ہے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی نے ترقی پسند ادبی تحریک کا مطالعہ پوری احتیاط اور انہماک سے کیا ہے۔ یہ مطالعہ سنجیدہ اور غیر جانب دارانہ نقد و شعور کی مثال ہے۔ بعض ترقی پسندوں کی طرح انھوں نے جذبات کا مظاہرہ نہیں کیا ہے، بلکہ غیر جذباتی انداز میں ترقی پسند ادبی تحریک کے خدوخال واضح کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔

خلیل الرحمٰن اعظمی کسی بھی نوع کے مطالعے میں معروضیت (Objectivity) کے خواہاں ہیں۔ یہ مقدمہ معاصر ادبی رویّوں کے پیش نگاہ کئی معنوں میں اہمیت کا حامل ہے اور اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ انھوں نے اپنے طریقۂ کار اور طرز تنقید کی جو وضاحت کی ہے، اس کے عملی انطباق میں پورے کامیاب ہوئے ہیں۔ انھوں نے ترقی پسند ادبی پس منظر، تاریخ اور اس کے تدریجی ارتقا، مصنفین کے مختلف رجحانات، موافقین و مخالفین کے مباحث، سیاسی حالات، سب پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے ادب کے مطالعے میں فنی اور جمالیاتی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ تخلیق ادب کے محرکات پر بھی غور کیا ہے۔

خلیل الرحمٰن اعظمی اس شعر کو محض اس لیے معتوب کرنے پر آمادہ نہیں ہیں کہ اس میں استعارے کے حسن اور رمز و ایما سے کام لیا گیا ہے۔

دیگر اصناف ادب میں ناول، ڈراما، طنز و مزاح، رپورتاژ، ڈائری اور مکاتیب وغیرہ کو بھی انھوں نے اپنے مطالعات میں رکھا ہے۔ ترقی پسند تنقید کے مطالعے میں انھوں نے مختلف مباحث اور اقتباسات کو جمع کر کے پورے منظر نامے کو مرتب کرنے کی سعی کی ہے اور ترقی پسند تنقید کے پیچ و خم کے عنوان سے ان مباحث کا بھرپور تجزیہ کیا ہے۔

مجموعی طور پر ترقی پسند ادبی تحریک اور ادب کے وسیع تر دائرۂ عمل سے آگاہ ہونے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ کتاب بہت عمدہ چھپی ہے، پروف خوانی پر بھی توجہ دی گئی ہے مگر بعض خامیاں راہ پاگئی ہیں۔

—فیاض احمد وجیہ

تحقیق کا فن

مصنف: گیان چند جین

اردو میں اصول تحقیق پر ایک جامع کتاب کی ضرورت تھی، اگرچہ اس کتاب سے قبل اس موضوع پر اردو میں متعدد کتابیں آچکی تھیں۔ ان میں چند کے نام یہ ہیں۔ 'متنی تنقید' از ڈاکٹر خلیق انجم 1967، ''مبادیات تحقیق'' از عبدالرزاق قریشی 1968، ''اصول تحقیق و ترتیب متن'' از ڈاکٹر تنویر احمد علوی 1977، ''عمادِ تحقیق'' از پروفیسر کلب عابد 1978، ''ادبی اور لسانی تحقیق' اصول اور طریق کار'' از ڈاکٹر عبدالستار دلوی 1985۔ زیر نظر کتاب کا نام رچرڈ ایلٹک کی کتاب "The art of literary research" سے ماخوذ ہے۔ مصنف نے کل بائیس ابواب قائم کیے ہیں۔ پہلا باب تحقیق کی تعریف اور محقق کے منصب پر ہے جس میں مختلف مفکرین کی آرا کے ذریعے تحقیق کی اقسام اور مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تحقیق و تنقید کے اشتراک و اختلاف، موضوع کے انتخاب، تحقیق کا دوسرے علوم و فنون سے رشتہ، محقق اور نگراں کے اوصاف سے بحث کی گئی ہے۔ دوسرا باب تحقیقی مقالے کی نوعیتوں کا احاطہ کرتا ہے۔ مقالے کی تیاری میں پہلے مفروضہ (Hypothesis) قائم کیا جاتا ہے، پھر کلیہ (Thesis) وجود میں آتا ہے۔ ٹرم پیپر، رپورٹ، ڈزرٹیشن (Dissertation) اور تھیسس میں کیا فرق ہے۔ مقالے کو کتنے صفحات پر مشتمل ہونا

چاہیے اور تحقیق کی منزلیں یا اجزائے ترکیبی کیا ہیں۔ دوسرے باب میں یہ تمام امور سمٹ آئے ہیں۔ تحقیق میں بنیادی چیز موضوع کا انتخاب ہے۔ موضوع سے تحقیق کار کی دلچسپی ضروری ہے۔ تحقیقی موضوعات کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ کس کے لیے کیا موضوع مناسب ہے، کیا غیر مناسب۔ موضوع کی تلاش کا مسئلہ اہم ہے۔ مقالہ تحریر کرنے سے قبل خاکہ (Synopsis) تیار کرنا ضروری ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ذہنی طور پر مقالے کی ہیئت متعین ہو جاتی ہے۔ ترتیب تحقیقی مقالے کا جوہر ہے۔ اس لیے خاکہ مرتب، چست اور منظم ہونا چاہیے۔

گیان چند اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حقائق کو حتی الامکان تاریخی ترتیب سے بیان کیجیے۔ واقعات کی تاریخیں درج کیجیے۔ حقائق سادہ اسلوب میں قلم بند کیجیے۔ عبارت آرائی بالکل نہ ہو۔ بے جا ایجاز و اختصار بھی نہ ہو۔ مزاح اور مبہم اظہارات سے بچیے۔ اقتباسات اور مقولے مختصر ہوں اور بالکل صحیح نقل کیے گئے ہوں۔ داد طلب انداز اختیار نہ کیجیے۔ کتاب کا نواں باب زبان و بیان سے متعلق ہے جس میں متعدد مثالوں کے توسط سے اس کی نشاندہی کی گئی ہے کہ تحقیق کی زبان کس نوعیت کی ہو۔ اس ضمن میں زبان کی صحت اور قطعیت پر زور دیا گیا ہے۔ اس باب کے آخر میں مقالے کی نظر ثانی اور تخفیض پر توجہ دلائی گئی ہے۔ مقالے کی تسوید پہلا مسودہ تیار کرنے کا نام ہے۔ اس کے بعد دہرانے یا نظر ثانی کی باری آتی ہے۔ آخری مرحلہ تخفیض کا ہے۔ اس کتاب کا سب سے اہم باب ''ہیئت'' ہے جس میں تحقیقی مقالے کی اقسام سے لے کر مقالے میں استعمال ہونے والے رموز و اوقاف، کتاب بندی اور فہرست سازی کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ مقدمہ کیسے لکھا جائے، شکریے کے اعترافات کہاں ہوں، صفحوں کا نمبر شمار (Pagination) کا طریق کار کیا ہے، ابواب کے ساتھ ذیلی ابواب کیسے قائم کیے جائیں، متن میں اشخاص کے نام کیسے لکھے جائیں۔ اردو میں اکثر ناموں کے ساتھ تعظیمی سابقے اور لاحقے لائے جاتے ہیں۔ مغرب میں یہ طریقہ رائج نہیں۔ متن میں کتابوں کا نام کیسے تحریر کیا جائے، اقتباسات کس طرح دیے جائیں، حوالے اور حواشی کیسے لکھے جائیں، وغیرہ۔ باب کے آخر میں ضمیمہ، فرہنگ سازی، کتابیات اور اشاریے کے آداب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

گیارھویں باب سے لے کر آخری باب تک مختلف موضوعات پر مبنی تحقیق کے کچھ عملی پہلوؤں پر گفتگو ہے۔ ایک ادیب پر مقالہ کیسے لکھا جائے، ادبی تاریخ، تدوین متن، بین العلومی تحقیق، ادبی لسانیات، تصحیح تحقیق، صنف، تحریک، دبستان یا رجحان پر تحقیق کی جائے تو اس کے کیا تقاضے ہیں، ان تمام امور کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ریسرچ اسکالروں کے لیے اس کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

— معید رشیدی

ساحری، شاہی، صاحب قرانی

داستان امیر حمزہ کا مطالعہ، (جلد: چہارم، داستان دنیا (1)

مصنف: شمس الرحمٰن فاروقی

ہمارے زمانے میں شمس الرحمٰن فاروقی نے 'داستان امیر حمزہ' کو اپنے خصوصی مطالعے کا موضوع بنا کر اب تک جو کام کیے ہیں، انھیں مطالعۂ داستان کے میدان میں بلاشبہ ایسی پیش رفت کہا جا سکتا ہے، جس سے داستان کی تفہیم و تحسین کے بالکل نئے دروازے کھل گئے ہیں۔ اس دنیا کی سیر کرتے ہوئے اب ہمارا تاثر اختدار کا نہیں بلکہ سچے افتخار کا ہوتا ہے۔ 'ساحری، شاہی، صاحب قرانی - داستان امیر حمزہ کا مطالعہ' نامی کتاب کی تین جلدیں اسی موقر ادارے سے پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی اگلی کڑی ہے جو جلد چہارم 'داستان دنیا (1)' کی صورت میں منظر عام پر آئی ہے۔ خیال رہے کہ اس سلسلے کی پہلی جلد میں فاروقی صاحب نے داستان امیر حمزہ کے بارے میں نظریاتی مباحث پیش کیے ہیں۔ اسی کے ساتھ انھوں نے داستان کے تعلق سے تمام غلط، بے بنیاد اور گمراہ کن مشہور خیالات کو اصولی بنیادوں پر نہ صرف مسترد کیا ہے بلکہ ان اصولوں اور تصورات کو ہمارے سامنے آئینہ کر دیا ہے جن کی روشنی میں ہم اس داستان کا مطالعہ کر کے اس کی حقیقی قدر و قیمت کا احساس کر سکتے ہیں۔ دوسری اور تیسری جلدوں میں داستان کے تمام دفتر اور مکمل چھیالیس جلدوں کے تعارف اور داستان کے کرداروں اور دیگر معلوماتی امور کو بہت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ابتدائی تین جلدوں میں فاروقی صاحب نے داستان امیر حمزہ سے متعلق وہ تمام بنیادیں فراہم کر دی ہیں جن کے بغیر داستان کے مطالعے کا حقیقی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

زیر نظر چوتھی جلد داستان امیر حمزہ کی عملی تنقید کی بہترین مثال کہی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں، یہ داستان کل چھیالیس جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد بڑے سائز کے کم و بیش ہزار بارہ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ہر جلد الگ الگ عنوان کی حامل ہے اور ہر عنوان مکمل داستان کے الگ الگ سلسلۂ واقعات کا احاطہ کرتا ہے۔ لہٰذا ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر جلد داستان میں بیان کردہ مخصوص واقعات کی ایک کڑی سے عبارت ہے۔ چنانچہ کتاب کی زیر نظر جلد چہارم کو فاروقی صاحب نے 'داستان دنیا (1)' کا ذیلی عنوان دیا ہے اور اس میں چھ ابواب قائم کر کے ہر باب میں ایک ایک داستان پر نہایت تفصیل سے کلام کیا ہے۔ یہاں جو ابتدائی چھ داستانیں (داستان امیر حمزہ کی چھ جلدیں) زیر بحث آئی ہیں ان کے نام یہ ہیں: نوشیرواں نامہ، اول، ہومان نامہ، نوشیرواں نامہ، دوم، ہرمز نامہ، کوچک باختر اور بالا باختر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اسی طرح مزید چالیس جلدوں کی عملی تنقید کا سامنے آنا باقی ہے۔ زیر نظر کتاب میں فاروقی صاحب نے داستانوں کا مطالعہ جس گہرائی اور باریک بینی کے ساتھ کیا ہے اور داستان کی ادبی و فنی خوبیوں کو جس طرح نمایاں کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اسے پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم داستان کی حقیقی دنیا میں داخل ہو گئے ہیں اور وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

— احمد محفوظ

ہندوستان کی تحریک آزادی اور اردو شاعری

مصنف: گوپی چند نارنگ

زیر نظر کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں سے ہر حصہ بقول مصنف ایک پوری کتاب ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ ''جغرافیائی اور معاشرتی قالب'' کے عنوان سے ہے۔ یہ حصہ دو ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب بہ عنوان ''فطری آثار و مناظر'' میں مصنف نے محمد قلی قطب شاہ سے لے کر جدید شعرا کی تخلیقات کی مثالوں سے ہندوستانی موسموں، پہاڑی مناظر، دریا، چرند پرند، پھل نباتات، پھول، باغات و مقامات کو بیان کیا ہے۔ ان تمام امور کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بقول مصنف کسی زبان کا ادب خواہ کتنا ہی آفاقی و کائناتی کیوں نہ ہو اپنا رنگ و آہنگ کسی نہ کسی مخصوص ماحول اور معاشرت سے حاصل کرتا ہے۔ اردو کا تعلق ہندوستان کے ماحول اور یہاں کی زندگی سے گہرا ہے۔ لیکن مصنف کی اس رائے میں کلام ہے کہ ''اردو شاعری میں مقامی مناظر کی منظر کشی نسبتاً ایک جدید رجحان ہے۔ درحقیقت اردو کی ابتدائی شاعری کا معتدبہ حصہ مقامیت کے رنگ و آہنگ سے متصف ہے۔ غیر ملکی عناصر کی شمولیت تو بعد کی بات ہے۔ البتہ شمالی ہند کی

شاعری کے تناظر میں یہ رائے صائب ہے۔

باب دوم بہ عنوان ''مشترکہ ہندوستانی معاشرت'' میں مصنف نے ہندوستانی تیوہار، تقریبات، میلے ٹھیلے، مشاغل، رسم و رواج، خاطر مدارات، لباس و زیورات، لوازمات حسن وغیرہ کو قدیم وجدید اردو شاعری کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

کتاب کا حصۂ دوم ''وطنیت، سامراج دشمنی اور جدوجہد آزادی'' کے عنوان سے ہے۔ یہ حصہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس حصے کے پہلے باب اور کتاب کے تیسرے باب بہ عنوان ''اردو شاعری میں حب وطن کی روایت'' میں مصنف نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ اردو شاعری میں ابتدا ہی سے قومی تقاضوں کا احساس پایا جاتا ہے۔ انھوں نے اس شبہ کا ازالہ کیا ہے کہ اردو شاعری میں غیر ملکی عناصر یعنی فارسی کا تتبع اردو زبان کی وطن دوستی کو سطحی بناتا ہے۔ بقول مصنف اردو کا بنیادی ڈھانچہ ہندوستانی ہے۔ بیرونی علامات وعلائم وغیرہ کی حیثیت رسمی اور روایتی سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن قدیم کلاسیکل شاعری کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہیے کہ وہاں حب وطن کا تصور اس تصور سے بالکل مختلف ہے جو آج ہمارے پیش نظر ہے۔ بہتر ہوتا کہ اس باب میں حب وطن کے قدیم وجدید تصور پر مختصر طور پر روشنی ڈالی جاتی۔

چوتھے باب بہ عنوان '' 1857 اور اردو شاعری'' میں مصنف نے اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ پہلی جنگ آزادی کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں کی محکومیت دین اور مذہب کے لیے خطرہ سمجھی جانے لگی تھی، اس لیے بقول مصنف اردو شاعروں نے حب وطن کے جن جذبات کا اظہار کیا ہے ان کا صحیح تجزیہ کرنے کے لیے ان تاریخی قوتوں کو نظر میں رکھنا ضروری ہے جو اس وقت کارفرما تھیں۔ اس باب میں مصنف نے مختصر طور پر تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے اردو شعرا و ادبا کی قربانیوں کا ذکر کیا ہے۔

پانچویں باب بہ عنوان ''بعد کی شاعری حالی، شبلی، آزاد'' میں مصنف نے غدر کے بعد کی صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے سرسید تحریک اور ان کے رفقا کی مساعی جمیلہ کو بیان کیا ہے، ساتھ ہی سرسید اور حالی وشبلی کے نظریاتی اختلافات کو بھی بیان کیا ہے۔

چھٹے باب ''پہلی جنگ عظیم کے زمانے کی شاعری'' میں مصنف نے ظفر علی خاں، تلوک چند محروم، اکبر، حسرت موہانی اور اقبال وغیرہ شعرا کے یہاں ہندوستان کی مکمل آزادی کے حصول کے تصور کو بیان کیا ہے۔

ساتویں باب ''ترقی پسند اور قوم پرست شعرا'' میں مصنف نے ترقی پسند تحریک کا جائزہ لیتے ہوئے یہ خیال بہ عنوان قائم کیا ہے کہ اردو ادب نے اس زمانے میں آتش شوق کو تیز سے تیز تر کرنے میں وقت کا ساتھ دیا اور تحریک آزادی کو پوری قوت بخشی۔

کتاب کا حصہ سوم ''مطالعات خصوصی'' کے عنوان سے ہے جس میں مندرجۂ ذیل چھے مضامین شامل ہیں:

(i) غالب کا جذبۂ حب الوطنی اور سنہ ستاون (ii) درگا سہائے سرور اور عروس حب الوطنی (iii) محمد علی جوہر اور جذبۂ حریت (iv) شعر حسرت کی سیاسی جہت پر ایک نظر (v) محروم کی قومی شاعری (vi) جوش ملیح آبادی! شاعر حریت و انقلاب

حالانکہ مذکورہ شعرا کی شاعری پر دوسرے ابواب میں خاطر خواہ گفتگو ہو چکی تھی لیکن مصنف نے ایک علاحدہ گوشہ قائم کرکے آزادی کے ان عاشقوں کی شاعری کا مفصل مطالعہ پیش کرکے انھیں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

—— ڈاکٹر ظہیر رحمتی

مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت

مصنف: ابوالکلام قاسمی

'مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت' پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں 'عربی شعریات کی روایت' سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے تحت آمد اسلام کے بعد کی ادبی تنقید، عہد اموی اور عہد عباسی کی ادبی تنقید پر مفصل اور مدلل گفتگو کی گئی ہے۔ ابن قتیبہ، قدامہ بن جعفر اور ابن رشیق القیر وانی کے تنقیدی نظریات کو پیش کرنے کے بعد عربی تنقید کے اہم مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب دوم میں ''فارسی شعریات کی روایت'' سے بحث کی گئی ہے۔ اس میں ''قابوس نامہ'' کے مصنف امیر کیکاؤس، ''چہار مقالہ'' کے مصنف ابوالحسن احمد السمر قندی ملقب بہ نظامی عروضی، ''حدائق السحر فی دقائق الشعر'' کے مصنف رشید الدین وطواط، ''لباب الالباب'' کے مصنف محمد عوفی، ''المعجم فی معاییر اشعار العجم'' کے مصنف شمس الدین محمد بن قیس رازی، ''معیار الاشعار'' کے مصنف خواجہ نصیر الدین طوسی کے علاوہ شرف الدین محمد تبریزی، شمس الدین فخری اصفہانی اور جامی وغیرہ کے تنقیدی نظریات سے بحث کی گئی ہے۔

باب سوم ''مشرقی شعریات اور شعرائے اردو کے تذکرے'' کے عنوان سے ہے جس کے شروع میں ہی یہ کہا گیا ہے کہ شعرائے اردو کے تذکرے دراصل عربی اور فارسی کی تنقیدی روایت کا تسلسل ہیں۔

کتاب کا باب چہارم بعنوان ''مشرقی شعریات اور اردو شعرا کا تنقیدی شعور'' بے حد اہم باب ہے۔

اردو کی ادبی تنقید کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جس کا پہلا دور شعرائے اردو کے تذکروں اور قدیم شعرا کی تنقیدی آرا پر مشتمل ہے اور دوسرا دور مقدمۂ شعر وشاعری کی اشاعت (1893) کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کے باب پنجم بعنوان ''مشرقی شعریات اور روایتی اردو تنقید'' میں الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، امداد امام اثر، مولوی عبدالرحمن، وحیدالدین سلیم، مولوی عبدالحق، عبدالسلام ندوی، نیاز فتح پوری اور مسعود حسن رضوی ادیب کے ساتھ ساتھ محمد حسین آزاد کے تنقیدی نظریات سے بھی بحث کی ہے۔

اس طرح زیر تبصرہ کتاب میں قاسمی صاحب نے اردو تنقید کی روایت میں مشرقی شعریات بالخصوص عربی اور فارسی نقد شعر کے اثرات کی بے حد مفصل اور مدلل وضاحت پیش کی ہے جس سے نہ صرف یہ کہ اردو تنقید کی روایت میں مشرقی شعریات کی اہمیت بلکہ نقد شعر کے مختلف کلاسیکی اصولوں اور رویوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس کتاب کے تمام ابواب اپنے آپ میں جامع اور مکمل ہیں۔ ادب کے طالب علموں کو اس اہم تنقیدی کتاب سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے۔

—— محمد عمر رضا

مشرق و مغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ

مصنف: محمد حسن

''مشرق ومغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ'' پروفیسر محمد حسن کی ایک اہم تنقیدی کاوش ہے۔ یہ کتاب سات حصوں اور اکیس ابواب میں منقسم ہے۔ دیباچے میں مصنف نے کتاب میں مذکور تین مرکزی تصورات کا ذکر کیا ہے۔

1. ادب اور حقیقت کا تعلق، 2. ادب کے پرکھنے کا طریق کار اور

3. ادب کی سماج پر اثر اندازی کی نوعیت یا افادیت

پوری کتاب انھی تین مرکزی تصورات کی تشریح و تعبیر ہے اور تینوں تصورات کی مختلف جہات اور ابعاد کا بھرپور احاطہ کیا گیا ہے۔

''زیر نظر تصنیف کے ذریعے کوشش کی گئی ہے کہ ادب کی ماہیت، شناخت اور اس کے مجلسی رشتوں کے بارے میں مشرق و مغرب کی تنقیدی کاوشوں کے درمیان مختلف مماثلتوں اور اختلافات کی نشاندہی کی جائے اور اس جائزے کی مدد سے ادب اور خارج کے تعلق، ادبی معیار و اقدار اور ادیب کے سماجی رشتوں اور اس کی معنویت کے بارے میں مشرق و مغرب کی مدد سے کوئی عام خاکہ تیار کیا جائے۔''

مصنف نے موضوع کے ساتھ پورا انصاف کیا ہے اور اس پر محض تاریخی حیثیت سے نہیں بلکہ حوالوں سے بھی کارآمد بحث کی ہے جو ادب کے مجموعی کردار کی بھی نشاندہی کرتی ہے۔

حصہ اول میں چار ابواب ہیں اور ہر باب میں ایک نئی بحث ہے۔ پہلا باب تنقیدی ادراک کی ابتدا پر ہے جس میں مصنف نے تخلیق پر تنقیدی شعور کو مقدم ٹھہراتے ہوئے مثالوں سے اپنی بات صراحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ دوسرے باب میں افلاطون کے تنقیدی نظریے کا بیان ہے۔

اس باب میں مصنف نے افلاطون کے تصور کائنات، نقل اور حسن و عشق کی ماہیت پر بھرپور نگاہ کی ہے۔ تیسرا باب ارسطو کی بوطیقا پر ہے۔ ارسطو کے سائنٹفک ذہن کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ یہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فن کے حوالے سے ارسطو اپنی بحث صرف شاعری تک محدود کر دیتا ہے اور شاعری میں بھی صرف المیہ کو اپنا موضوع خاص ٹھہراتا ہے۔ چوتھے باب میں روم میں تنقیدی نظریات کا بیان ہے۔

حصہ دوم پانچویں اور چھٹے ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے پانچویں میں چینی ادب کے مجموعی کردار کی شناخت کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ابتدائی دور کے چینی فن پاروں سے مدد لی گئی ہے۔ چھٹے باب میں جاپانی شاعری کے نمونے پیش کرنے کے ساتھ اس کے کلیدی تصور کو گرفت میں لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ زندگی کی بے ثباتی اور پیہم تغیر پذیری کے سبب چھوٹی چھوٹی مسرتوں کو برتنے کے حوالے سے جاپانی ادب کے مجموعی کردار کی نشاندہی کی گئی ہے۔

حصہ سوم میں ساتواں باب ہندوستانی شعریات پر ہے۔

حصہ چہارم میں دو باب ہیں۔ آٹھواں باب عرب کے تنقیدی نظریات اور نواں باب ایران کے تنقیدی نظریات پر ہے۔

نویں باب میں ایران کے تنقیدی نظریات کے تحت ایرانی ادب کو قدیم و جدید میں تقسیم کر کے پیش کیا ہے۔

حصہ پنجم، دسویں باب میں مغربی یوروپ میں تنقیدی نظریات سے بحث کی گئی ہے۔

گیارھویں باب میں تخیل کی مختلف تعریفوں کا بیان ہے۔ بارھویں اور تیرھویں باب میں سیاسی و سماجی اور اقتصادی و تہذیبی سطح پر جو زبردست تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں ان کے اثرات زندگی، ادب اور تاریخ و تہذیب پر کس نوعیت کے پڑ رہے تھے، یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تیرھویں باب میں مختلف فن پاروں اور ادبی شہ پاروں کو جانچنے اور پرکھنے کے طریق کار پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

حصہ ششم میں چودھواں، پندرھواں اور سولھواں باب ہے جو بالترتیب روس، امریکا، نئی تنقید اور تشکیلیت اور ساختیت'' کے عنوانات پر ہے۔ روس کے بیان میں وہاں کے دو دبستانوں کا تفصیلی ذکر ہے اور ان سے متعلق فنکاروں کی تخلیقات اور ان کے نظریات پر بحث کی گئی ہے۔

سترہ سے اکیس تک ابواب حصہ ہفتم میں شامل ہیں۔ اس میں ہیئتی تنقید، مارکسی تنقید، ادبی سماجیات تقابلی تنقید اور اختتامیہ کے عنوانات سے شرح و بسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

—نوشاد عالم

ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں

مصنف: گوپی چند نارنگ

پروفیسر گوپی چند نارنگ اردو کے ممتاز محقق اور ناقد ہیں۔ ''ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں'' ان کی اولین تحقیقی و تنقیدی کتاب ہے۔ یہ کتاب پہلی بار 1959 میں اور دوبارہ 1961 میں شائع ہوئی تھی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اسے تیسری بار شائع کیا ہے۔ اس کتاب پر پروفیسر نارنگ کو 1962 میں ''غالب ایوارڈ'' سے نوازا گیا تھا۔ اردو کے مشہور محققین اور ناقدین — مولانا امتیاز علی عرشی، قاضی عبدالودود، آل احمد سرور، سید احتشام حسین، مسعود حسن رضوی ادیب اور گیان چند جین اسے اپنے موضوع پر ایک اہم کتاب قرار دے چکے ہیں۔

'ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں' 364 صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے باب اول میں انھوں نے پورانک قصوں کو جگہ دی ہے۔ پورانک قصوں سے مراد وہ قصے ہیں جن کا تعلق مہابھارت، رامائن اور پرانوں سے ہے۔ ان میں اردو میں زیادہ تر نل دمینتی، دشینت اور شکنتلا، ستیہ وان اور ساوتری کے قصے نظم کیے گئے ہیں۔ ساوتری کی کہانی پر ایک، شکنتلا پر چار اور نل دمینتی پر چھے مثنویاں اردو میں ملتی ہیں۔ مصنف نے ان مثنویوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔

باب دوم لوک کہانیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس ذیل میں وہ قصے کہانیاں آتی ہیں جو عوامی روایتوں یا علاقائی زبانوں میں مقبول عام ہیں۔ گوپی چند نارنگ نے ان قصے کہانیوں میں پنچ تنتر، شک سپ تتی، بیتال پچیسی، کتھا سرت ساگر جاتک کہانیوں وغیرہ کو شامل کیا ہے۔ یہ ''لوک کہانیاں'' دو حصوں میں منقسم ہیں۔ پہلے حصے میں انھوں نے دکنی مثنویات مثلاً کدم راؤ پدم راؤ، طوطی نامہ، مینا ستونتی، منوہر اور مدھومالتی، عود و صندل، نیہ درپن اور کامروپ وکلا کام سے بحث کی ہے۔ دوسرے حصے میں شمالی ہند کی اہم مثنویوں سنگھاسن بتیسی، راجا جلوان ل و چتر سین، قصہ کنور و چندر کرن، راجا چتر مکٹ اور رانی چندر کرن، قصہ راجا گوپی چند اور قصہ راجا کنور سین و رانی چتر اولی کا جائزہ لیا ہے۔

باب سوم کا عنوان ''نیم تاریخی قصے'' ہے۔ اس میں ان قصے کہانیوں کو جگہ دی گئی ہے جو عوامی روایتوں میں حقیقی تصور کی جاتی ہیں یا جن کا تعلق کسی تاریخی واقعے سے ہے۔ ہیر رانجھا، سسی پنوں، پدماوت، سوہنی مہیوال، بدھو گل فروش، قطب مشتری، چندر بدن و مہیار، ندرت عشق، مغل اور ناگری، طالب و موہنی، بہلول صادق، شعلۂ شوق، سوز و گداز، مثنوی دل پذیر اور مثنوی سراپا سوز وغیرہ کو اسی زمرے میں رکھا جاتا ہے۔ مصنف نے ان مثنویوں کا بہترین تاریخی، تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ پیش کیا ہے۔

''ہند ایرانی قصے'' اس کتاب کا باب چہارم ہے۔ اس باب میں ان مثنویوں کا ذکر ہے جن میں ہندوستان اور ایران دونوں ملکوں کے قصے کہانیوں کی آمیزش ہے۔ ان میں دونوں ملکوں کے تہذیبی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی رنگوں کی یکجائی دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مثنویوں کو نہ تو خالص ہندوستانی کہا جا سکتا ہے اور نہ خالص ایرانی۔ اردو میں اس قسم کی متعدد مثنویاں لکھی گئی ہیں۔ دکنی مثنویوں میں ''پھول بن''، دہلوی رنگ کی مثنویوں میں ''سحر البیان'' اور لکھنوی مثنویوں میں ''گلزار نسیم'' اسی قسم کی مثنویاں ہیں۔ ان مثنویوں کا تہذیبی مطالعہ کرتے وقت مصنف نے اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ قصے کے مختلف اجزا کی کیفیت پوری طرح روشن ہو جائے۔

—رغبت شمیم

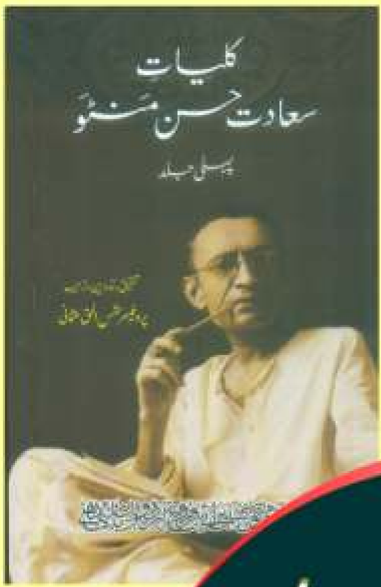

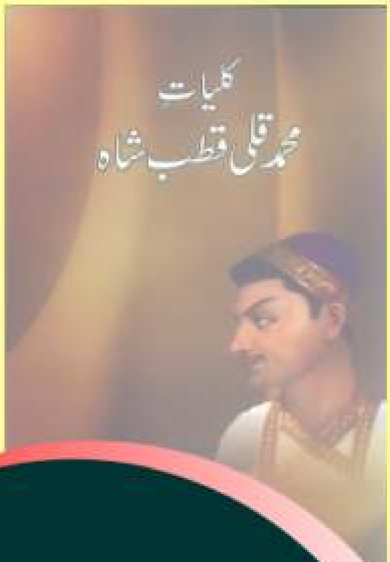

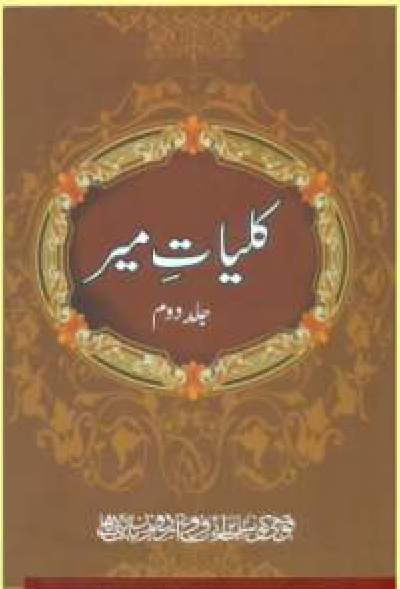

دواوین / کلیات

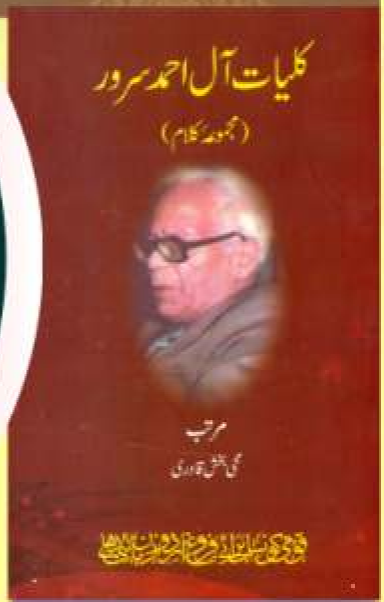

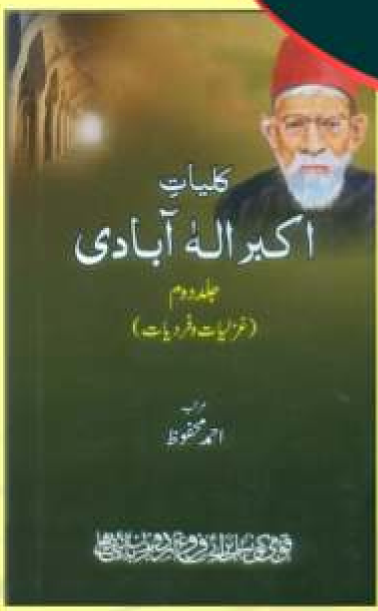

دواوین/کلیات

کلیات محمد قلی قطب شاہ

مرتبہ: ڈاکٹر سیدہ جعفر

محمد قلی قطب شاہ دکن کے پروردہ تھے۔ دکھنی شعروادب نے اردو کے ابتدائی دور کو سنبھالے ہوئے موجودہ دور کی اردو تک پہنچایا ہے۔ اس لیے بھی اس زمانے کی شاعری کے مطالعے کی اہمیت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے محمد قلی قطب شاہ کا کلیات شائع کیا ہے۔ اپنی روایت کے مطابق یہ کتاب کافی خوبصورت چھپی ہے۔

ابتدا میں مرتبہ کے 280 صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے جو اردو کے اسکالر اور طلبہ کے لیے نہایت کارآمد ہے۔ اس میں محترمہ نے علم وادب کا گراں مایہ سرمایہ مہیا کر دیا ہے۔ اس میں انھوں نے قطب شاہی دور کی پوری معلومات دی ہے جو کسی تاریخ کے اوراق لگتے ہیں۔ اس میں جا بہ جا تصویریں دی گئی ہیں جس سے کتب بینی کو تقویت ملتی ہے۔ کتاب میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ قابل ذکر بات تو یہ ہے کہ جگہ جگہ پر حوالے دیے گئے ہیں تاکہ ان کے پڑھنے والوں کو کچھ اور جاننا ہو تو اس کتاب کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔

محمد قلی قطب شاہ کی شاعری اس کے عہد کی عکاس ہے۔ اس میں ہندوستان کی طرز زندگی، رسومات اس قدر رسائے ہوئے ہیں کہ یہ پوری تفصیل داستان سی لگتی ہے۔ کئی شعر میں تو لباس کا ذکر ہے، کہیں محلات اور کھیل کود کے واقعات درج ہیں۔ اس زمانے کے جشن کا جگہ جگہ ذکر ہے۔ ان تمام باتوں کو پڑھنے کے بعد محمد قلی قطب شاہ کی قادرالکلامی کا پتہ چلتا ہے۔ ایک سلطان وہ بھی اس قدر ذہین وفطین، یہ خوبی بہت کم سلطانوں میں نظر آتی ہے۔ یہ تمام اوصاف اردو ادب کے خزانے کا گراں بہا سرمایہ ہیں۔

کونسل کا یہ قدم قابل تحسین ہے۔ ریاستی سرکار کی اکادمیوں کو بھی اس طرز پر کام کرنا چاہیے۔

— خلیق الزماں نصرت

کلیات میر (جلد اول ودوم)

مرتب (جلد اول): ظل عباس عباسی

تحقیق وترتیب (جلد دوم): احمد محفوظ، زیر نگرانی: شمس الرحمٰن فاروقی

کلام میر کی بہت سی اشاعتیں ہوئی ہیں مگر میر کے مکمل کلام کی یکجا تدوین نہیں ہوسکی تھی، قومی کونسل نے اس سمت میں ایک اچھا کام کیا ہے کہ کلیات میر کو از سر نو مرتب کروایا ہے۔ اس طرح میر کا کلام یکجا ہوگیا ہے۔ ظل عباس عباسی نے میر کا کلیات مرتب کیا تھا مگر اس کی ایک ہی جلد شائع ہوسکی تھی۔ اس کے علاوہ اس میں کچھ غلطیاں بھی رہ گئی تھیں اس لیے قومی کونسل نے متن کی تصحیح، تدوین اور ترتیب کا کام ایک ایسے شخص کو سونپا جسے کلام میر سے خصوصی لگاؤ ہے اور جنھوں نے میر پر تحقیقی کام کیا ہے۔

کلیات میر کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں میر سے متعلق شمس الرحمان فاروقی کے دو مضامین، رشید احمد صدیقی، قاضی عبدالودود، ظل عباس عباسی، آل احمد سرور، فراق گورکھپوری، محمد حسن عسکری، گوپی چند نارنگ کے مضامین شامل ہیں۔ فاروقی صاحب نے اپنے مضمون میں میر کے حوالے سے بہت ہی عمدہ گفتگو کی ہے اور میر کے ممیزات پر عالمانہ گفتگو کی ہے۔ اس کلیات کو نہایت عرق ریزی اور محنت شاقہ کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کی نگرانی میں اس کلیات کی تصحیح واضافے کا کام احمد محفوظ نے انجام دیا ہے۔

کلیات اول میں میر کے کلام کے ساتھ مشاہیر ادیب کے مضامین کو شامل کیا گیا جس سے میر کے شیدائیوں کے لیے مواد فراہم ہوتا ہے اور میر کا مختلف زاویوں سے مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

کلیات کی جلد اول میں فہرست غزلیات ردیف وار، دیوان اول، دیوان سوم، دیوان چہارم، دیوان پنجم، دیوان ششم، ہے۔ دیوان اول میں ردیف الف کے تحت میر کا کلام ہے۔

کلیات میر حصہ دوم میں احمد محفوظ نے قصیدہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ کو جمع کیا ہے۔ اس میں انھوں نے دیباچہ اول اور دوم لکھا ہے۔ اسی کے ساتھ اس کلیات کی اہمیت شمس الرحمان فاروقی کے اس مضمون سے بڑھ جاتی ہے جس کا عنوان ہے 'میر صاحب کا زندہ عجائب گھر: کچھ تعجب نہیں خدائی ہے'۔

—عابد انور

کلیات سراج/سراج اورنگ آبادی

مرتب: پروفیسر عبدالقادر سروری

کلیات میں 508 غزلیں، 11 مثنویاں، 9 رباعیاں، 1 قصیدہ، 5 مستزاد، 11 مخمس، 1 ترجیع بند اور 1 مناجات شامل ہے۔

سروری صاحب نے 130 صفحات کا بھرپور مقدمہ لکھا ہے جس میں 65 صفحے سراج کی حیات سے متعلق ہیں بقیہ شاعری سے متعلق ہیں۔ مقدمے کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مرتب نے اس کی تیاری میں تمام ممکنہ ماٰخذ تک رسائی حاصل کی ہے۔ سروری صاحب نے مقدمے میں سراج کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے سراج کے معاصرین اور بعد کے شعرا سے بھی موازنہ کیا ہے جس سے مرتب کی دقت نظری کا اندازہ تو ہوتا ہی ہے ساتھ ہی سراج کی قادرالکلامی، فکر کی گہرائی اور ندرت اسلوب پر بھی بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

کلاسیکی متون کی تدریس و تفہیم یقیناً ایک دشوار مرحلہ ہے اس لیے کلاسیکی متون کے آخر میں ایک جامع فرہنگ ضرور ہونی چاہیے۔ کلیات سراج میں اس کی کمی کھٹکتی ہے محض مختصر حواشی فرہنگ کا بدل ثابت نہیں ہوتے۔

—عبدالرب

دیوان بیدار

مرتب: پروفیسر نسیم احمد

دیوان بیدار پہلی مرتبہ مولانا محمد حسین محوی صدیقی لکھنوی کی کوششوں سے 1935 میں منظر عام پر آیا۔ مولانا محوی نے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ اسے مدراس یونیورسٹی سے شائع کیا تھا۔ دوسری مرتبہ دیوان بیدار جلیل احمد قدوائی نے مرتب کر کے شائع کیا لیکن جلیل احمد قدوائی نے دیوان بیدار سے فارسی کلام نکال دیا اور صرف اردو کلام کو شامل دیوان رکھا۔ ان مطبوعہ اڈیشنوں اور عہد میر و سودا کی پر لکھے گئے مقالوں سے شاہ محمدی بیدار کی زندگی اور شخصیت پر کچھ روشنی تو پڑتی ہے لیکن اس کے باوجود بیدار کی شخصیت اور شاعری کے بہت سے پہلو تحقیق طلب ہیں۔

دیوان بیدار کا تازہ اڈیشن پروفیسر نسیم احمد نے تیار کیا ہے۔ نسیم احمد کا نام تحقیق کی دنیا میں اعتبار حاصل کر چکا ہے۔ اس سے پہلے بھی انھوں نے میر درد کا کلام مرتب کیا تھا جسے اہل نظر نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ میر درد پر ان کے کام کی حیثیت حوالے کی ہے۔ پروفیسر نسیم احمد نے جس جانفشانی اور عرق ریزی سے دیوان بیدار مرتب کیا ہے، اس کا اندازہ اختلاف نسخ دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اسے بارہ قلمی نسخوں، اکیس تذکروں اور دو مطبوعہ ایڈیشن کی مدد سے تیار کیا ہے۔ مقدمہ میں انھوں نے شاہ محمدی بیدار کی سوانح اور شخصیت پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے تذکروں اور دوسرے ماخذ کی مدد سے شاہ محمدی بیدار کی سال ولادت اور سال وفات متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاہ محمدی بیدار کی سوانحی زندگی اتنی پیچیدہ ہے کہ ان کا اصل نام تک لوگوں کو نہیں معلوم تھا۔ تخلص کی مماثلت کی وجہ سے کئی لوگوں کو مغالطہ بھی ہوا ہے۔ نسیم احمد نے شاہ محمدی بیدار کی زندگی اور شخصیت کے اس پہلو کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔ ساتھ ہی سودا کے ساتھ ان کے کلام کے الحاق کو بھی موضوع بنایا ہے۔ مقدمہ میں جملہ ماخذ کا تعارف اور ان کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ مقدمہ کے آخر میں مرتب نے دیوان بیدار کی ترتیب میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اسے مختلف سولہ نکات میں درج کیا ہے۔

دیوان بیدار مرتبہ پروفیسر نسیم احمد کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں 212 غزلیں، 6 قطعات، ایک مسدس، 10 مخمس اور 15 رباعیات شامل ہیں اور دوسرے حصے میں 22 غزلیں، ایک مخمس اور 7 مسدس شامل ہیں۔ دوسرے حصے میں مسدس کے ذیل میں شامل آخری کلام مسدس نہیں بلکہ آٹھ اشعار کی غزل ہے۔

شاہ محمدی بیدار کے کلام کی خوبی اس کی سلاست اور روانی ہے۔ ان کلام کو پڑھ کر کہیں ایسا نہیں محسوس ہوتا کہ یہ زبان قدیم ہے یا ہمیں کہیں بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔

پروفیسر نسیم احمد نے کلام بیدار درج کرنے کے بعد اختلاف نسخ کا ایک باب قائم کیا ہے۔ اس کے تحت انھوں نے مختلف نسخوں میں پائے جانے والے اختلافات کو درج کیا ہے اور صحیح متن تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے آخر میں فرہنگ شامل ہے۔ جس میں کلام بیدار میں در آئے مشکل اور نامانوس الفاظ کی تشریح اور تعبیر درج کی گئی ہے۔

اس طرح پروفیسر نسیم احمد کی کوششوں سے عہد میر و مرزا کا ایک اہم شاعر گمنامی کی دنیا سے نکل آیا۔

—عبدالسمیع

کلیات اکبرالہ آبادی (جلد دوم)

مرتب: ڈاکٹر احمد محفوظ

کلیات اکبرالہ آبادی جلد دوم کے مرتب ڈاکٹر احمد محفوظ ہیں۔ 'کلیات اکبرالہ آبادی' سے قبل وہ 'کلیات میر' تدوین کر چکے ہیں، جس کی نہ صرف ادبی حلقوں میں پذیرائی ہوئی بلکہ علمائے ادب نے اس کو میر پر اب تک کی تحقیق و تدوین کے تعلق سے فوقیت دی۔ زیر نظر کلیات اکبرالہ آبادی جلد دوم ایک طرح سے دو حصوں پر مشتمل ہے، جس میں پہلا حصہ غزلیات پر مبنی ہے جس کو مرتب نے ترتیب وار مرتب کیا ہے اور دوسرے حصے میں فردیات ہے، اکبرالہ آبادی کے یہاں فردیات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے جس کو یکجا کرنا ایک جوکھم بھرا کام تھا لیکن ڈاکٹر احمد محفوظ نے اس میں بھی راہ نکال لی اور فردیات کو عام قاری کی سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے ردیف وار ترتیب دیا ہے۔ مرتب نے اس کا اظہار بھی دیباچے میں کیا ہے "زیر نظر جلد میں غزلوں کے علاوہ فردیات بھی شامل ہیں۔ اکبر کے کلام میں فردیات کی خاصی بڑی تعداد ہے، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ چاروں حصوں پر مشتمل یہ ابیات ہی اس جلد کے پونے دو سو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ چونکہ موجودہ صورت میں الگ الگ شعر تلاش کرنا آسان نہ تھا، اس لیے ان اشعار کو بھی ہر حصے میں ہم نے ردیف وار درج کیا ہے۔" کلیات اکبرالہ آبادی، جلد اول جو کہ غزلیات پر مشتمل ہے، کی طرح مذکورہ جلد کو بھی اردو اور دیوناگری رسم الخط میں ترتیب دیا گیا ہے۔ اس سے ان لوگوں کو آسانی ہو جائے گی جو اردو رسم الخط سے واقف نہیں ہیں اور کلام اکبرالہ آبادی میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

—رشدہ خاتون

کلیاتِ پریم چند (جلد 1 تا 24)

مرتبہ: مدن گوپال

مدن گوپال کو پریم چند کے خطوط کی تلاش، ترتیب و اشاعت کے سلسلے میں اولیت اور اہمیت حاصل ہے۔ 'کلیاتِ پریم چند' کی جلد 17 میں پریم چند کے 690 خطوط شامل ہیں۔ یہ خطوط پریم چند کے ذہن کو سمجھنے اور ان کی شخصیت کی تفہیم میں بیحد کارآمد ہیں۔ پریم چند کی مالی حالت ان کی گھریلو زندگی، احباب سے ان کے مراسم، ان کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی خیالات اور ان کے مسائل حیات وغیرہ۔ ''کلیاتِ پریم چند'' کی اٹھارویں جلد 'آزاد کتھا' فسانۂ آزاد، کی تلخیص اور اس کا ہندی روپ ہے۔ مدن گوپال نے ہندی تلخیص کو اردو رسم الخط میں پیش کیا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ثقیل اور بوجھل نہیں سہل اور عام فہم ہندی ہے۔ بچوں کے لیے تحریر کردہ مضامین اور ترجموں کو ''بہارِ طفلی'' کے عنوان سے جلد 19 میں شامل کیا گیا ہے اور باقی پانچ جلدیں متفرقات کے عنوان سے ہیں جن میں مختلف موضوعات پر پریم چند کی تحریریں یکجا ہیں۔ پریم چند عام طور پر افسانہ نگار، ناول نویس اور ایک حد تک ڈراما نگار کی حیثیت سے معروف ہیں۔ انھیں صحافت سے وابستگی کے باعث عام اور روزمرہ کے موضوعات پر بھی مضامین لکھنے پڑے۔ پانچ جلدوں میں ان کو جمع کرکے مدن گوپال نے ان تحریروں کو بھی محفوظ کردیا ہے۔ پریم چند کے ناولوں اور افسانوں کی طرح ان کے یہ رشحاتِ قلم بھی اردو نثر کا ایک وقیع حصہ ہیں۔ جلد 20 میں مدن گوپال ''دیباچہ'' کے تحت پریم چند کی مضمون نگاری کے مخفی گوشوں کو سامنے لائے ہیں۔ پہلا مضمون کون سا تھا اور وہ کب اور کہاں شائع ہوا اور ان کی مضمون نگاری کا سلسلہ کیسے آگے بڑھتا رہا۔ یہاں بھی جلد 22 اور 23 کا دیباچہ ایک ہے اور دیگر جلدوں کے دیباچے الگ الگ۔ پریم چند کی مضمون نویسی کے بارے میں مدن گوپال نے بھرپور اور سیر حاصل انداز میں قلم اٹھایا ہے۔

ان 24 جلدوں کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اسی کے ساتھ ان کے پیش گفتار/ دیباچے بھی وقیع اور نہایت جامع ہیں۔ ایسے مواقع پر عموماً رسمی اور چلتے چلاتے پیش گفتار اور دیباچے پڑھنے کو ملتے ہیں لیکن مدن گوپال نے چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا ہے۔ جزئیات پر نظر رکھنے کی وجہ سے پریم چند کے بارے میں کئی گوشے نہ صرف پریم چند کے تعلق سے بلکہ اردو فکشن کے خصوص میں بھی ایک یادگار چیز ہے۔ اردو فکشن سے دلچسپی رکھنے والوں اور خاص طور پر پریم چند کے چاہنے والوں کو 24 جلدوں پر مشتمل یہ کلیات اپنی ذاتی لائبریری میں رکھنا چاہیے۔

— سلیمان اطہر جاوید

کلیاتِ سعادت حسن منٹو (اول، دوم)

تحقیق، تدوین، ترتیب: پروفیسر شمس الحق عثمانی

کلیاتِ منٹو کی پہلی جلد میں اشاریے کے علاوہ تین کتابیں شامل ہیں۔ آتش پارے، منٹو کے افسانے اور دھواں جبکہ دوسری جلد میں افسانے اور ڈرامے، چغد، لذت سنگ، 'سیاہ حاشیے' اور 'خالی بوتلیں' کے ساتھ اشاریے بھی شامل کتاب ہیں۔ کلیات میں یہ اطلاع بھی ہے کہ اس کی آخری جلد 'اشاریہ کلیاتِ سعادت حسن منٹو' ہوگی۔

کلیاتِ منٹو میں شامل ہر مجموعے سے قبل 'عرضِ مرتب' کے عنوان سے اس کی اشاعت اول اور اس سے متعلق دیگر امور کی وضاحت درج ہے۔ یہ حصہ قارئین کی معلومات میں صرف اضافے کا سبب ہی نہیں ہے بلکہ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کلیات کی ترتیب میں پروفیسر عثمانی نے کس قدر جوکھم اٹھایا ہے۔ کتاب کے مقدمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلیاتِ منٹو کی ترتیب کے لیے انھوں نے منٹو کی کتابوں کے بنیادی نسخوں کے علاوہ شعور، دستاویز، منٹو کے نمائندہ افسانے، دستاویز (ہندی)، سعادت حسن منٹو حیات اور کارنامے، منٹو ڈرامے، منٹو باقیات، منٹو نما، منٹونامہ، منٹو کہانیاں، منٹو ڈراما رسالے/ کتابوں سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے اور بجا طور پر یہ رسالے اور کتابیں کلیات کی ترتیب میں مرتب کے لیے معاون ثابت ہوئی ہیں۔

کلیات میں شامل ہر کتاب سے پہلے عرض مرتب کی تحریر ہماری معلومات میں اضافے کا سبب ہی نہیں ہے بلکہ فاضل مرتب نے اصل متن تک کس طرح رسائی حاصل کی ہے اور یہ اس کلیات کا متن کیوں مستند قرار دیا جائے اس کی بھی گرہیں کھلتی ہیں۔ جلد دوم میں شامل کتاب 'خالی بوتلیں خالی ڈبے' کے چار نسخے مرتب کے پیش نظر رہے ہیں۔ مطبوعہ مکتبہ نو، دہلی، مطبوعہ مکتبہ شعروادب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ساقی بک ڈپو (جدید) اردو بازار۔

ان سے واضح ہوتا ہے کہ پروفیسر عثمانی نے کلیاتِ سعادت حسن منٹو کے متن کو مستند اور معتبر بنانے میں کوئی کسر نہیں باقی رکھی ہے۔ افسانے اور افسانوی تنقید سے انھیں گہرا شغف رہا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی تخلیقی حسیت منٹو متن کی ترتیب و تحقیق اور تدوین میں کام آگئی ہے۔

— عمیر منظر

کلیاتِ ماجدی

ترتیب وتدوین: عطاء الرحمٰن قاسمی

'کلیاتِ ماجدی' کی پہلی جلد صرف ڈائری نہیں ہے بلکہ یہ ہندوستان کی تاریخ آزادی، تاریخ خلافت، تاریخ صحافت اور تاریخ زبان وادب کے ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ڈائری اپنی معروضیت، سحرنگاری، معنی آفرینی، تجزیہ نگاری اور منظر کشی کے اعتبار سے دیگر ڈائریوں اور روزناموں سے افضلیت کی حامل ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے مولانا محمد علی جوہر کے شب و روز کے واقعات و حقائق کو خوش اسلوبی اور شگفتہ بیانی سے تحریر کیا ہے۔ ان کے اسلوب اور طرز نگارش کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ دریا کو کوزے میں بند کرنے کے فن سے بخوبی واقف ہیں۔ اس ذاتی ڈائری میں ان کے اسلوب اور طرز تحریر کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ وہ نہایت اختصار سے منظر اور پس منظر کی مکمل تصویر کشی کرتے ہیں۔ ان کی اس ڈائری سے تحریک آزادی اور تحریک خلافت پر مکمل روشنی پڑتی ہے اور ساتھ ہی اردو زبان، اردو صحافت اور اردو شاعری کا روشن کارنامہ بھی سامنے آتا ہے۔

یہ ڈائری مولانا محمد علی جوہر کی عبقری و ہمہ جہت شخصیت کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں پر محیط ہے۔ اس ڈائری کے تاثرات و مشاہدات میں کہیں کہیں ایسے حقیقت پسندانہ اور چبھتے ہوئے فقرے بھی آگئے ہیں جو محمد علی کی شخصیت کی افتادِ طبع، خدوخال اور ان کی فکر ونظر میں رونما ہونے والے نشیب وفراز کی تفہیم وتعبیر میں بے حد معاون و مددگار اور مولانا دریابادی کی حق پسندی کی واضح دلیل بھی۔

— ڈاکٹر مجیب احمد خان

کلیات ملا رموزی (جلد دوم، سوم، چہارم، پنجم)

مرتب: پروفیسر خالد محمود

ملا رموزی (پیدائش: 1896، وفات: 1952) کسی ایک میدان کے ماہر نہیں تھے لیکن انھیں ان کے خاص ایجاد کردہ اسلوب یعنی گلابی اردو کی وجہ سے شہرت ملی۔ وہ بڑی رنگارنگ شخصیت کے مالک تھے اور ایک کثیر التصانیف قلم کار۔ ان کا اصل میدان طنز و مزاح تھا۔ طنز و مزاح نگاری کی ایک بنیادی شرط یہ بتائی گئی ہے کہ قلم کار کا مشاہدہ زبردست ہو اور جزئیات نگاری اور بات سے بات نکالنے کا فن اس کو آتا ہو۔ یہ تمام باتیں ملا کی شخصیت میں جمع ہوگئی تھیں جن سے کام لے کر انھوں نے ایسی تخلیقات پیش کیں جو معاصر ادب اور معاصر دنیا کی نبض شناس تھیں۔ عالمی معاملات پر بھی وہ اظہار خیال کرتے تھے۔ ان کے طنز و مزاح کو سمجھنے کے لیے معاصر عالمی صورت حال سے واقفیت رکھنا بہت ضروری ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان تحریروں سے اُس دور کے عالمی اور ملکی حالات کی معلومات حاصل کی جا سکتی ہے۔

ملا رموزی کے مضامین عصری اہمیت کے حامل ہیں مثلاً علی گڑھ، عورتیں اور ریل کا سفر، صحافت اور علمی سرمایہ داری، نئی پرانی شاعری: ان سبھی مضامین پر ان کے مخصوص اسلوب کی چھاپ موجود ہے۔ اس کتاب میں ملا رموزی نے خود اپنے حالات تحریر کیے ہیں۔ نکات رموزی حصہ دوم میں عبدالقادر سروری صاحب کا مقدمہ ہے۔ انھوں نے ملا رموزی کے اسلوب کی سات نمایاں خوبیوں کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ کلیات کے تیسرے مجموعے 'شادی' کی اہمیت یوں ہے کہ اس کے سرورق پر ہی لکھا ہوا ہے کہ 'حضرت ملا رموزی مشہور لطافت نگار کی شادی کے خودنوشتہ حالات کی دل فریب تفصیلات'۔ کہنے کو تو یہ ملا رموزی کی شادی کی تفصیلات ہیں لیکن کتاب پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا رموزی نے اپنی شادی کے پس منظر کا استعمال کرتے ہوئے بھوپال کی تقاریب شادی کی تفصیلات کو قلم بند کر دیا ہے، اس طرح یہ خاصے کی چیز بن گئی ہے۔ اس مجموعے کی تہذیبی اہمیت ہمیشہ باقی رہے گی۔ خواتین انگورہ میں ترکی خواتین کی بے مثال قربانیوں کا تذکرہ ہے۔ ان کی تعلیم اور آزادی کو خاص طور سے نشان زد کیا گیا ہے۔ خالدہ ادیب خانم کے علاوہ ایسی بیسیوں خواتین ہیں جن کے کارنامے ترکی کی انقلابی زندگی میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں ملا رموزی نے ایسی کئی شخصیتوں کو زندہ کر دیا ہے۔ ترکی کی ترقی میں خواتین کا کردار کے لیے انھوں نے اچھا مواد جمع کر دیا ہے۔ کلیات کا آخری مجموعہ 'زندگی' کے نام سے شامل ہے اس میں بھی مجموعی طور سے سولہ مضامین شامل ہیں جو ہندوستانی زندگی، علی گڑھ، کانپور کے حالات بلکہ آسانی کی خاطر یہ کہہ لیجیے کہ مسلمانوں کے زوال کی داستان کو بیان کرتے ہوئے مکمل کیا گیا ہے۔ پروفیسر خالد صاحب کے مقدمے کے صفحات کو اگر شامل نہ کریں تو اصل متن کے صفحات کی گنتی 750 تک پہنچتی ہے۔

کلیات کی تیسری جلد میں خالد محمود صاحب کے مقدمے کے علاوہ ملا رموزی کی جن کتابوں کو سمیٹا گیا ہے ان میں صبح لطافت، لاٹھی اور بھینس، شفاخانہ، مضامین ملا رموزی، شرح کلام اکبر الہ آبادی، مشاہیر بھوپال اور خطوط رموزی شامل ہیں۔ یہ مختلف کتابیں بھی اپنے اندر موضوعات کے تنوع سے مالا مال ہیں۔ مثلاً اکبر الہ آبادی کی شاعری کی تشریح، بھوپال کی برگزیدہ ہستیاں، ملا رموزی کے مختلف ایڈیٹروں کو خط لکھنے کا انداز اور سب سے بڑھ کر ان کا اسلوب جو ہر حال میں روزمرہ اور محاوروں کی خوبیوں سے مرصع زندہ اور رواں دواں رہتا ہے۔ مزید ایک بات یہ ہے کہ بعض غیر مطبوعہ تحریریں بھی اس جلد میں شامل ہیں۔ مقدمے میں پروفیسر خالد محمود صاحب نے ملا رموزی کے بارے میں گراں قدر معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

کلیات کی چوتھی جلد اخبارات میں لکھے گئے کالموں پر مشتمل ہے۔ ظاہر ہے اخبار کے کالم کے اپنے دائرے ہوتے ہیں۔

پروفیسر خالد محمود صاحب کے مقدمے نے کتاب کی اہمیت کو دوچند کر دیا ہے۔

پانچویں جلد میں متن کے اصل صفحات کی تعداد 428 ہے۔

غرض یہ کہ اس جلد میں ملا رموزی طنز و مزاح کے ساتھ ایک شاعر کے روپ میں نظر آتے ہیں۔

پروفیسر خالد محمود کے مرتب کردہ اس کلیات کی ادبی طور سے یہ اہمیت ہے کہ ملا رموزی کی شخصیت اور فن کے بارے میں عام طور سے جو باتیں شہرت رکھتی تھیں اس کا بہت مدلل ثبوت فراہم کرنے کا کام پروفیسر موصوف نے کیا ہے۔

—ثوبان سعید

کلیات ابراھیم یوسف

مرتب: محمد نعمان خان

ابراہیم یوسف (15 مئی 1925، 30 اکتوبر 1999) اردو کے معروف ڈراما نگار، ادیب اور نقاد تھے۔ ان کی تحریروں کو محمد نعمان خان نے چار جلدوں میں یکجا کر دیا ہے جسے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے۔ جلد اول اور جلد دوم میں ابراہیم یوسف کے ڈراموں کو شامل کیا گیا ہے۔

جلد اول میں شروع کے پانچ مجموعوں کے مشمولہ ڈراموں کو شائع کیا گیا ہے جبکہ جلد دوم میں آخری دو مجموعوں کے ڈراموں کو شامل کیا گیا ہے علاوہ ازیں اس جلد میں رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے 23 ایسے ڈراموں کو بھی شامل کیا گیا ہے جو ان کے کسی مجموعے میں نہیں ہیں۔ محمد نعمان خان نے 38 صفحوں کا طویل مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں انھوں نے ابراہیم یوسف کے ڈراموں کے حوالے سے نیز ان کے ڈرامے کی تنقید کے تناظر میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

ان دو جلدوں میں شامل ڈراموں کے مطالعے سے یہ آشکارا ہوتا ہے کہ ابراہیم یوسف نے زندگی، سماج اور حکومت سے متعلق زیادہ تر موضوعات کو اپنے ڈرامے کا حصہ بنایا ہے۔ قومی اور بین الاقوامی مسائل اور حالات، انسانی متعصب ذہنیت کے تناظر میں فسادات، جدید سماجی بے راہ رویوں کے وقوعات، غرض کہ انھوں نے ڈرامے کو ایسا آلہ کار بنایا جس سے صرف سماجی حقیقت نگاری کا ہی کام نہ لیا بلکہ قومی اور بین الاقوامی موشگافیوں کا بھی پردہ فاش کیا۔ ڈرامے کے ذریعے معاشرتی مسائل اور آفاقی حقائق کو جس خوش اسلوبی سے مکالماتی انداز میں پیش کیا جا سکتا ہے افسانہ اور ناول اس کے بہت کم متحمل ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ڈرامے کو عوامی مقبولیت ملی۔ ابراہیم یوسف نے مختلف النوع موضوعات کو بڑے خلوص اور دل سوزی سے ڈرامے کے قالب میں ڈھالا ہے۔ ان کے ڈراموں میں تکنیکی محاسن کے علاوہ زندگی کا گہرا احساس و شعور ہے جو صنف ڈراما کو رفعت و عظمت کے اردو مدارج تک پہنچاتا ہے۔

250 سے زائد ڈراموں کے خالق ابراہیم یوسف کے ڈراموں کو ہر لحاظ سے کامیاب، اثر انگیز اور معیاری کہا جا سکتا ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے ان کے کلیات کو شائع کر کے ایک اہم ترین فریضہ انجام دیا ہے اور موجودہ عہد میں اردو ڈرامے کی گرتی ہوئی ساکھ کو بچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اردو افسانہ اور ناول سے

دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بھی یہ نعمت غیر مترقبہ ہے کیونکہ مجھے تو ابراہیم یوسف کے یہاں موضوعات کی بنت کاری اور ماحول، کردار اور وقوعات کی پیش کش میں افسانہ اور ناول کی بھی آمیزش دکھائی دیتی ہے جو ان کے بیشتر ڈراموں کی تخلیق کا باعث بنی ہے۔

—زیب النساء سعید

کلیات کمار پاشی، جلد اوّل و جلد دوم

مرتب: چندر بھان خیال

کمار پاشی اردو کے جدید شعرا میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ تقسیم وطن کے موقعے پر وہ پاکستان سے ہجرت کر کے اپنے خاندان کے ساتھ دہلی آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ کمار پاشی کی شاعری کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ جدید ہوتے ہوئے بھی ہندوستان کی قدیم تہذیب کی زلف کے اسیر رہے۔ انھوں نے پرانے موسموں کی آواز کو نئے رنگ و آہنگ کی آواز میں پیش کر کے ایک منفرد شناخت قائم کی۔

پیش نظر کتاب اسی شاعر کی کلیات ہے، جس کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے دو جلدوں میں پورے اہتمام کے ساتھ خوب صورت طباعت اور معیاری کاغذ پر طبع کیا ہے۔ ان کی طویل نظم 'ولاس یاترا' یا پھر 'پرانے موسموں کی آواز'، 'خواب تماشا' اور 'انتظار کی رات' جیسی بیشتر تخلیقات پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی ہیں۔

دوسری جلد کے حصہ شاعری میں 'اک موسم مرے دل کے اندر'، 'اردھانگی کے نام' اور 'چاند چراغ' کو شامل کیا گیا ہے۔ اس جلد کی شاعری پر گفتگو میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ کمار پاشی نے اپنی شاعری کی جملہ خصوصیات میں اضافہ ہی کیا ہے۔ اس حصے کا آغاز ایک مناجات سے ہوتا ہے:

اپنی پہچان کھو چکا ہوں / میری بے چہرگی کو چہرہ دے
میری رسوائیوں پہ پردہ رکھ / میری عریانیوں کو کپڑا دے

....

اس کے بعد غزل کا یہ شعر بھی پڑھیے:

دے گا وہ دعائیں بھی کہ سایہ رہے مجھ پر
راہوں میں مگر پیڑ اگانے بھی نہ دے گا

حصہ نثر جو شامل کتاب ہے، اس میں پہلے آسمان کا زوال (کہانیاں) ہیں اور جملوں کی بنیاد یک بابی ڈرامے ہیں۔

—ڈاکٹر منور حسن کمال

کلیات اسعد بدایونی

مرتب: رضوان الرضا رضوان

گذشتہ کافی دنوں سے جدید غزل کی مقبولیت، عدم مقبولیت، لسانی مزاج اور موضوعات، حلقۂ شعر و ادب میں مسلسل موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ تحسین و تنقید اور عمل و ردِ عمل کے اس منظرنامے سے جو فہرست ہمارے سامنے آئی ہے اُس میں اسعد بدایونی کا نام نمایاں ہے جن کی کلیاتِ قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان سے شائع ہوئی ہے۔

اس کلیات میں ''دھوپ کنارہ'' (1977) سے ''جنوں کنارہ'' (1992) نیز 1997 میں ''نئی پرانی غزلیں'' کے عنوان سے دیوناگری رسم الخط میں شائع شدہ کلام بھی شامل ہے۔ آغاز میں پروفیسر اصغر عباس کا تاثراتی مضمون ''آؤ اسعد فسوں ساز کی بات کریں'' کے عنوان سے شامل ہے جو اسعد بدایونی کے علی گڑھ کے زمانے کی یادداشتوں پر رقم کیا گیا ہے۔

کلیات کی ترتیب میں گل رنگیں، جنوں کنارہ اور داستانی غزلیں جیسے عنوانات قائم کر کے کلیات کو موضوعاتی خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اگرچہ زمانی اعتبار سے کی گئی ترتیب میں ایک صورت یہ نکلتی ہے کہ قاری کے لیے شاعر کے ذہنی ارتقا کے مراحل کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے لیکن عام روش سے ہٹ کر موضوعاتی نقوش پر دی گئی یہ ترتیب اس اعتبار سے مستحسن ہے کہ موضوعات کے اعتبار سے الفاظ و تراکیب کا استعمال نیز شاعر کے فکری رویوں کا ایک واضح خاکہ ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔ بہتر ہوتا کہ مرتب اس ترتیب کی وضاحت پیش لفظ میں بھی کر دیتے۔ آغاز میں اسعد بدایونی کے فکر و فن پر چند مضامین کی شمولیت سے کلیات کی قدر و قیمت دو چند ہو سکتی تھی۔

اسعد بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں روایت سے وابستگی بلکہ اس کے لیے ان کی وارفتگی ان کے کلام میں جا بہ جا نظر آتی ہے۔ غالباً اسی نکتے کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترتیب میں عنوانات بھی قائم کیے گئے ہیں۔ یہ شاعری کلاسیکیت سے جدیدیت تک اکثر رنگوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

—نجمہ رحمانی

کلیات آل احمد سرور

مرتب: محی بخش قادری

پروفیسر آل احمد سرور کا شمار اردو کے دیدہ ور نقادوں میں ہوتا ہے۔ لیکن وہ ایک اعلی درجے کے ناقد اور دانشور ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوش فکر شاعر بھی تھے، جس کی گواہی ان کے چار شعری مجموعے بخوبی دے رہے ہیں۔

سرور صاحب کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ شاعری میں انھیں جو مقام ملنا چاہیے وہ نہیں مل پایا۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں: ''اگر کسی شخص کی شہرت ایک میدان میں ہو جاتی ہے تو دوسرے میدان میں اس کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس لیے میرا نام نثر میں چل نکلا تو یار لوگوں نے میری شاعری کو اہمیت نہیں دی۔'' حالانکہ انھوں نے اپنی شاعری کے متعلق صاف طور پر لکھا ہے کہ 'میرے خیال میں، میری شاعری سے میری تنقید کو اور میری تنقید سے میری شاعری کو مدد ملی ہے۔' سرور صاحب شاعری کو ذات سے کائنات تک کا سفر مانتے ہیں اور اسے خوابوں کے ذریعے حقائق کی توسیع کا نام دیا ہے۔ ان سب کے باوجود انھوں نے شاعری سے اپنی دلچسپی کو حسرت کے محبوب سے مثال دی ہے:

نہیں آتی جو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی   مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

کلیات آل احمد سرور (مجموعۂ کلام) ان کے چار شعری مجموعوں پر محیط ہے۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام سلسبیل ان کے عہد شباب کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس مجموعے میں ان کے اس دور کی شاعری کے باوجود وہ نگاہ شوق کی بے تابیوں کو حد سے تجاوز ہونے نہیں دیتے بلکہ شائستگی اور تہذیب کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس مجموعہ کلام کی اکثر نظموں میں انھوں نے فطرت سے اپنی دلچسپی کا ثبوت دیا ہے۔ آل احمد سرور اپنے پہلے مجموعۂ کلام سلسبیل کی تمہید میں لکھتے ہیں 'بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ جب تک شعر سے 'مشاعرے کی چھت' یا بصورت دیگر 'سننے والوں کی نیند نہ اڑ جائے شعر شعر نہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ شعر کی خوبی نہیں، مشاعرہ یا مشاعرے کی چھت کا تصور ہے۔ سنتا ہوں جبریل مشرق نے بال جبریل کے بعد صور اسرافیل

پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ اگر بالِ جبریل سے زندہ بیدار نہیں ہوئے تو صورِ اسرافیل سے مردوں کو بے سروپا، سراسیمہ اور برہنہ کھڑا کرنے سے فائدہ۔'

آل احمد سرور کے شعری نظریات کی بھرپور ترجمانی درج بالا سطروں میں مکمل طور پر ہوجاتی ہے۔ وہ شاعری کو انسان کے ذہن و دماغ کی افزائش اور زندگی میں انقلاب پیدا کرنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ سرور صاحب دوسرے مجموعۂ کلام 'ذوق جنوں' میں، 'میں اور میری شاعری' کے عنوان سے لکھتے ہیں "میں شاعری کو انسانیت کی آواز سمجھتا ہوں، اس آواز کی ضرورت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی ہاں اس کی لے ہر دور میں بدلتی رہی ہے اور ایسا ہونا قدرتی ہے۔"

زیرِ تبصرہ کتاب اردو کے ایک اہم ناقد کے مجموعۂ کلام کی کلیات ہے۔ اس کلیات میں سرور صاحب کی شاعری سے متعلق رائے نیز اپنی شاعری کے متعلق وہ کیا سوچتے تھے واضح ہوجاتا ہے۔ مجی بخش قادری نے بڑی محنت اور لگن سے اس کلیات کو مرتب کیا ہے۔

—— ڈاکٹر محمد ہادی رہبر

کلیات راجندر سنگھ بیدی (جلد دوم)

مرتب: وارث علوی

وارث علوی ہمارے عہد کے اہم ناقد ہیں۔ وہ عالمی ادب کی اچھی بصیرت اور اردو فکشن پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ عمرِ عزیز اردو نقد و ادب کے لیے وقف کرنے کے باوجود انھوں نے نہ تو کوئی ادبی گروہ بنایا اور نہ اس نوع کے کسی گروہ سے وابستہ ہوئے۔

زیرِ تبصرہ کتاب "کلیات راجندر سنگھ بیدی" (جلد دوم) اپنے موضوع کے اعتبار سے تحقیق و ترتیب کے زمرے میں آتی ہے لیکن یہ ترتیب کی منزل سے آگے نہیں بڑھ پائی۔ خدا جانے ہمارے اہم ناقد کو یہ تحقیقی کام کس مجبوری کے تحت اپنے ذمے لینا پڑا، کہ اپنی حتمی شکل میں نہ تو یہ کتاب تحقیق کے اصولوں پر پوری اترتی ہے اور نہ ہی صاحب کتاب بطور محقق کامیاب ہوسکے ہیں۔ اگرچہ اس کتاب کی ترتیب مستند ہے پھر بھی عام قاری کے لیے کتاب کے مطالعے سے ترتیب/تحریر کے استناد پر یقین کرنا مشکل ہے کہ بیدی کی بعض تحریروں کے بارے میں یہ علم نہیں ہوتا کہ یہ کب اور کہاں شائع ہوئیں۔ اور نہ بعض خطبے کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ یہ کس جلسے یا تقریب میں دیے گئے ہیں۔ وارث علوی صاحب نے بیدی کی بیشتر تحریروں سے متعلق پروفیسر شمس الحق عثمانی کی ایک کتاب "باقیات بیدی" پر اعتماد و اکتفا کیا ہے، کہیں اور کچھ بھی تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔

کلیات راجندر سنگھ بیدی کی یہ دوسری جلد بیدی کے ناولٹ، ڈرامے، مضامین اور خطوط پر مشتمل ہے۔ ناولٹ، ایک چادر میلی سی" پر وارث علوی کا تعارفی مضمون عمدہ ہے جو اس ناولٹ اور بیدی کے فن کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس کلیات میں بیدی کے ڈراموں کی دونوں کتابیں "بے جان چیزیں" اور "سات کھیل" شامل ہیں جن کے ڈراموں کی مجموعی تعداد گیارہ ہے۔ بقول وارث علوی، بیدی سیدھی سادی کہانی پر شاہکار افسانے لکھتے ہیں لیکن سیدھے سادے پلاٹ کو پُرتجسس اور پُرتکلف ڈرامے میں نہیں بدل سکتے۔" لیکن سچ تو یہ ہے کہ بیدی کے کئی ڈرامے بے حد اچھے ہیں۔ "رخشندہ" بیدی کا علامتی ڈراما ہے، "آج" اور "روح انسانی" سیاسی نوعیت کے ڈرامے ہیں، اور "چانکیہ" اور "خواجہ سرا" کے پس منظر تاریخی ہیں۔ "چانکیہ" میں ہندی شیلی اپنے شباب پر ہے تو خواجہ سرا میں مفرس اردو کی رنگینی اور شیرینی قابلِ داد ہے۔ "کار کی شادی" اور "ایک عورت کی نہ" ظرافت کی چاشنی سے پُر سیدھے سادے گھریلو ڈرامے ہیں۔ "تُلچھٹ" کے بارے میں مظفر علی سید کا خیال ہے کہ "یہ ڈراما ایک روسی کہانی پر مبنی ہے اور موضوع کو دیسی بنانے کی شدید کوشش کے باوجود ڈراما بدیسی ہی رہتا ہے۔" "نقل مکانی" بیدی کا مشہور اور بہترین ڈراما ہے، جس پر خود بیدی نے 1970 میں "دستک" کے نام سے ایک فلم بنائی تھی جسے متعدد ملکی اور غیر ملکی ایوارڈ حاصل ہوئے تھے۔ "بے جان چیزیں" وارث علوی کے مطابق "کافی بے جان ڈراما ہے۔"

کلیات میں شامل بیدی کے مضامین کی تعداد انتیس ہے جن میں سوانحی اور صحافتی نوعیت کے مضامین ہیں، انشائیے ہیں، خاکے ہیں، اجلاس میں پڑھے گئے خطبے ہیں، اپنی اور دوسروں کی کتابوں پر لکھے گئے دیباچے، اور پیش لفظ ہیں اور بعض تبصراتی، تاثراتی اور تنقیدی مضامین ہیں۔ وارث علوی صاحب نے بیدی کی صرف ان تحریروں کے آخر میں زمانۂ اشاعت لکھا ہے جو پروفیسر شمس الحق عثمانی کی مرتب کردہ کتاب "باقیات بیدی" سے انھوں نے لی ہیں بقیہ تحریروں سے متعلق —— جن میں بیدی کے بعض اہم مضامین شامل ہیں —— انھوں نے کسی طرح کی معلومات حاصل کرنے یا قارئین کو فراہم کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔

جن تحریروں کا زمانۂ اشاعت اور جس اخبار یا رسالے میں یہ تحریریں شائع ہوئیں ان کے نام نہیں لکھے گئے یہ ہیں:

چلتے پھرتے چہرے، بیوی یا بیماری، باقر مہدی کے تعلق سے، خواجہ احمد عباس، گیتا (بالی)، فلم بنانا کھیل نہیں، آئینے کے سامنے، مہمان، ترک غمزہ زن، ہاتھ ہمارے قلم ہوئے۔

بیدی کے مضامین کی فہرست میں "علی گڑھ میں خطاب" کے عنوان سے ایک مضمون ہے جسے شمس الحق عثمانی نے بیدی کا مضمون قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب "باقیات بیدی" میں شامل کیا ہے۔ واضح ہو کہ اسی تحریر کا عنوان عثمانی صاحب کا قائم کیا ہوا ہے۔ جناب وارث علوی نے بھی عثمانی صاحب کا اتباع کرتے ہوئے اسے کلیات میں اسی عنوان سے جگہ دی ہے۔ تقریباً ڈھائی صفحے کی یہ تحریر دراصل ایک اخباری رپورٹ ہے جو ہفتہ وار "ہماری زبان" علی گڑھ کے 8 مارچ 1966 کی اشاعت میں شائع ہوئی تھی۔ یہ بیدی کا لکھا ہوا مضمون نہیں، زبانی اور فی البدیہہ تقریر ہے بلکہ گفتگو کہنا زیادہ صحیح ہوگا، جسے اخباری نمائندے نے رپورٹ کی صورت میں شائع کیا تھا۔

خطوط والے حصے میں اکتیس خط شامل ہیں یہ تمام خطوط وہ ہیں جو پروفیسر قمر رئیس کے رسالے "عصری آگہی" کے راجندر سنگھ بیدی نمبر، میں شائع ہوئے تھے۔ وارث علوی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ تمام خطوط بیدی نے اشک کے نام لکھے تھے، ص-8۔ جب کہ اس میں ایک خط اپندر ناتھ اشک کی بیوی کوشلیا کے نام ہے اور ایک خط اپندر ناتھ اور کوشلیا کے نام مشترک ہے۔ علوی صاحب "عرض مرتب" میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ "بیدی کے کل خطوط کی کائنات یہی ہے۔ ممکن ہے انھوں نے دوسرے لوگوں کو بھی خطوط لکھے ہوں۔ لیکن تا حال انھیں جمع کرنے اور طبع کرنے کا کسی کو خیال نہیں آیا۔" بلاشبہ بیدی نے اشک کے علاوہ اور لوگوں کو بھی خط لکھے ہیں، معلوم نہیں انھیں یکجا کیوں نہیں کیا گیا، مشاہیر سے تو یہ بآسانی حاصل کیے جاسکتے تھے۔

—— ابوبکر عباد

مونوگراف

غواصی

مصنف: سیدہ جعفر

اس مونوگراف کے پہلے باب میں غواصی کی شخصیت اور سوانح سے متعلق ان تمام گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے جن کی وجہ سے غواصی اردو ادب، خاص طور سے دکنی ادب میں اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی غواصی کے ہم عصروں کی مختصر مگر کارآمد معلومات بھی شامل ہے۔

دوسرے باب میں غواصی کی شعری کاوشوں کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور ان کے کلام کی خوبیوں اور خامیوں پر ایک محققانہ اور ناقدانہ تجزیہ پیش کیا گیا۔

تیسرے باب میں مجموعی طور سے ان کے کلام کا ایک عمومی جائزہ لیا گیا ہے جس میں ان کی مثنویاں مینوستونتی، سیف الملوک و بدیع الجمال، طوطی نامہ اور غواصی کی غزلوں، قصائد، رباعی وغیرہ پر بڑی عالمانہ اور بصیرت افروز باتیں کی گئی ہیں۔

اس مختصر سے مونوگراف میں غواصی کی تمام خدمات کا مفصل جائزہ ممکن نہیں تھا لیکن اس کے باوجود مصنفہ تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنے میں کامیاب رہی ہیں اور انھوں نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی پہلو اچھوتا نہ رہ جائے۔

آخر میں غواصی کی مثنویوں، قصائد، غزل اور رباعی وغیرہ کے اشعار بطور نمونہ پیش کیے۔ ان اشعار کا اگر تجزیہ وتعارف پیش کیا جاتا تو معلومات میں مزید اضافہ ہوتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اس کے باوجود مونوگراف کی معنویت اپنی جگہ مسلم ہے جسے اردو ادب میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔

محترمہ نے بڑی محنت ولگن سے غواصی کا سوانحی خاکہ اور ان کی خدمات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ انھوں نے گیان چند جین کے اشتراک سے 'تاریخ ادب اردو' ابتدا سے 1700 تک بھی لکھی ہے جسے قومی اردو کونسل نے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ من سمجھاون، یوسف زلیخا، تنقید اور انداز نظر اور فراق گورکھپوری وغیرہ پر ان کی ترتیب وتصنیف منظر عام پر آچکی ہیں۔ سیدہ جعفر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد اور سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد میں پروفیسر اور صدر شعبہ کے فرائض بھی انجام دے چکی ہیں۔ وہ ایک وسیع المطالعہ اور صاحب اسلوب ادیبہ تھیں۔

——ارشاد قمر

سراج اورنگ آبادی

مصنف: ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط

سراج اورنگ آبادی اردو کے بڑے شاعروں میں سے ایک ہیں۔ ان کی پیدائش 1715 میں ہوئی اور ان کا انتقال 1763 میں ہوا۔ انھوں نے چند سالوں تک شاعری کی اس کے بعد شاعری ترک کر کے درویشانہ زندگی اختیار کرلی۔ یوں تو انھوں نے غزل، مثنوی، قصیدہ اور رباعی وغیرہ میں طبع آزمائی۔ مگر انھیں غزل اور مثنوی کی وجہ سے شہرت ملی۔

زیر نظر مونوگراف 'سراج اورنگ آبادی' اردو ادب کے ایک اہم ناقد ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے مرتب کیا ہے۔ یہ مختصری کتاب سراج اورنگ آبادی کی شخصیت اور شاعری پر سیر حاصل گفتگو کرتی ہے۔

کتاب کے پہلے باب میں مصنف نے سراج کی سوانح حیات پر اطمینان بخش گفتگو کی ہے۔ اس میں نہ صرف اس دور کا سماجی وسیاسی پس منظر بیان کیا ہے بلکہ سراج کی پیدائش سے وفات تک کا تذکرہ ملتا ہے۔ جہاں سراج کے مریدوں وشاگردوں کا ذکر کیا ہے وہیں انھوں نے ان کے معاصرین کا تذکرہ بھی عمدگی کے ساتھ کیا ہے۔

کتاب کا دوسرا مضمون سراج کے فن کے لیے مخصوص ہے۔ یہاں مصنف نے تفصیل سے بتایا ہے کہ سراج نے اپنا ادبی سفر کس طرح طے کیا۔ یہاں سراج کے مکتوبات، مثنویات اور قصیدہ، حمد ونعت وغیرہ کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی مشہور مثنوی 'بوستانِ خیال' کا تذکرہ چار صفحات میں کیا گیا ہے۔ 1160 اشعار پر مشتمل اس مثنوی پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط لکھتے ہیں: ''یہ مثنوی اپنے مخصوص انداز کی وجہ سے دکنی مثنویوں میں منفرد ہے اور شمال میں اس ڈھنگ اور انداز کی کوئی دوسری مثنوی نہیں۔ (صفحہ: 35)''

کتاب کا تیسرا مضمون نہ صرف تنقیدی ہے بلکہ تجزیاتی بھی ہے اس ضمن میں ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط لکھتے ہیں: ''میں نے اپنے ذوقِ سلیم سے سراج کے تمام کلام کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے جس کا تنقیدی محاکمہ اس باب میں ہو چکا ہے۔ اس طرح یہ انتخاب گویا سراج کی شاعری کے تمام اوصاف کا نمائندہ بھی ہے اور میری شعری دلچسپیوں نیز میرے شعری تنقیدی رجحان کا عکاس بھی ہے۔ اس انتخاب میں کلیات کی تمام ردیفوں کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ہر ردیف کی کم از کم دو غزلوں کے منتخب اشعار شامل کیے گئے ہیں۔ (صفحہ: 91)''

کتاب کا آخری حصہ سراج کے منتخب کلام کے لیے مختص ہے جس کے اندر ہمیں عشق

مجازی کے ساتھ عشق حقیقی کی جھلک بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔ غزلوں کے علاوہ یہاں حمد و مناجات اور مثنوی بوستانِ خیال کا ایک مختصر سا حصہ بھی اس انتخاب میں رکھا گیا ہے۔

—شاہ عمران حسن

شیخ محمد ابراہیم ذوق

مصنف : کوثر مظہری

اس مونوگراف کو بنیادی طور پر چار ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔ شخصی و سوانحی پس منظر، تنقیدی محاکمہ، دیگر اصناف سخن: رباعیات وقطعات اور انتخاب کلام کے حوالے سے ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ ذاتی کوائف میں بنیادی وثانوی دونوں حوالے سے ان کی ذاتی زندگی، ان کے شاگرد، ان کے معاصرین، ان کی تعلیم وتربیت، مشق سخن، دربار شاہی سے ربط کا تذکرہ بہت ہی مدلل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں اس مشہور قصیدے کا بھی تذکرہ ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ذوق نے بہادر شاہ ظفر کی تاج پوشی کے موقعے پر لکھا تھا اور اس کی بنا پر انھیں 'ملک الشعرا' کے خطاب سے نوزا گیا تھا۔

اس مونوگراف میں 'آب حیات' کے حوالے سے لکھا ہے کہ ذوق بہت ہی نرم دل اور خدا ترس انسان تھے۔ نرم مزاجی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے کبھی کوئی جانور ذبح نہیں کیا۔ اس میں ذوق کی عبادت و ریاضت، خدا ترسی اور توکل کا ذکر بھی صداقت کے ساتھ کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں ان کی شاعری کا تنقیدی محاکمہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں ان کی غزل گوئی اور قصیدہ گوئی پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تنقیدی محاکمے کے عنوان سے ذوق کی غزلوں کا تذکرہ بھی ہے، لیکن ان کے اعتبار سے اگر غور کیا جائے تو انھیں آسمان ادب پر قصیدہ گوئی کا ایک درخشندہ ستارہ کہا جا سکتا ہے۔ ذوق کی غزلوں میں اس دور کے مروجہ موضوعات دکھائی دیتے ہیں نیز کوئی اجتہادی رویہ نظر نہیں آتا۔ عشق ومحبت، جنون، موسم گل، موسم خزاں، گل وبلبل، غنچہ وگل، ساقی و رند، جام وسبو، شب فراق، آہ وفغاں، ہجر و وصال، بے ثباتی عالم اور دنیا سے بے رغبتی کا ذکر جا بہ جا ملتا ہے۔

اس مونوگراف کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس میں محققانہ رویہ اپنایا گیا ہے اور بہت ہی مدلل انداز میں ذوق کی شخصیت اور فن کا محاکمہ کیا گیا ہے جو مصنف کی فنی و فکری پختگی اور بصیرت کی ترجمانی کرتا ہے۔

یہ اردو کی کلاسیکی شاعری کی روایات کو زندہ رکھنے کی طرف اٹھایا گیا ایک قابل تقلید قدم ہے۔

— صبیحہ ناہید

میر غلام حسن دہلوی

مصنف: قاضی عبیدالرحمن ہاشمی

قاضی صاحب نے 128 صفحات پر مشتمل میر حسن پر مونوگراف بڑی وضاحت سے تحریر کیا ہے اور میر حسن کے عہد و پیدائش کے ساتھ ساتھ ان کی شاعرانہ خوبی کو بیان کیا ہے۔ پہلا عنوان 'شخصی و سوانحی پس منظر' شروع ہوتا ہے۔ اس عنوان کے تحت قاضی صاحب نے بارہ صفحات رقم کیے ہیں۔ مذکورہ بارہ صفحات چار ضمنی عنوانات پر مشتمل ہیں۔ نمبر ایک: ولادت، رحلت، سکونت، حسب نسب، تعلیم وتربیت، شخصیت، مشاغل، نمبر دو: دہلی سے ہجرت، نمبر تین: میر حسن کے معاشقے، نمبر چار: عہد—سیاسی، سماجی وتہذیبی ماحول۔

قاضی صاحب نے ہر عنوان کے تحت تحقیق شدہ تحریر رقم کی ہے نیز میر حسن کا کلام بھی درج کیا ہے۔ دوسرا عنوان 'ادبی وتخلیقی سفر' ہے۔ یہ عنوان چودہ صفحات پر مشتمل ہے جس کے آٹھ ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ نمبر ایک: ادبی منظرنامہ، نمبر دو: ہمعصر شعرا، نمبر تین: شاعری کا آغاز، نمبر چار: دلچسپی کی شعری اصناف، نمبر پانچ: غزلیں، نمبر چھ: قصائد، نمبر سات: مراثی، نمبر آٹھ: رباعی۔ درج بالا ذیلی عنوانات پر مختصر تحریر کے ساتھ میر حسن کا کلام بطور نمونہ نقل ہے۔

تیسرا عنوان 'تنقیدی محاکمہ' ہے۔ یہ بحث 64 صفحات میں مکمل ہوئی ہے۔ جو پورے مونوگراف کا ماحصل ہے۔ 'تنقیدی محاکمہ' کے ضمن میں قاضی صاحب نے میر حسن کی مثنویوں، غزلوں اور ان کی تصنیف 'تذکرہ شعرائے اردو' کا تجزیہ کیا ہے۔ مثنویوں پر 23 صفحات رقم کیے گئے ہیں۔ حسب ضرورت نمونہ کلام درج ہے۔ تین ذیلی عنوانات: کردار نگاری، جذبات نگاری اور منظر نگاری پر بحث کی تکمیل ہوئی ہے۔ ضمناً نمونہ کلام بھی نقل کیا گیا ہے۔

مثنوی کے بعد 22 صفحات پر مشتمل 'منتخب غزلوں کا تنقیدی و تجزیاتی محاکمہ' پیش کیا گیا ہے۔ قاضی صاحب نے اس عنوان کے تحت منتخب کلام میر حسن کا فنی تجزیہ اور ان کی غزلوں کے حسن وقبح پر روشنی ڈالی ہے نیز پسندیدہ اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ اس عنوان کی تکمیل کے بعد میر حسن کی تصنیف 'تذکرہ شعرائے اردو' کا مختصر مگر جامع تعارف دو صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ جس میں میر حسن نے 304 شعرا کے کلام کا جائزہ لیا ہے۔

مونوگراف کی فہرست کا آخری عنوان 'انتخاب کلام' ہے۔ جس کے تحت قاضی صاحب نے چودہ پسندیدہ غزلیں میر حسن کے کلام سے منتخب کی ہیں۔ بعد ازاں مثنویات سے تین مثنویوں سے انتخاب نقل کیا گیا ہے۔ غزلوں کے انتخاب کی تکمیل دس صفحات میں ہوتی ہے جبکہ مثنویوں کا انتخاب 25 صفحات میں مکمل ہوتا ہے۔ 128 صفحات پر مشتمل ہمارے قدیم شاعر میر حسن دہلوی پر مونوگراف میر حسن کی ذات وصفات کا ایسا مرقع ہے جو کم وقت میں ڈھیر ساری واقفیت بہم پہنچاتا ہے۔

—فردوس بانو فلاحی

محمد حسین آزاد

مصنف: ابوالکلام قاسمی

قاسمی صاحب کے مجوزہ دس عنوانات کے تحت سات ذیلی عناوین ہیں: (1) نسلی وراثت (2) آزاد کی ولادت کا زمانہ (3) تعلیم وتعلم (4) شیخ ابراہیم ذوق سے شرف تلمذ (5) مولوی محمد باقر کی سزائے موت (6) غریب الوطنی اور بے سروسامانی کے شب وروز (7) تصنیفی سرگرمیوں کا باقاعدہ آغاز۔

دوسرا عنوان 'انجمن پنجاب اور جدید نظم کی سرگرمیاں' ہے۔ اس میں انجمن پنجاب اور جدید نظم کے اسباب ومحرکات، نظموں کے موضوعات نیز مناظمے ومشاعرے کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ انگریزی حکام سے آزاد کے اختلافات اور اختلافات کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیسرا عنوان 'آزاد کا سفر ایران' ہے۔ ایران کے سفر کے ارادے وتیاری میں آزاد کو جن مشکلات و پریشانیوں کا سامنا ہوا اور سفر کی اجازت میں جو دقت پیش آئی، قاسمی صاحب نے اس کی وضاحت کی ہے۔

چوتھا عنوان 'محمد حسین آزاد: عالم جنون میں' ہے۔ عالم جنون میں آزاد کے علم وکمال اور مشاہیر سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ پانچواں عنوان 'تصنیفات وتالیفات' ہے۔ شروع کے تین صفحات میں محمد حسین آزاد کی مطبوعہ کتابوں کا تعارف ہے اس کے بعد ان کی چالیس کتابوں کی فہرست ہے اس کے علاوہ علاحدہ پانچ غیر مطبوعہ کتابوں کے مسودات کی فہرست ہے۔

چھٹا موضوع 'زندگی کے آخری ایام اور وفات' ہے۔ اس میں مختصراً حالات درج

کیے گئے ہیں۔ وفات اور تدفین پر گفتگو کی گئی ہے۔ سوگوار شہر لاہور اور اس کے مکینوں کی دلی کیفیات اور جنازے کا تذکرہ ہے۔ آخر میں آزاد پر لکھے گئے حالی کا مرثیہ جو قطعۂ تاریخ ہے رقم ہوا ہے۔ نیز اس کی عظمت واہمیت پر قاسمی صاحب کی دو سطر میں توضیحی تحریر ہے۔ ساتواں موضوع 'محمد حسین آزاد اور روایتی اردو شعریات' ہے۔ قاسمی صاحب کی یہ گفتگو 13 صفحات میں مکمل ہوتی ہے۔ اردو کی روایتی شاعری پر آزاد کے تصورات پر تحریریں ہیں اور ان کی تصانیف سے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔ خاص طور پر آب حیات، نگارستانِ فارس اور سخن دان فارس سے اقتباسات لیے گئے ہیں۔ قاسمی صاحب کی تنقیدی نظر نے آزاد کی تصانیف کے اقتباسات کے علاوہ ان کے لکچر 'نظم اور کلام موزوں کے باب میں خیالات' سے چند معنی خیز اقتباسات کا انتخاب کیا ہے، جن سے شعر، شاعر اور تخلیقات پر آزاد کے تنقیدی نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے۔ آزاد کے لکچر کو زمانی اعتبار سے تقدم حاصل ہے۔ پروفیسر ابوالکلام قاسمی صاحب آزاد کے مذکورہ لکچر کو نظم جدید کی تحریک کا منشور اور پیش خیمہ بھی قرار دیتے ہیں۔

آٹھواں موضوع 'اردو تنقید، محمد حسین آزاد اور نوآبادیاتی مضمرات' ہے جس میں قاسمی صاحب نے محمد حسین آزاد کی بحیثیت نقاد اور ان کی تنقید نگاری پر بحث کی ہے اور جابہ جا ان کی تحریروں سے اقتباسات نقل کیے ہیں اور مشرقی ومغربی تصورات شعر کی وضاحت کرتے ہوئے ان کی شعریات سے آزاد پر اثرات اور اسالیب اظہار پر روشنی ڈالی ہے۔ نواں عنوان 'محمد حسین آزاد کی نمائندہ کتابوں کا تعارف' ہے۔ اس کے بعد آزاد کی چھ نمائندہ کتابوں پر تبصرہ ہے۔ 1: آب حیات، 2: نیرنگ خیال، 3: سخن دان فارس، 4: دربار اکبری، 5: دیوان ذوق، 6: نظم آزاد۔ آخری دسواں موضوع 'آزاد کی نمائندہ کتابوں کے منتخب اقتباسات' ہے۔ اس موضوع کے تحت چار کتابوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔

1: آب حیات، 2: نیرنگ خیال، 3: سخن دان فارس، 4: دربار اکبری۔ مذکورہ چاروں کتابوں سے منتخب اقتباسات تقریباً 12 صفحات میں ہیں۔

—فردوس بانو فلاحی

جگت موہن لال رواں

مصنف: صغیر افراہیم

اردو ادب میں جگت موہن لال رواں کی بنیادی شناخت ایک شاعر کی ہے۔ انھوں نے افسانے بھی لکھے اور ڈراما نگاری کے میدان میں طبع آزمائی بھی کی لیکن ان کا اصل میدان شاعری ہی ٹھہرا۔ رواں نے اردو شاعری میں صرف غزلیں کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ نظمیں، رباعی، قطعات اور مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ صغیر افراہیم صاحب نے رواں کی شخصیت اور ان کے فن پر نظر التفات نہ ہونے کی وجہ ادب میں گروہ بندی کا پایا جانا بتایا ہے۔

کتاب کا پہلا باب شخصیت اور سوانح سے متعلق ہے۔ مصنف کتاب نے رواں پر قلم اٹھاتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ ان کی زندگی اور فن کے تمام پہلو قارئین کی نظروں کے سامنے آجائیں۔ انھوں نے سوانحی حالات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

مصنف کتاب نے سوانحی حالات لکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے فن پر بھی مفصل اظہار خیال کیا ہے۔ کتاب کا دوسرا باب 'رواں بحیثیت شاعر' کے عنوان سے ہے۔ اس عنوان کے تحت نظم نگار، غزل گو، رباعی گو، قطعہ نگار اور مثنوی نگار کی حیثیت سے رواں کے فن کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مصنف کتاب نے 'نظم نگار' کا ذیلی عنوان قائم کر کے رواں کی چند اہم نظموں کا تجزیہ بھی پیش کیا ہے جن میں 'الوداع'، 'سرود عشق'، 'معمائے فطرت'، 'تجلی'، 'شاعری'، 'لاوارث بچہ'، 'شوہر کُش حسینہ'، 'ویراں قصر شاہی اور ہم'، 'معجزۂ انتظار' اور 'خدا خیر کرے' اہم ہیں۔

اسی طرح مصنف نے بحیثیت افسانہ نگار اور ڈراما نگار بھی ان کے فن پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ کتاب کی ابتدا میں مصنف نے رواں کا شجرۂ نسب بھی شامل کتاب کیا ہے۔ اخیر میں ان کا منتخب کلام، ان کی نظمیں، رباعیات، قطعات اور غزلوں کے ساتھ ساتھ ان کی نثری تحریروں کے چند نمونے بھی کتاب میں شامل کیے ہیں۔

مختصر لفظوں میں اتنا کہنا چاہوں گا کہ صغیر افراہیم نے جگت موہن لال رواں کی شخصیت اور ان کے فن پر یہ مونوگراف تحریر کر کے قارئین کو ایک اچھی کتاب کا تحفہ دیا ہے۔ کتاب میں موجود مواد مصنف کی محنت اور ان کے وسعت مطالعہ کی دلیل ہے۔

—ثاقب عمران

غلام رسول نازکی

مصنف: قدوس جاوید

ریاست جموں وکشمیر میں اردو ادب کے بنیاد گذاروں میں جو چند نام لیے جاتے ہیں ان میں میر غلام رسول نازکی کا نام نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ نازکی صاحب بیک وقت شاعر، نثر نگار، صحافی، براڈ کاسٹر اور ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی ادبی خدمات کا ذخیرہ اتنا وسیع ہے کہ اسے یکجا کیا جائے تو ہزاروں صفحات درکار ہوں گے، خوش آئند بات ہے کہ قدوس جاوید نے ایجاز واختصار سے ان کی ادبی خدمات کا جائزہ لیا ہے اور انھیں اپنی تحقیق کے دائرے میں لانے کی کوشش کی ہے۔

زیر نظر مونوگراف پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں میر غلام رسول نازکی کے حالات زندگی اور ان کی شخصیت کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جس میں نازکی صاحب کے خاندان، آباو اجداد، پیدائش، پرورش، تعلیم اور ملازمت، سفر محمود، ان کی ازدواجی زندگی، دین ومذہب اور سفر آخرت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا باب میر غلام رسول نازکی کی شاعری پر محیط ہے جس میں مصنف نے نازکی صاحب کے فکر وفن کو تنقیدی وتجزیاتی نقطۂ نظر سے اشعار کا حوالہ دے کر اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ان کی شاعری میں حسن خیال کے ساتھ ساتھ حسن بیان بھی ہے۔ غزل کے علاوہ مصنف نے نازکی صاحب کی رباعیات وقطعات کو بھی بحث کا موضوع بنایا ہے اور بالخصوص ان اشعار کو پیش نظر رکھا ہے جو کشمیری عوام کو اجتماعی لاشعور اور آرکی ٹائپس Archetype کی گہرائیوں میں لے جاتے ہیں۔ نازکی صاحب کی ادبی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اردو اور کشمیری زبان کے مقتدر نعت گو ہیں۔ قدوس جاوید نے اس پہلو پر خصوصی توجہ صرف کی ہے اور ایسی تشبیہات واستعارات کو سامنے لائے ہیں جن سے قرآنی آیات اور احادیث اور خلفائے راشدین کے اعمال وکردار کی روشنی چھن چھن کر باہر آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

تیسرا باب میر غلام رسول نازکی کی نثری خدمات پر مشتمل ہے۔ نازکی صاحب کی نثری کاوشیں کئی پہلو پر محیط ہیں۔ سیاسی، سماجی، دینی، ادبی وتنقیدی نثر کے ساتھ ساتھ سنجیدہ تحریروں کا بھی ایک قابل قدر ذخیرہ ان کے قلم سے نکلا ہے۔ معلوماتی، پر مغز اور بے عیب نثر لکھنے میں وہ اپنے معاصرین کے صف اول میں جگہ پاتے ہیں۔ مصنف نے نازکی کی نثری خصوصیات پر ایجاز واختصار سے روشنی ڈالی ہے اور ان کی نثر نگاری میں فصاحت وبلاغت، زور بیان اور معیار ومزاج کا پتہ لگانے کے لیے اقتباسات کا سہارا لیا ہے۔

چوتھا باب انتخاب نظم ہے جس میں مصنف نے نازکی صاحب کی مشہور و معروف شعری تخلیقات کا انتخاب کیا ہے۔ پانچواں باب انتخاب نثر ہے جس میں دو مضامین 'اسلام اور مشترکہ قومیت کا تصور' اور 'خواجہ غلام السیدین' کو بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

بحیثیت مجموعی قدوس جاوید نے اپنی تحقیقی و تنقیدی بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے میر غلام رسول نازکی کی ادبی خدمات کا مکمل احاطہ کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔

—— طاہر محمود ڈار

ملا رموزی

مصنف: محمد نعمان خاں

ملا رموزی (پ 21 مئی 1896 – 10 جنوری 1952) پر یہ مونوگراف پروفیسر محمد نعمان خاں نے لکھا ہے۔ 128 صفحات پر مشتمل اس مونوگراف میں پیش لفظ، ابتدائیہ، شخصیت اور سوانح، ادبی اور تخلیقی سفر، تصنیفات و تالیفات کے مشمولات کا جائزہ، تنقیدی محاکمہ اور مصنف کی تحریروں کا جامع انتخاب شامل ہیں۔

کتاب کا پہلا باب 'شخصیت اور سوانح' کئی ضمنی عنوانات مثلاً شخصیت، اساتذہ اور احباب، مشاغل، اسفار، شہرت اور مقبولیت اور وفات میں منقسم ہے۔ اس باب میں محمد نعمان خاں نے ملا رموزی کی زندگی سے متعلق تمام گوشوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے اور ان کی پیدائش، خاندان، شادی، اولاد، معاشی حالات، ادبی زندگی کا آغاز، مقبولیت، ادبی سلسلے میں کیے گئے اسفار، وفات اور وفات کے بعد ملک کے اخبارات اور رسائل میں شائع ہونے والی خبروں اور ان کی وفات پر لکھی جانے والی تحریروں اور نظموں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔

مونوگراف کا دوسرا حصہ 'ادبی اور تخلیقی سفر، تصنیفات و تالیفات کے مشمولات کا جائزہ' ملا رموزی کی ادبی زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ ملا رموزی نے 1917 میں باقاعدہ طور پر اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ جلد ہی ان کے مضامین اور کالم ہندوستان کے تمام اہم اخبارات اور رسائل میں شائع ہونے لگے۔ ملا رموزی نے مختلف موضوعات پر 50 سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں اور متعدد مضامین، کالم، منظومات، غزلیات، خطوط، تبصرے اور تجزیے تحریر کیے ہیں۔ ان کتابوں اور تحریروں میں بعض کتابیں اور تحریریں اب دستیاب نہیں ہیں۔ ملا رموزی کی دستیاب کتابوں اور تحریروں کو پروفیسر خالد محمود نے 'کلیات ملا رموزی' کے نام سے پانچ جلدوں میں مع مقدمے شائع کیا ہے۔ مونوگراف میں محمد نعمان خاں نے ملا رموزی کی تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں، مضامین اور دیگر تحریروں اور دستیاب اور غیر دستیاب تحریروں کی فہرست مرتب کی ہے۔ اس کے علاوہ ملا رموزی کے مضامین، کالم، نظمیں، غزلیں اور دیگر تحریریں جو اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئی تھیں ان کی بھی تفصیل پیش کی ہے۔

محمد نعمان خاں نے ملا رموزی کی تحریر کردہ چند اہم دستیاب کتب کا تعارف بھی پیش کیا ہے۔ ان کتابوں کے نام درج ذیل ہیں: مقالات گلابی اردو، خواتین انگورہ، سوانح ملا رموزی، نکات ملا رموزی حصہ اول، نکات ملا رموزی حصہ دوم و سوم، صبح لطافت، شادی عورت ذات، لاٹھی اور بھینس، شفاخانہ، زندگی، انتخاب گلابی اردو، خطوط رموزی، جنگ، مشاہیر بھوپال، گلابی شاعری، نظریات غزل، اور ملا رموزی۔

مونوگراف کا تیسرا حصہ 'تنقیدی محاکمہ' ہے جس میں محمد نعمان خاں نے ملا رموزی کے فن کے تمام نمایاں اوصاف کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ملا رموزی کے یہاں طنز و مزاح، مشاہدے کی گہرائی، معلومات کی وسعت، جزئیات نگاری، صاف گوئی، ذہانت، اظہار بیان کی قدرت اور جرأت رندانہ پائی جاتی ہے۔ مونوگراف کے آخر میں ملا رموزی کی تحریروں کا جامع انتخاب ہے جس میں محمد نعمان خاں نے ملا رموزی کی نثر اور نظم کا انتخاب پیش کیا ہے۔ یہ انتخاب 40 صفحات پر مشتمل ہے۔ مونوگراف مختصر اور جامع ہے اور ملا رموزی کی شخصی اور مکمل ادبی زندگی ہے۔

—— کوثر جہاں

آغا حشر کاشمیری

مصنف: یعقوب یاور

پروفیسر یعقوب یاور نے 132 صفحات پر مشتمل آغا حشر کاشمیری مونوگراف بڑی وضاحت سے تحریر کیا ہے اور آغا حشر کاشمیری کے عہد و پیدائش کے ساتھ ساتھ ان کی ڈراما نویسی اور شاعرانہ خوبیوں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ 'ابتدائیہ' کے عنوان سے یعقوب یاور کا مضمون بھی قابل ذکر ہے جس میں انھوں نے ڈراما نگاری کی تاریخ و روایت پر مختصر اروشنی ڈالتے ہوئے اس کا سلسلہ آغا حشر کاشمیری کی ڈراما نگاری پر ختم کیا ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ آغا حشر کاشمیری کی حیات و شخصیت پر مبنی ہے جس میں مصنف نے بڑی تفصیل سے آغا حشر کاشمیری کی زندگی کے کوائف اور اہم واقعات قلم بند کیے ہیں۔

کتاب کا دوسرا باب 'آغا حشر کاشمیری کی ڈراما نگاری' کے عنوان سے ہے جس میں ابتدا کے دو تین صفحات میں مصنف نے ایجاز و اختصار کے ساتھ آغا حشر کاشمیری کے ادبی معیار و مرتبے کو اجاگر کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے عبدالرحمٰن بجنوری کے اس قول کو بھی نوٹ کیا ہے جو انھوں نے اپنے مضمون 'محاسن کلام غالب' میں غالب کے تعلق سے ظاہر کیا تھا جس میں وہ لکھتے ہیں ''غالب کا کلام قواعد زبان کی پابندی نہیں ہے۔ یہ قواعد زبان کا کام ہے کہ ان کی پابندی کرے یا ان کی خاطر اپنی درسیات میں خاص ضمیمہ جات کا اضافہ کرے۔'' عبدالرحمٰن بجنوری کے درج بالا قول کے ذریعے موصوف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب غالب کے لیے قواعد زبان میں ضمیموں کی ضرورت پڑسکتی ہے تو آغا حشر کاشمیری کے لیے بھی ادبی تنقید کو اپنے طریقے میں تبدیلی کرنی چاہیے۔ اس حصے میں آغا حشر کاشمیری کے تئیں جو لوگوں میں منفی تاثر قائم ہو گیا تھا اس کا ازالہ کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے اور یہ باور کرایا گیا ہے کہ آغا حشر کاشمیری کا معاملہ ڈرامے کے اسٹیج کے ساتھ وہی ہے جو غالب کا غزل کے ساتھ تھا۔

تیسرا باب آغا حشر کاشمیری کی شاعری پر مبنی ہے جس میں ابتدا میں ناقدین کی آرا کے ذریعے آغا حشر کے شاعرانہ مقام کے تعین کے سلسلے میں طویل بحثیں ملتی ہیں جس میں ان کی شاعری اور نظموں کے چند نمونوں اور اقتباسات کے ذریعے ان کی شاعرانہ صلاحیت اور ان کی شاعری کے متعلق موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

کتاب کا چوتھا حصہ آغا حشر کاشمیری کے چند اہم ڈراموں کے مختصر تعارف پر مبنی ہے۔ اس حصے میں آغا حشر کے اردو، ہندی ڈراموں کی کہانی اور قصے کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے قارئین ان کے ڈراموں کے موضوعات و مقاصد سے کلی طور پر واقف ہو سکیں۔

کتاب کے پانچویں حصے میں 'ڈراموں سے انتخاب' کے نام سے آغا حشر کاشمیری کے اہم اور معروف ڈراموں کے چند نمونے پیش کیے گئے ہیں جس میں ان کا اولین ڈراما آفتاب محبت، مرید شک، یہودی کی لڑکی، رستم سہراب، سیتا بن واس اور خوب صورت نیلا

کو جگہ دی گئی ہے۔

کتاب کے آخر میں شاعری اور نظموں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے جس کے تحت آغا حشر کی دو نظموں 'شکریہ یورپ' اور 'موج زمزم' کو جگہ دی گئی ہے جبکہ غزلوں کے انتخاب کی تکمیل 6 صفحات پر مشتمل ہے۔ غرض یہ کہ یعقوب یاور صاحب نے آغا حشر کاشمیری کے اس مونوگراف کے ذریعے ان کی سوانح و شخصیت اور ان کے فن پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے ان کے معیار و مرتبے کو اجاگر کیا ہے۔

—اسما

شاد عارفی

مصنف: مظفر حنفی

اردو ادب میں ایک نمایاں اور ممتاز نام مظفر حنفی کا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب شاد عارفی (مونوگراف) مظفر حنفی کا ایک خوب صورت ادبی تحفہ ہے۔ احمد علی خاں المعروف بہ شاد عارفی (1900 تا 1964) ریاست رام پور کے ان چند نابغۂ روزگار شاعروں میں سے ایک تھے جن کی انفرادیت اردو شعر و ادب میں آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ شاد عارفی بنیادی طور پر طنز نگار شاعر ہیں لیکن اردو ادب میں انھیں عشقیہ غزل گو شاعر کی حیثیت سے بھی جانا جاتا ہے۔ شاد عارفی کی شعری تخلیقات میں نظم و غزل کو اولیت حاصل ہے۔ چنانچہ نثری ادب میں تنقیدی مضامین اور مکتوبات کو اولیت حاصل ہے۔

زیر تبصرہ مونوگراف 'شاد عارفی' چند ابواب پر مشتمل ہے۔ ان کی فہرست کچھ اس طرح ہے۔ اس ابتدائیہ میں مظفر حنفی نے شاد عارفی کی زندگی پر بہت مختصر مگر جامع روشنی ڈالی ہے۔ ابتدائیہ کا مطالعہ قارئین کو شاد عارفی کی سوانح حیات، ادبی سفر نامہ، خاندانی و خانگی احوال سے واقف کراتا ہے۔ اس میں شاد عارفی کی شاعری کو کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، مثلاً ان کی غزلوں کے بارے میں صاحب کتاب کی رائے یہ ہے کہ شاد عارفی کی عشقیہ غزلوں میں پہلی بار ہندوستانی گھریلو محبت اور متوسط طبقے کی جیتی جاگتی تصویریں نظر آتی ہیں جو یقیناً ان کے معاصرین کی غزلوں سے مختلف ہیں۔ ابتدائیہ میں شاد کی غزلوں کی دیگر خصوصیات کو کافی خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شاد کی غزلیں ظرافت، ہزلیہ، پھکڑ پن اور سطحیت سے پاک و صاف ہیں۔

ابتدائیہ کے ایک اہم حصے میں شاد عارفی کی نثری خدمات پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ بشمول ابتدائیہ یہ مونوگراف چار عناوین پر مشتمل ہے:

(1) سوانح و شخصیت۔ شخصیت کا مطالعہ ہر دور میں انسان کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ شخصیت کا علم فن کار کے فن کے ادراک میں بہت معاون ہوتا ہے۔ یہ حصہ اسی فہم و ادراک کی ایک اہم کڑی ہے جس میں مظفر حنفی نے شاد عارفی کی ابتدا تا انتہا زندگی کو اس خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قاری کو اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ ہم ایک سوانحی روداد پڑھ رہے ہیں یا ایک سوانحی خاکہ۔ مظفر حنفی نے شاد عارفی کی زندگی کا ایک ایک حصہ ٹھیک اسی جگہ رکھا ہے جہاں اسے ہونا چاہیے۔ سوانحی روداد کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے جن میں شاد کی زندگی کے وہ تمام حصے موجود ہیں جن سے ان کی زندگی کی تمام جزئیات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس عنوان کا ایک اہم حصہ جسے 'شخصیت' کا نام دیا گیا ہے اس میں شاد عارفی کا اعتراف 'میں انتہا پسند واقع ہوا ہوں' سے استفادہ کرتے ہوئے مصنف نے ان کی شخصیت کے مختلف اور چیندہ پہلوؤں کو ارباب حل و عقد کے نظریات کی روشنی میں نہایت فنکارانہ بصیرت کے ساتھ پیش کیا ہے جن سے شاد عارفی کی ادبی اور فنی حیثیت سے قارئین واقف ہوتے ہیں۔ شاد عارفی کی شخصیت کا ایک اہم حصہ ان کی شکل و شباہت اور عادات و اطوار ہے جو بہت ہی دل چسپ ہے۔ جناب والا پوشاک زیب تن کرنے میں لا ابالی پن کے شکار تو تھے ہی دوست اور احباب کو الفاظ مغلظ سے بھی بہت نوازتے تھے۔ اس عنوان کے اخیر حصے میں مظفر حنفی نے شاگردان شاد عارفی کا ذکر کیا ہے۔

(2) ادبی و تخلیقی سفر۔ اس عنوان کے تحت مظفر حنفی نے تاریخی تسلسل کے ساتھ تصنیفات کے مشمولات کا جائزہ پیش کیا ہے۔

(3) تنقیدی محاکمہ۔ اس عنوان کے تحت مظفر حنفی نے شاد عارفی کی مذکورہ تمام شعری و نثری تخلیقات و تنقیدات پر تنقیدی محاکمہ پیش کیا ہے۔

(4) انتخاب کلام۔ کتاب کے اخیر میں شاد عارفی کے کلام کا انتخاب شامل کیا گیا ہے۔

—محمد رکن الدین

قاضی عبدالودود

مصنف: آفتاب احمد آفاقی

محققین کے نزدیک تحقیق ایک ایسا عمل ہے، جس میں پوشیدہ چیزوں کی تلاش ہی نہیں ہوتی، بلکہ محقق اسے تحفظ بھی فراہم کرتا ہے۔ پوشیدہ ادبی خزینوں کی تلاش اور ان کی حفاظت کو فرض اور عبادت تصور کرنے والوں میں قاضی عبدالودود کا نام بہت اہم ہے۔ انھوں نے اردو نثر و نظم ہی نہیں دیگر موضوعات پر بھی داد تحقیق دی ہے۔ عام طور پر اردو میں ان کی تحقیقات کو سند اعتبار حاصل ہے۔ انھوں نے مختلف اصناف ادب پر تحقیق کرنے کے ساتھ ہی اہم شخصیات کے کارناموں کی بھی جانچ پڑتال کی اور متعدد روایات و مسلمات پر سوالیہ نشان لگائے۔

مونوگراف سے پتہ چلتا ہے کہ قاضی عبدالودود نے میر تقی میر، مرزا غالب، مولانا محمد حسین آزاد اور مولوی عبدالحق کو اپنے لیے بہ طور خاص میدان تحقیق قرار دیا۔ اس ضمن میں انھوں نے ان حضرات کی شخصی عظمت کا انکار کیے بغیر ان کی تخلیقات کا تعاقب کیا۔ ان کے دعوؤں کی چھان پھٹک، متن کی اصلاح، معلومات کے دائرے، غلطیوں، تسامحات، غلط بیانیوں، تعلی اور کلام کا بے باک جائزہ لیا۔ اس جائزے میں انھوں نے کسی کی بلند قامتی کا لحاظ نہ کیا۔ ہمیشہ غلط کو غلط ہی لکھا اور اس غلطی کو بہ دلیل و شواہد غلط ہی ثابت کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے تمام مسلمات کو تہہ تیغ کر دیا۔ وہ 'خطائے بزرگاں گرفتن خطاست' کے قائل نہیں۔ انھوں نے تحقیق و تدوین کے نئے اصول مرتب کیے اور قدیم اصولوں میں بھی اصلاحی عمل انجام دیا۔

یہ کتاب 4 ابواب میں تقسیم ہے۔ ابتدائیہ میں آفاقی صاحب نے یہ بات پہلے ہی واضح کر دی ہے کہ یہ مونوگراف قاضی صاحب کی شخصیت اور خدمات کا ایک اجمالی تعارف ہے اور بس! لہٰذا اہل علم بھی اسے اگر باقاعدہ تحقیقی جائزے یا تنقیدی محاکے کے چشمے سے نہ دیکھیں تو بہتر ہے۔ پہلے باب میں قاضی عبدالودود کی پیدائش، ان کے والدین، خاندان، تعلیم و تربیت، سیاسی افکار، شادی اور گھریلو زندگی، شخصی خصوصیات، مذہب و مسلک سے لے کر ان کی پسندیدہ غذاؤں و لباس، حلقۂ احباب، انتقال اور اردو تحریک سے ان کی عملی وابستگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرا باب قاضی صاحب کے ادبی سفر کے آغاز، ان کی شاعری، رسائل و جرائد سے وابستگی پر مشتمل ہے۔ اس میں انھوں نے اس بحث کو تشنہ چھوڑ دیا ہے کہ قاضی صاحب کی پہلی تحریر 1912 میں 'جذبات حسرت'

تھی جو آگرہ اخبار میں شائع ہوئی تھی یا المصباح پٹنہ کا وہ مضمون ہے جو اپریل 1923 میں شائع ہوا تھا۔

تیسرے باب میں قاضی عبدالودود کو بہ حیثیت محقق پیش کیا گیا ہے۔ یہ مونوگراف کا سب سے محنت سے مرتب کیا گیا حصہ ہے۔ اس میں قاضی صاحب کے تصورات تحقیق اور اصول تدوین کی جانچ پڑتال کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ان کی تحقیقی و تنقیدی نگارشات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ اس باب میں قاضی صاحب کی نگارشات عیارستان، مرقع شعرا، میر تقی میر حیات و شاعری، اُشتر و سوزن، عمدہ، منتخبہ یعنی تذکرۂ سرور، شاد کی کہانی شاد کی زبانی، تنقیدی تبصروں کی جلد اوّل (مرتبہ کلیم الدین احمد)، تدوین متن دیوان جوشش، ابن امین اللہ طوفان کا تذکرہ شعرا، دیوان رضا عظیم آبادی، تذکرۂ مسرت افزا، قطعات دلدار، سفر آشوب از خلق، آزاد بہ حیثیت محقق، عبدالحق بہ حیثیت محقق، غالبیات کی تحقیق، ہر مز دقم عبدالصمد وغیرہ کتابوں اور مجموعۂ مضامین کا تنقیدی تعارف کرایا گیا ہے۔ آخر میں قاضی صاحب کی تحریروں کے منتخب نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں۔

—— ڈاکٹر سید اختیار جعفری

راجندر منچندا بانی

مصنف: عمیر منظر

جدید غزل کی روایت کا ایک نہایت مستحکم و مستند حوالہ راجندر منچندا بانی ہے۔ ادھر کچھ عرصے سے ان کا کلام کمیاب ہی نہیں نایاب بھی ہو گیا تھا اور ہمارے اذہان و زبان سے یہ نام محو ہونے لگا تھا کہ بانی کے تین مجموعے (حالانکہ تیسرے مجموعے کا بڑا حصہ پہلے دونوں مجموعوں کے انتخاب پر ہی مشتمل تھا) عام قاری کی دسترس سے باہر ہو گئے تھے۔ شکر ہے کہ ان دنوں بانی کی کلیات کے ساتھ ساتھ عمیر منظر کا گراں قدر مونوگراف بعنوان 'راجندر منچندا بانی' زیور طبع سے آراستہ ہو گیا ہے۔

مصنف نے بانی کی سوانح و شخصیت کے ساتھ ساتھ غزل گوئی، نظم گوئی اور نثر نگاری کے ابواب مرتب کیے ہیں نیز دو ابواب بعنوان 'ٹوٹتے رشتوں کا شاعر' اور 'بانی کی شعری انفرادیت' میں بانی کی غزل گوئی کا تفصیلی محاکمہ پیش کیا ہے۔

بانی کی غزل گوئی پر اظہار خیال کرتے ہوئے عمیر منظر نے شاعر کی شعری کائنات، الفاظ و تراکیب، پیکر تراشی اور علامتی قوتِ اظہار پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ علامتوں کی گہری معنویت شاعر کے غور و فکر کی غماز ہے اور اس کے شعور و لاشعور کی نمائندہ بھی۔ اس خیال کے زیر اثر مصنف نے بانی کی غزلیہ شاعری کا تجزیہ پیش کیا ہے۔

اس مونوگراف کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ اس میں بانی کی نظم نگاری پر بھی ایک باب مختص کیا گیا ہے۔ عام طور پر بانی غزل گو شاعر کے طور پر مشہور ہیں مگر ان کے کلام میں خاصی تعداد نظموں کی بھی ہے۔ مذکورہ باب میں بانی کی نمائندہ نظموں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں بانی کی نثر نگاری کو بھی موضوع مطالعہ بنایا گیا ہے، جس کا تعلق ادبی صحافت سے تھا۔ باب بعنوان 'ٹوٹتے رشتوں کا شاعر' میں بانی کے ایسے اشعار سے بحث کی گئی ہے جس میں انسانی تعلقات کی شکست و ریخت کو موضوع بنایا گیا ہے نیز جدیدیت کے زیر اثر در آنے والی تنہائی، اداسی اور غم آفرینی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یاد ایک احساس محرومی ہے کہ جو انسان کا مقدر ہے اور اس کی بنیاد ٹوٹتے رشتوں پر رکھی گئی ہے۔ بانی کے اسلوب سے متعلق مصنف کا یہ بیان کہ ''انھوں نے روایتی اقدار کی شکست و ریخت کے لامتناہی غم کو اپنے لہجے سے ہم آہنگ کر کے میر کی سنجیدگی اور غالب کی فکری صلابت کے خمیر سے کیفیت کو نئے پیکروں کے ذریعے مجسم کیا۔'' حق بجانب ہے اور غزل کی تاریخ کے دو معتبر و مستند اساتذہ سے ان کی ذہنی و فکری ہم آہنگی کا یہ اشارہ غور و فکر کے کئی در وا کرتا ہے۔

مونوگراف کے آخر میں انتخاب کلام کے علی الرغم نایاب کلام کو بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ نایاب کلام میں بانی کی 'خوب سے خوب تر' کی کاوشوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ کس دلجمعی اور کاوش کے ساتھ وہ اپنے ہی کلام پر نگاہ ڈالتے تھے اور اس میں تنسیخ و اضافہ کرتے تھے۔

—— ڈاکٹر مظہر احمد

عصمت جاوید

مصنف: غضنفر اقبال

عصمت جاوید کا شمار اردو ادب کے ان نامور ادیبوں یا فن کاروں میں نہیں کیا جاتا جنھوں نے اردو ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ حالاں کہ اردو ادب کے تئیں ان کی خدمات کا جب ہم غائر مطالعہ کرتے ہیں تو حیرت و استعجاب سے ہماری آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں کہ ایسے فن کار سے اردو ادب کا ایک بڑا طبقہ آخر کیوں کر غافل ہو سکتا ہے۔ عصمت جاوید بیک وقت شاعر بھی تھے، نقاد بھی، مترجم بھی تھے اور قواعد داں بھی۔ ان کی تخلیق 'اردو پر فارسی کے لسانی اثرات' یا 'لسانیاتی جائزے' کو دیکھ کر انھیں ماہر لسانیات بھی تسلیم کر لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

زیر تبصرہ کتاب (مونوگراف) 'عصمت جاوید'، غضنفر اقبال کی ہے جس کے چار ابواب بالترتیب: عصمت جاوید: شخصیت و سوانح، ادبی، تخلیقی، تاریخی تصنیفات و تالیفات کا مختصر جائزہ، تنقیدی محاکمہ، جامع انتخاب، میں منقسم عصمت جاوید کی حیات و خدمات کا مختصر مگر جامع انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔

مونوگراف کا پہلا باب عصمت جاوید کی شخصیت اور سوانح پر مشتمل ہے۔ اس باب کے ذیل میں مصنف نے عصمت جاوید کی پیدائش، تعلیم و تربیت، خاندان، ازدواجی زندگی، تصنیفات و تالیفات، مذہبی بیداری، بذلہ سنجی، حاضر جوابی وغیرہ کو بڑے موثر پیرائے میں بیان کیا ہے۔

مونوگراف کا دوسرا باب ان تخلیقات، تصنیفات اور تالیفات کے مختصر جائزے پر مبنی ہے جو عصمت جاوید کے قلم کا نتیجہ ہیں۔ اس باب میں مصنف نے فرداً فرداً ان کی تقریباً تمام تخلیقات کا ایک سے دو پیراگراف میں جائزہ لینے کی سعی کی ہے۔ یعنی ہر کتاب پر اس انداز سے گفتگو کی گئی ہے کہ ایک ہی نظر میں اس کی اہمیت و افادیت اور خوبی و خامی ابھر کر ہماری نظروں کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر اسے وضاحتی اشاریہ کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

تیسرا باب 'تنقیدی محاکمہ' کے عنوان سے قائم کرتے ہوئے مصنف نے عصمت جاوید کو بحیثیت ناقد، محقق، شاعر، مترجم، لغت و قواعد نگار جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے ساتھ ہی اپنی تنقیدی آراء سے بھی قارئین کو روشناس کرایا ہے۔

مونوگراف کا چوتھا اور آخری باب عصمت جاوید کی تخلیقات کے انتخابات پر مبنی ہے۔ اس باب میں بھی دو ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ اوّل 'شاعری' اور دوئم 'نثر'۔ شاعری کے ذیل میں غزلیں، نظمیں، قطعہ، رباعی اور شعری تراجم کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ نثر میں اسلوب کیا ہے، لسانیات اور ہم اور نئی قواعد کیا ہے جیسے مضامین شامل ہیں۔

—— ساجد ذکی فہمی

ابلاغیات
صحافت
ابلاغیات
رہبر اخبار نو
سیّد اقبال قادری
اردو صحافت کے دو سو سال
(سیمینار میں پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ)
LUCKNOW
حصہ اول
مرتب
ارتضیٰ کریم
طلسم لکھنؤ
25 جولائی 1856-8 مئی 1857
ٹی وی نیوز پروڈکشن
فن اور طریقہ کار
سمیع الرحمٰن

اردو صحافت کے دو سو سال

مرتب: پروفیسر ارتضیٰ کریم

قومی اردو کونسل نے اردو صحافت کا دوسو سالہ جشن منانے کے لیے ملک کے مختلف شہروں میں صحافت کانفرنس کا انعقاد کیا تھا اور 'اردو صحافت کے دوسو سال' کے عنوان سے عالمی اردو کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ ان سیمناروں میں دانشوران نے صحافت کے متنوع پہلوؤں پر مضامین پڑھے تھے۔ یہ کتاب انھی مضامین کا مجموعہ ہے۔ دو حصوں پر مشتمل اس کتاب کے پہلے حصے میں اردو صحافت آغاز وارتقا، اردو صحافت عالمی تناظر، اردو صحافت علاقائی تناظر، اردو صحافت کا عصری منظر نامہ، اردو کے اہم اخبارات ورسائل کے حوالے سے مقتدر قلم کاروں کے مضامین ہیں۔ جبکہ دوسرے حصے میں خواتین، اطفال اور اردو صحافت، سائنس، قانون اور دیگر موضوعات، علمائے کرام اور اردو صحافت، ادبی صحافت، کاروانِ صحافت، اردو صحافت مسائل وامکانات جیسے موضوعات پر مضامین شامل ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً پچاس صفحات پر محیط کتابیاتِ صحافت بھی ہے جس میں صحافت پر لکھی گئی تمام اہم کتابوں کے علاوہ کتابوں اور رسائل میں صحافت سے متعلق شائع ہونے والے مضامین کا اشاریہ شامل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب صحافت کے باب میں حوالہ جاتی اور دستاویزی حیثیت کی حامل ہے۔

ایک خاص بات اس کتاب کی یہ ہے کہ اس میں ہندوستان کی بیشتر ریاستوں میں اردو صحافت کی صورتِ حال کا نہایت مبسوط جائزہ پیش کیا گیا ہے اور وہ جہتیں بھی تلاش کی گئی ہیں جو صحافت کے حوالے سے عموماً نظرانداز کی جاتی رہی ہیں۔

رہبر اخبار نویسی

سید اقبال قادری

'رہبر اخبار نویسی' سید اقبال قادری کی نہایت مشہور ومعروف تصنیف ہے جو اسم بامسمیٰ ہے۔ اس کتاب کی پہلی اشاعت ترقی اردو بیورو کی جانب سے 1989 میں عمل میں آئی تھی۔ کتاب تب سے لے کر آج تک یکساں مقبول رہی ہے اور بیشتر اداروں میں شامل نصاب بھی ہے۔ کتاب ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ کتاب پرنٹ میڈیا میں کام کرنے والے حضرات اور خصوصاً ان طالب علموں کے لیے جو صحافت سے دلچسپی رکھتے ہیں یا صحافت کے شعبے میں اپنا کیریئر بنانا چاہتے ہیں، نہایت کارآمد اور مفید کتاب ہے۔ سید اقبال قادری نے اس کتاب میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ اخبار نویسی کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ کتاب نہایت ضخیم ہے لیکن معلومات کا خزینہ ہے۔ اسلوب، زبان اور اندازِ بیان بے حد دلکش ہے۔ ہر ایک حصے پر ایک مشفق اور تجربہ کار استاذ کی طرح فاضل مصنف نے نگاہ رکھی ہے۔

کتاب کو مصنف نے دس حصوں اور تیس ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ حصہ اوّل 'فن صحافت' کے عنوان سے چار ابواب 'صحافت کسے کہتے ہیں'، 'خبر کسے کہتے ہیں'، 'خبریں کیسے جمع کی جائیں' اور 'خبریں کیسے لکھی جائیں' پر مشتمل ہے۔ حصہ دوم میں 'نامہ نگاری' کے زیرعنوان چار ابواب 'نامہ نگاری کی اہمیت'، 'مسودے کی تیاری'، 'نامہ نگاری کے انواع واقسام' اور 'جدید نامہ نگاری' ہیں۔ حصہ سوم 'اخباری تحریر' کے عنوان سے پانچ ابواب 'اخباری تحریر کی خصوصیات'، 'اخباری فیچر'، 'اداریہ نگاری'، 'کالم نویسی' اور 'مستقل اخباری مواد' کو محیط ہے۔ حصہ چہارم میں 'اخباری ملاقات' کے عنوان سے تین ابواب 'اخباری انٹرویو'، 'انٹرویو کی تحریر' اور 'پریس کانفرنس' ہیں۔ حصہ پنجم 'تصویری صحافت' کے زیرعنوان 'مصور اخبار نویسی' ہے۔ حصہ ششم 'انتظامی امور' کے زیرعنوان چار ابواب 'اخبار کا انتظامی ڈھانچہ'، 'اشتہارات'، 'اشاعت' اور 'اخبار کی تجارتی ترقی' پر مشتمل ہے۔ حصہ ہفتم میں 'اخلاقی اور قانونی امور' کے زیرعنوان 'صحافتی اصول اخلاق'، 'صحافتی قوانین'، 'ضروری قانونی معلومات' اور 'صحافتی انجمنیں' چار ابواب ہیں۔ حصہ ہشتم 'اخباری اصطلاحات' کو محیط ہے۔ حصہ نہم 'ضروری صحافتی معلومات' کے زیرعنوان تین ابواب 'خبر رساں ایجنسیاں'، 'مددگار صحافتی ادارے' اور 'صحافتی تعلیم وتربیت' پر مشتمل ہے۔ حصہ دہم میں 'فرہنگ' کے عنوان سے ایک باب 'ضروری الفاظ کی فرہنگ' ہے۔

— محمد عمار محسن

طلسم لکھنؤ

مدیر: محمد یعقوب فرنگی محلی، مرتب: اقبال حسین

انیسویں صدی کے اردو اخبارات ورسائل میں ہفت روزہ طلسم ایک اہم ومعیاری اخبار تھا جو نواب واجد علی شاہ کی معزولی کے پانچ ماہ بعد محمد یعقوب فرنگی محلی کی ادارت میں 25 جولائی 1856 سے شائع ہوا تھا اور 8 مئی 1857 تک افق صحافت پر چمکتا دمکتا رہا ہے جس کے کل 42 شمارے شائع ہونے کے بعد بند ہوگیا تھا، طلسم ایک ہفت روزہ اخبار تھا اس زمانے میں عموماً اخبارات ہفت روزہ ہی ہوتے تھے۔

دفتر طلسم لکھنؤ کی جانب سے ایک مرصع ومسجع کاروباری اشتہار شائع ہوتا تھا، جس میں طلسم کے خریداروں کے نام جاری اور موقوف کرنے کے اصول وضابطے بیان کیے جاتے تھے اور اس کے دوسرے مسائل ومشکلات پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔

طلسم لکھنؤ میں لکھنؤ اور اس کے اطراف میں پیش آمدہ واقعات، چوری، ڈکیتی اور قتل وغارت گری کی واردات اور تقرری، برطرفی اور تبادلے کے سرکاری اعلانات بھی شائع ہوتے تھے۔ طلسم میں معزول بادشاہ واجد علی شاہ اور ان کے خاندان کی خبریں بھی بڑے اہتمام کے ساتھ چھپتی تھیں، اودھ کے زمینداروں، تعلقہ داروں، صنعت کاروں کی بے روزگاری وغربت اور بدحالی کا بھی ذکر ہوتا تھا۔

طلسم میں لکھنؤ اور خطہ اودھ کے علاوہ، دہلی، کلکتہ، ممبئی، پنجاب، کشمیر، گجرات اور مدراس کی خبروں کے ساتھ افغانستان، روس، ایران، مصر، حجاز، برطانیہ، امریکہ، آسٹریلیا، فرانس اور جرمنی وغیرہ کی خبریں بھی نمایاں طور پر شائع ہوتی تھیں۔ اس کے قارئین کا دائرہ وسیع تھا، اس کے خریدار دہلی، لاہور، الور گوالیار میں موجود تھے، عام قارئین کے علاوہ اس کے خریداروں میں اودھ کے شاہی گھرانے کے افراد جیسے محمد علی شاہ کے فرزندان، مہاراجہ بنارس، مہاراجہ الور اور نواب رامپور شامل تھے۔ برطانوی افسر سر جان لارنس کا نام بھی خریداروں میں آتا ہے، طلسم کی زبان شستہ وشگفتہ اور تحریر مقفّٰی ومسجع ہوا کرتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس پر رجب علی بیگ سرور کے اسلوب تحریر کا عکس ہے جو مولوی محمد یعقوب علی فرنگی محلی کے قریبی دوست تھے، غالباً طلسم کی ترتیب واشاعت میں رجب علی بیگ

سرور کا قلمی تعاون اور مشورہ شامل رہا ہے۔

ہفت روزہ طلسم لکھنؤ کے فاضل مرتب و مدون اقبال حسین صاحب ہیں۔ اقبال حسین نے طلسم کے شماروں کو ہندوستان کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہونے کی اطلاع دی ہے۔ لیکن اس کے زیادہ تر شمارے مفتی محمد رضا انصاری صاحب فرنگی کی ذاتی لائبریری میں تھے۔ جن کو مشہور تاریخ داں پروفیسر عرفان حبیب نے شعبہ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لیے حاصل کیا تھا ان ہی شماروں کو اقبال حسین نے مرتب کیا ہے۔ ہفت روزہ طلسم کی اشاعت سے نہ صرف الحاق اودھ اور اس کے بعد پیدا شدہ صورت حال کے بارے میں واقفیت ہوتی ہے۔ بلکہ لکھنوی تہذیب وثقافت اور زبان وادب کے زوال وانحطاط کا بھی بخوبی علم ہوتا ہے۔

—عطاء الرحمٰن قاسمی

اردو میڈیا

ترتیب: ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین

'اردو میڈیا' اردو اور میڈیا کے باہمی رشتے کا بھرپور احاطہ کرنے کے ساتھ اردو میڈیا کے گوناگوں پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کتاب میں بڑی تعداد میں ایسے مضامین کو شامل کیا گیا ہے جو اردو میڈیا کے روایتی اور جدید تر ابعاد اور جہات کا نہ صرف احاطہ کرتے ہیں بلکہ حد درجہ معلوماتی اور کارآمد ہیں، میڈیا اور ترسیل (Communication) کے Theoritical پہلوؤں اور میڈیا کی مختلف شاخوں کی تاریخ وارتقا سے متعلق معلوماتی مضامین کے علاوہ متعدد ایسے مضامین شامل کتاب ہیں جو میڈیا کے عملی پہلوؤں اور تقاضوں سے متعلق معلومات کے در بیچے اردو قارئین پر وا کرتے ہیں۔

اردو صحافت کے ضمن میں خبر نگاری، ادارت، اداریہ نویسی، ایڈیٹنگ، سب ایڈیٹنگ، نیوز رپورٹنگ، سیاسی رپورٹنگ، بزنس رپورٹنگ، قانونی رپورٹنگ، پریس کانفرنس، انٹرویو، انٹرویو کی تکنیک، ملاقات نگاری، تبصرہ نگاری، تصویری صحافت، کارٹون نگاری، اخباری ترجمہ نگاری صفحہ سازی یا پیج میکنگ کی تکنیک وغیرہ سے متعلق لازمی معلومات اور تفصیلات پر مشتمل مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ جبکہ ریڈیو کے ضمن میں ہندوستان میں ریڈیو نشریات، کمیونٹی ریڈیو، ٹیلی ویژن کا آغاز وارتقا، ٹی وی، رائٹنگ کے اصول، ہندوستانی سنیما اور اردو، جیسے اہم اور معلومات مضامین اس کتاب کی قدر وقیمت میں اضافہ کرتے ہیں، علاوہ بریں وہ جدید ترین وسائل جو آج عوامی ذرائع ترسیل کا اہم حصہ بن گئے ہیں ان سے متعلق تازہ تر مضامین مثلاً انٹرنیٹ اور اردو، آن لائن میڈیا اور اردو، اردو ڈیجیٹل لائبریری اور آن لائن اردو کورس، اردو سافٹ ویئر، بلاگ، ای میشن وغیرہ اس کتاب کی عصری معنویت اور اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں۔

بہرکیف اردو میڈیا، اس لحاظ سے بے حد کارآمد ہے کہ آج میڈیا ہماری زندگی کا ایک اہم جزو بن چکا ہے اور ہر قدم پر ہمارا واسطہ ان نئے اور بدلتے وسائل سے ہے لہٰذا یہ مین لازم ہے کہ ہماری زبان ان وسائل سے پوری مستعدی کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا کہ طوفانی رفتار سے بدلتی اور ارتقا پذیر زندگی میں ہم پیچھے نہ چھوٹ جائیں۔ اس لیے جہاں اس بات کی ضرورت ہے کہ نئی معلومات کو اردو قارئین تک پہنچایا جائے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ اردو کو نئے تکنیکی وسائل کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی سمت میں ہر سطح پر کوشش کی جائے۔

—انور پاشا

ٹی وی نیوز و پروڈکشن، فن اور طریقہ کار

مصنف: سمیع الرحمٰن

'ٹی وی نیوز و پروڈکشن، فن اور طریقہ کار' کو مصنف نے آٹھ ابواب میں منقسم کیا ہے۔ اس کے علاوہ مصنف کا مقدمہ اور آخر میں کتابیات بھی شامل ہیں۔ کتاب کا پہلا باب 'ٹیلی ویژن نیوز: ایک تعارف' ہے۔ موجودہ دور میں الیکٹرانک میڈیا کی اہمیت سے بھلا کون انکار کرسکتا ہے۔ ٹی وی نیوز کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ ہے کہ ناظرین خبر کے ساتھ موقعہ واردات کی ویڈیو بھی دیکھ سکتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سارے واقعات آنکھوں کے سامنے ہورہے ہوں۔ مصنف نے نیوز ریڈنگ اور اس میدان میں کام کرنے والوں کی تحریر میں مہارت کو اہمیت دی ہے ان کا خیال ہے کہ تحریر دلچسپ اور جملوں کی ساخت میں موزونیت کے ساتھ زبان وتحریر میں سلاست اور صحیح محاوروں کا استعمال ہونا چاہیے۔ مصنف نے رپورٹر اور نیوز ریڈر کے لیے تعلیم، تجسس اور قوت مشاہدہ، ٹکنالوجی اور تکنیکی مہارت، دباؤ میں اپنے اوپر قابو رکھنا، کسی بھی بات کو انا کا مسئلہ نہ بننے دینا وغیرہ کو ضروری قرار دیا ہے۔

کتاب 'ٹی وی نیوز و پروڈکشن، فن اور طریقہ کار' کے دوسرے حصے میں مصنف نے ہندوستان میں ٹی وی کی ابتدا کی تاریخ، توسیع وغیرہ کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ہندستان میں ٹی وی کی ابتدا 15 ستمبر 1959 کو بقول مصنف یونیسکو کے ذریعے چلائے جارہے ایک پروجیکٹ کے تحت ہوئی۔ اس وقت اس کا نام دوردرشن تھا (آج بھی اس کا نام دوردرشن ہی ہے) شروع میں دوردرشن سے ٹیلی کاسٹ دہلی اور اس اس کے 24 کلی میٹر کے دائرہ تک محدود تھا۔ مصنف نے ہندستان کے تمام نیوز چینلوں کی فہرست بھی دی ہے۔

کتاب کا تیسرا باب 'ٹی وی نیوز روم' ہے۔ مصنف سمیع الرحمٰن نے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے فرق کو بیان کیا ہے۔

'ٹی وی نیوز و پروڈکشن، فن اور طریقہ کار' کا چوتھا باب 'ٹیلی ویژن نیوز اسٹوری کا طریقہ کار' ہے۔ مصنف نے خبر کے لیے چھ نکات کو اہم بتایا ہے یعنی کیا، کہاں، کب، کون، کیوں اور کیسے۔ صحافی کے لیے یہ چھ نکات بہت ضروری ہیں انھیں نکات کی بنیاد پر کوئی خبر اہم یا غیر اہم ہوجاتی ہے اور ساری خبریں انھی نکات کے ارد گرد گھومتی رہتی ہیں۔

کتاب کا پانچواں باب 'ٹی وی نیوز اسٹوری فارمیٹ: بنیادی باتیں' ہے۔ کتاب کے اس حصے میں مصنف نے نیوز ریڈر، وائس اوور، لائیو شاٹ، اسکرپٹ نگاری، ویڈیو ایڈیٹنگ، موضوع پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

کتاب کا چھٹا باب 'ٹی وی اسکرپٹ کے نمونے' ہے۔

کتاب کا ساتواں اور آٹھواں باب بالترتیب 'ٹی وی پروگرام پروڈکشن خاکہ'، 'ٹی وی پروگرام پروڈکشن۔ طریقہ کار' ہیں۔ ہر خبر کے پیچھے بہت سے لوگوں کی محنت لگن اور ان کی مہارت کارفرما ہوتی ہے۔ خبر موصول ہونے سے لے کر نشر ہونے تک جن لوگوں کی محنت کام کرتی ہے اسے پروڈکشن ٹیم کہا جاتا ہے جس میں ڈائریکٹر، انجینئر، کیمرہ مین، ایڈیٹر وغیرہ ہوتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب 'ٹی وی نیوز و پروڈکشن، فن اور طریقہ کار' صحافت بالخصوص برقی صحافت کے میدان میں قدم رکھنے والے نوواردان اور طالب علموں کے لیے بہت معاون ومددگار ثابت ہوگی۔

—نوشاد منظر

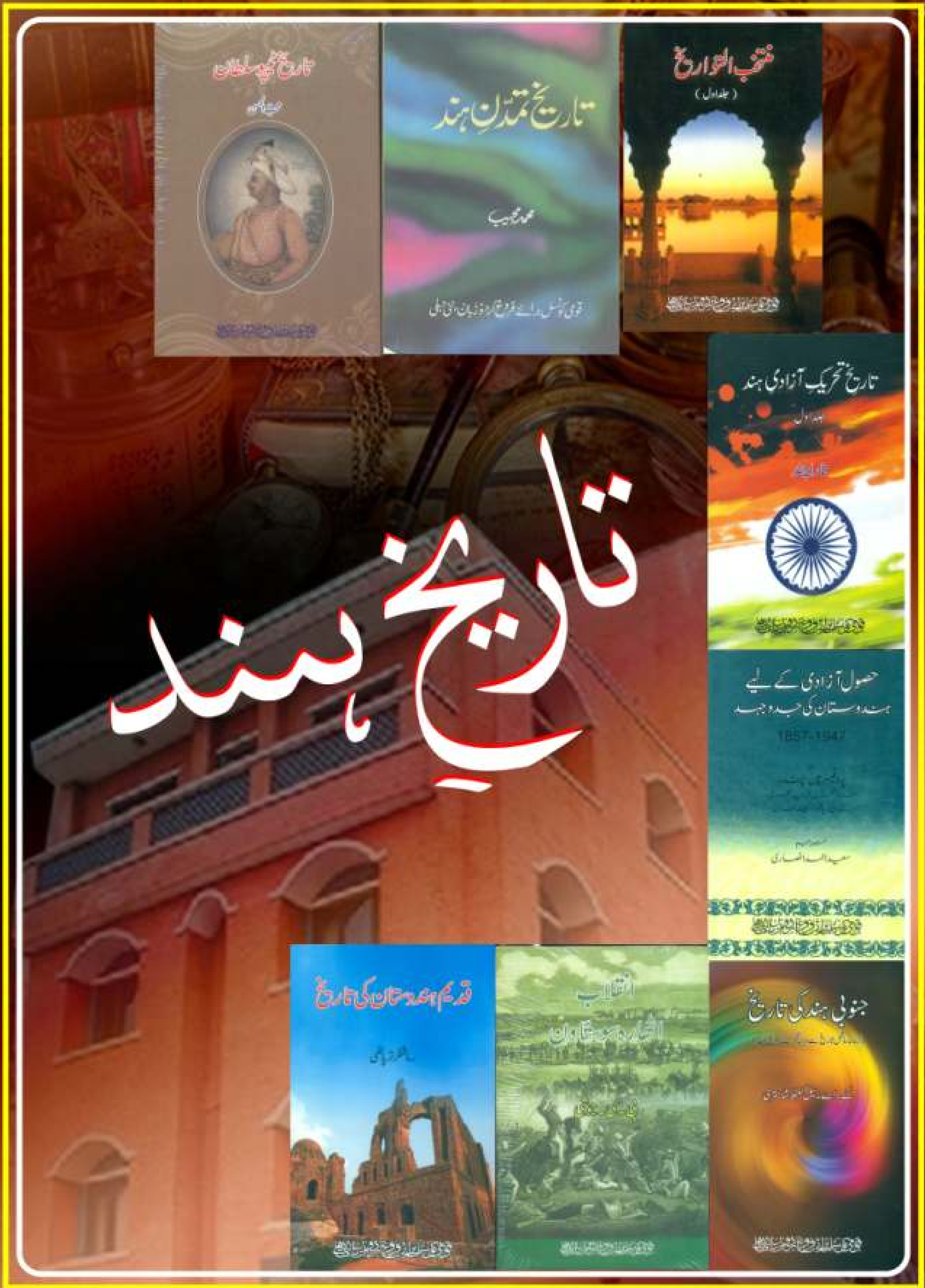
تاریخِ ہند
تاریخ ٹیپو سلطان
تاریخ تمدنِ ہند
محمد مجیب
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
منتخب التواریخ
(جلد اول)
تاریخ تحریک آزادی ہند
حصول آزادی کے لیے
ہندوستان کی جدوجہد
1857-1947
قدیم ہندوستان کی تاریخ
جنوبی ہند کی تاریخ
انقلاب

جامع تاریخ ہند (عہد سلطنت)

مورخین: محمد حبیب/خلیق احمد نظامی

"جامع تاریخ ہند" سات ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کا پہلا باب ایشیائی ماحول سے متعلق ہے جو مسلمانوں میں بادشاہت، طبقۂ امرا کی ابتدا، خوارزمی سلطنت، چنگیز خاں کے عروج، عجم پر حملے، قاآن اور امیر تیمور تک کا احاطہ کرتا ہے۔ اس باب کی اہمیت میں اضافہ اس سبب سے ہوجاتا ہے کہ اس میں اسلام کے عروج اور ہندوستان میں اس کی آمد کی تفصیل درج ہے۔

دوسرے باب میں دہلی سلطنت کی بنیاد پڑنے کے وقت ہندوستان کی حالت، غوری کی تاریخ، سلطان معزالدین کی ہندوستانی مہمیں، شمالی ہندوستان کی فتح اور ترکی تسلط کی اہمیت کی تفصیلات درج ہیں۔ ان میں ذات پات کا نظریہ رائج تھا جو بعد ازاں ترکوں کے دباؤ میں آگیا۔ اس عہد میں مولانا رضی الدین حسن صغانی اور شیخ حمیدالدین صوفی کی سیرت سے بحث کی ہے۔ غور سے متعلق تفصیلات بیان کرنے سے پہلے سلطان معزالدین کی ہندوستانی مہمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب کا چوتھا باب خلجی خاندان کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں جلال الدین فیروز کی تخت نشینی، عسکری مہمات اور اس کے قتل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس باب کے دوسرے حصے میں علاءالدین خلجی کی تخت نشینی، اور مخلوط حکومت، ملتان، گجرات اور رنتھمبور کی فتح کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اسی باب کے تیسرے حصے میں علاءالدین کے محکمۂ مالگذاری میں اصلاحات کی تفصیلات درج ہیں۔ اگرچہ ان اصلاحات کا ذکر دوسری تاریخ کی کتابوں میں بھی درج ہے لیکن اس کتاب میں ان اصلاحات کو بطور خاص موضوع بنایا گیا ہے۔ علاءالدین نے محکمہ سراغ رسانی کی تنظیم کی، دہلی میں شراب پر پابندی عائد کردی، امرا کی روک تھام کی۔ اس سلسلے میں یہ حقیقت قابل ذکر ہے کہ تاریخ کی بعض کتابوں میں چتوڑ کی رانی اور علاءالدین کے فرضی قصے کو خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا گیا ہے، اس کتاب نے اسے غلط ثابت کیا ہے۔ اس باب کے چوتھے حصے میں علاءالدین خلجی کے معاشی ضوابط کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس باب کے پانچویں حصے میں آخری منگول حملے کی تفصیل درج ہے اور چھٹے حصے میں علاءالدین کی دکن پالیسی کی تفصیل ہے۔

اس کتاب کا پانچواں باب تغلق خاندان سے متعلق ہے۔

اس کتاب کا چھٹا باب سید خاندان پر مشتمل ہے جن کا دور اقتدار 1414 سے 1451 تک جاری رہا۔ ان میں خضر خاں سب سے پہلا حکمراں تھا جو سید تھا اور اسی کے نام سے سید خاندان کی بنیاد پڑی۔ مبارک شاہ اس کا جانشین تھا جسے قتل کردیا گیا۔ اس کے جانشینوں میں محمد شاہ، سلطان اور علاءالدین شاہ تھے۔

اس کتاب کا آخری باب لودی خاندان پر مشتمل ہے۔

کتاب کا اردو متن نہایت دلچسپ ہے اور شروع سے آخر تک قاری کو محور رکھتا ہے۔

——پروفیسر ظفر احمد نظامی

انقلاب اٹھارہ سو ستاون

مرتب: پی سی جوشی

'انقلاب اٹھارہ سو ستاون' پی سی جوشی کی مرتب کردہ کتاب ہے۔ پہلی بار بہ زبان اردو یہ کتاب 1972 میں شائع کی گئی تھی، جس کا پانچواں ایڈیشن پیش نظر ہے۔

تحریک آزادی، حب الوطنی، حریت پسندی اور تاریخ ہند کے مطالعے میں دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے 'انقلاب اٹھارہ سو ستاون' ایک دستاویزی کتاب کا درجہ رکھتی ہے جس میں 'انقلاب' سے متعلق مختلف الجہات و متضاد نظریات پر سیر حاصل بحث کے در بھی وا کیے گئے ہیں اور کسی حد تک اس گتھی کو بھی سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ تحریک کیسے انگریزی سامراج کے خلاف 'اجتماعی جذبۂ حریت' کی ترجمان بنی اور پھر آگے چل کر ایک نئے عہد کے آغاز کا محرک کیسے قرار پائی۔

386 صفحات پر مشتمل اس کتاب کو فاضل مرتب نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ کتاب ہذا میں ایسے 14 مقالہ نگاروں کی تحریریں شامل ہیں، جن کی بلند قامتی مسلم ہے۔ نہ صرف یہ ہے کہ ہندوستانی فضلا کے مقالے ہی سپرد قرطاس کیے گئے ہیں بلکہ اُن غیر ملکی صاحبان علم و فضل کی نگارشات کو بھی شامل کتاب کیا گیا ہے، جنھوں نے 'انقلاب اٹھارہ سو ستاون' کے عنوان پر اپنے اپنے نظریے سے قلم اُٹھانے اور اس انقلاب کے عالمگیر اثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔

1857 کی تحریک آزادی کو سمجھنے میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے واقعی یہ کتاب رہنمائی کا فرض ہی نہیں نبھاتی، بلکہ اس موضوع پر مزید تحقیق کی جانب صائب الرائے افراد کو مائل بھی کرتی ہے، کتاب میں شامل مقالہ نگاروں کے بعض خیالات کو پڑھنے کے بعد اس موضوع کی بابت مزید تلاش و جستجو کا احساس ہونا بھی فطری ہے۔

زیر نگاہ کتاب کے پہلے حصے میں مجموعی طور پر چار مقالے شامل ہیں۔ یہ چاروں مقالات موضوع کے ساتھ انصاف کا احساس بھی دلاتے ہیں۔ یعنی فاضل مقالہ نگاروں نے مورخین، محققین اور مصنفین کے خیالات سے بھرپور انداز میں روشنی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے پہلے مقالے میں جس کا عنوان 'بغاوت عظیم' ہے، تلمیذ خلدون نے 1857 کے انقلاب کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے 374 ماخذ کے حوالے دیے ہیں۔ تلمیذ خلدون کا مقالہ اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ صرف اس ایک مقالے کو پڑھ کر بھی انقلاب 1857 کو عام قارئین کے لیے بآسانی سمجھ پانا ممکن ہے۔

کتاب کے دوسرے حصے میں انقلاب اور ادب کے رشتے کی بازیافت کی سعی کی گئی ہے۔ اس باب میں 5 مقالے شامل اشاعت ہیں، جن میں اردو، ہندی اور بنگالی ادب کے علاوہ لوک گیت پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ پی سی گپتا نے '1857 اور ہندی ادب' کے عنوان سے ہندی ادب پر انقلاب کے اثرات کا جائزہ لیا ہے، جبکہ احتشام حسین نے 'اردو ادب اور انقلاب 1857' کو عنوان بناتے ہوئے 'اردو اور انقلاب' کے باہمی رشتوں کا اجمالی بیان کیا ہے۔ کے ایم اشرف نے 'غالب اور بغاوت 1857' کے تحت مرزا اسداللہ خاں غالب کے روزنامچہ 'دستنبو' کی عظمت کو بیان کیا ہے۔ غالب شناسی کے حوالے سے یہ کوشش مہتم بالشان ہے کہ اُردو کے جلیل القدر شاعر یہاں ایک بہترین مورخ کے طور پر جلوہ گر ہیں۔ گوپال ہلدر نے '1857 سے پہلے اور بعد کا بنگالی ادب' کس طرح کی تبدیلیوں کا گواہ بنا، اسے اجاگر کیا ہے۔ مرتب کتب پی سی جوشی حصہ دوم میں بھی پہلو بدل کر ایک بار پھر وارد صفحہ ہیں۔ انھوں نے '1857 سے متعلق لوک گیت' کی بزم یہاں سجائی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کے حصہ سوم میں ہندوستانی بغاوت کو دنیا کی نظروں سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس باب میں 'بغاوت ہند اور برطانوی رائے'، 'ہم عصر فرانسیسی پریس'، 'اٹلی میں 1857 کی صدائے بازگشت'، '1857 اور روسی پریس' اور 'چین اور ہندوستان انیسویں صدی کے وسط میں' کے عناوین قائم کرتے ہوئے جیمز برائن، چارلس فورنین، للیانا ڈل لوگارے، پی شاستی کو اور یوشینگ دو۔ چین کن نے یہ بتانے کی سعی کی ہے کہ اُس عہد میں ہندوستانی بغاوت کو متذکرہ ممالک میں کس طرح دیکھا گیا۔ کتاب کے آخر میں 'جدول تواریخ' کے ذریعے بغاوت کے آغاز سے انجام تک کی منظر کشی کی گئی ہے۔

——محمد شرافت علی

تاریخ تحریک آزادی ہند (جلد اوّل)

مصنف: تاراچند

'تاریخ تحریکِ آزادی ہند' کے مصنف ڈاکٹر تاراچند ہیں۔ تاراچند کا شمار ملک کے نامور اور مستند مورخین میں ہوتا ہے۔ آزادی کے بعد مولانا ابوالکلام کے ایما پر جو اس وقت وزیر تعلیم تھے، تحریک آزادی کی جامع تاریخ مرتب کرنے کی خدمت ڈاکٹر تاراچند کے سپرد کی گئی۔ زیر تبصرہ کتاب اسی سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔

یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول سے پہلے 'خیالِ ماضی' کے عنوان سے انگریزوں کی آمد سے پیشتر ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال کا مختصر ذکر نیز ہندوستانی معاملات میں ان کی مداخلت اور یورپ کے معاشرتی انقلاب اور ارتقا کا حال بیان کیا گیا ہے۔

پہلے باب کا عنوان 'سلطنتِ مغلیہ کا زوال اور خاتمہ' ہے۔ اورنگ زیب کی حکومت اور اس کے جانشینوں کی نااہلی اور بدانتظامی سے اقتدار پر ان کی گرفت کمزور ہوتی جارہی تھی۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف حکمرانوں نے مرکزِ اقتدار پر پے در پے حملے کیے۔ نتیجتاً مغلیہ سلطنت مائل بہ زوال ہوتی گئی اور پھر کلی طور پر اس کا خاتمہ ہوگیا۔

دوسرا باب 'اٹھارویں صدی میں سماجی نظام' ہے۔ ہندوستان قدرتی طور پر چار خطوں میں تقسیم ہے۔ جغرافیائی خطوط کے اعتبار سے اسے 'خلاصۂ عالم' کہا جاسکتا ہے۔ یہاں کے باشندے جو مختلف نسلوں کا مرکب ہیں، ذات پات کا نظام، یہاں کے قبائل، یہاں کے گاؤں جنھیں سماجی زندگی کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کا کلچر اس کی اقتصادی صورتِ حال، اس کے نظم ونسق وغیرہ سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

تیسرا باب 'ہندوستان کا سیاسی نظام' ہے۔ اس میں یہاں کی مملکت، عدلیہ، حکومت اور اس کا نظم ونسق، یہاں کے باشندے جن میں ہندو مسلم دونوں ہی شامل تھے۔

چوتھے باب کا عنوان 'اٹھارہویں صدی میں (اقتصادی حالات)' ہے۔ اس باب کے تحت سب سے پہلے قصبات کی تجارتی صورتِ حال کا ذکر ہے۔

پانچواں باب 'کلچرل زندگی— تعلیم فن اور ادب' سے متعلق ہے۔ اس میں ہندوستانی فکر اور کلچر کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

چھٹے باب میں 'ہندوستان پر برطانیہ کا تسلط' کو موضوع بنایا گیا ہے۔ واسکوڈی گاما کی ہندوستان تک سمندری راستے کی دریافت سے ایشیا اور یورپ کے تعلقات میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔

ساتویں باب میں '1793 تک برطانوی نظم ونسق کے نشوونما' پر بات کی گئی ہے۔

آٹھویں باب میں بھی '1793 سے 1857 تک برطانوی نظم ونسق' سے بحث کی گئی ہے۔

نواں باب 'برطانوی حکومت کے سماجی اور اقتصادی نتائج— دیہی معاشیات کا انتشار' ہے۔ دسویں باب کا موضوع 'برطانوی حکومت کے سماجی اور اقتصادی نتائج— تجارت اور صنعت کا زوال' ہے۔ پہلے اور دوسرے باب کے علاوہ ہر باب کے آخر میں حواشی دیے گئے ہیں جس سے مصنف کی محققانہ دقت رسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

—راشدہ رحمٰن

تاریخ تمدن ہند

مصنف: محمد مجیب

پیش نظر کتاب تمہید کے علاوہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب تمدن کے آغاز کا احاطہ کرتا ہے، دوسرے باب میں آریوں کے تمدن سے بحث کی گئی ہے، تیسرا باب بدھ مت سے متعلق ہے جبکہ چوتھے باب میں موریا عہد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پانچواں باب ہندوستان، ایران اور یونان کے تمدن کو محیط ہے، چھٹے باب میں گپت عہد کی خصوصیات کا ذکر ہے، ساتواں باب ہیون سانگ اور البیرونی کے لیے وقف ہے اور آٹھواں باب دکن اور جنوبی ہند سے بحث کرتا ہے۔

اس کتاب کے مصنف جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق وائس چانسلر پروفیسر محمد مجیب ہیں جو موجودہ دور کے ممتاز اور نامور تاریخ داں تھے۔

مصنف نے تمدن کے آغاز سے متعلق تاریخ کے چند دیگر علوم سے رشتہ قائم کیا ہے اور علم الانسان، آثار قدیمہ، ہندوستان کی نسلوں، مکانات، وضع قطع اور لباس کے علاوہ کاروبار کی صنعتوں سے بحث کی ہے، ان کے عقائد پر روشنی ڈالی ہے اور آریائی اور سندھی تہذیب کا موازنہ کیا ہے۔ اس طرح دوسرے باب میں آریوں کے تمدن سے بحث کرتے ہوئے ان کی تاریخ کے مآخذ (1) وید (2) اپنشد (3) سوتر اور رزمیہ داستانوں کے علاوہ ذاتوں کی تفہیم اور دینی تصورات کا جائزہ لیا ہے۔ تیسرے باب میں بدھ مت کے تحت اس کا ذہنی پس منظر، مشرقی ہند کا ذہنی پس منظر اور تمدن گوتم بدھ اور مہاویر کے حالات اور ان کی تعلیمات، کا جائزہ لیا گیا ہے۔

چوتھا باب موریا عہد کے لیے وقف ہے جس میں اشوک بھی شامل ہے۔ پانچویں باب میں ہندوستان، ایران اور یونان کے حالات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، چھٹے باب میں گپت عہد کا جائزہ لیا گیا ہے، ساتویں باب میں ہیون سانگ اور البیرونی کو موضوع بنایا گیا ہے اور آٹھویں باب میں دکن اور جنوبی ہند کی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔

غرض یہ کہ محمد مجیب نے 279 صفحات میں ہندوستان کے تمدن کو سمیٹا ہے اور سچ پوچھیے تو انھوں نے اپنے مستند تاریخ داں ہونے کا حق ادا کردیا ہے۔

—پروفیسر ظفر احمد نظامی

حصول آزادی کے لیے ہندوستان کی جدوجہد (1857-1947)

مصنف: پروفیسر بپن چندر، مترجم: سعید احمد انصاری

تحریک آزادی ہند پروفیسر بپن چندر اور ان کے ساتھیوں کے ذریعے لکھی گئی شہرۂ آفاق کتاب "Struggle for India's Independance" کا اردو ترجمہ سعید انصاری نے کیا ہے۔

'حصول آزادی کے لیے ہندوستان کی جدوجہد' مصنف اور اس کے ساتھیوں وشاگردوں کے ذریعے بنائے گئے فریم ورک ومنصوبے کے تحت قومی تحریک پر لکھی گئی ہے۔ جس پر اب بھی تحقیقی مطالعے کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کے لکھنے میں مصنف نے شائع اور غیر شائع شدہ رسالوں، محافظ خانوں سے حاصل دستاویزوں، ذاتی کاغذوں اور اخباروں کا پورا پورا استعمال کیا ہے۔ اس میں بپن چندر کی معلومات کی بنیاد ان 1500 سے زائد مجاہدین آزادی سے قلم بند بات چیت بھی ہے جنھوں نے 1918 سے اس تحریک میں حصہ لیا تھا۔ لیکن اس مواد کا استعمال محدود دائرے میں کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے اپنے کو انھیں حوالوں تک محدود رکھا ہے جو اچھی لائبریریوں میں آسانی سے دستیاب ہیں۔

بنیادی طور پر اس کتاب کے لکھنے کا مقصد مارکسی روایات کے تحت رہ کر مندرجہ ذیل نقطوں کا پتہ لگانا تھا۔ جیسے کالونیائی بھارت میں تضاد کی شکل، بنیادی اور ثانوی تضاد کا آپسی تعلق، انڈین نیشنل کانگریس اور اس کی قیادت یعنی قیادت کا طبقہ اور پارٹی سے رشتہ، تحریک کی مختلف شکلیں (اس میں اہنسائی شکل بھی شامل ہے) اور طبقاتی کردار، نظریہ، حکمت

عملی اور تحریک کا عوامی کردار وغیرہ کو ایسے ڈھانچے میں رکھ کر جانچا گیا ہے جو رجنی پام دت اوراے۔آر دیسائی مع دوسرے موجودہ قدیمی مارکسی نظریے سے کئی باتوں میں مختلف ہے۔

اس کتاب میں مختلف تحریکوں کے تعلق سے بحث کی گئی ہے مثلاً کانگریس کے وجود کے پہلے کسان اور قبائلی تحریکیں ، 1920 میں اکائی اور مندر رفارم تحریکیں ، پریس اور قانون ساز اسمبلیوں کے ذریعے چلائی گئی تحریکیں، کسانوں اور مزدوروں کی کاوشیں، کانگریس کے اندر اور باہر بائیں بازو (Leftists) کا ابھار، صوبائی عوام کی تحریکیں، سرمایہ داروں کی سیاست ،انڈین نیشنل آرمی (I.N.A.)اور رائل انڈین نیوی (RIN) کی بغاوت وغیرہ۔

'حصول آزادی کے لیے ہندوستان کی جدوجہد' قومی کونسل کے ذریعے شائع ہوئی بہترین کتابوں میں سے ہے۔

——ڈاکٹر عبدالسلام صدیقی

جنوبی ہند کی تاریخ

مصنف: کے اے نیل کنٹھ شاستری

پیش نظر کتاب سولہ باب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب 'تاریخی ماٰخذ کا جائزہ' ہے۔اس باب میں مورخین اور سیاحوں کے دستاویزوں، حکمراں خاندانوں کی سلسلہ وار علمی وادبی وثقافتی، سماجی ومذہبی سرگرمیوں اور فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ گوانھوں نے بطور ماخذ پتھر اور تانبے کے سکے اور ملکی اور بیرونی ادب کو پیش کیا جو تاریخ میں بے حداہم اور معتبر خیال کیے جاتے ہیں۔

دوسرے باب 'تاریخی پس منظر میں جغرافیائی حالات' میں شمال وجنوب، جزیرہ نما، مغربی گھاٹ، درے اور تجارتی راستے، مشرقی گھاٹ، دکن کا پلیٹو، بارش اور نباتات، ندیاں— گوداوری، کرشنا، بھیم، تنگ بھدرا، کاویری، نرمدا اور تاپتی، بندرگاہ اور مغربی ساحل کی پٹی، مشرقی ساحل اور دریاؤں کے ڈیلٹے اور کارومنڈل ساحل وغیرہ کا جغرافیہ پیش کیا ہے۔

تیسرے باب 'ابتدائی اقوام اور تہذیبیں' میں قدیم پتھر کا زمانہ، نیا پتھر کا زمانہ، چٹانوں پہ مصوری، بڑے بڑے پتھروں کا عہد اور ان کی تاریخ، آدمی چنلور اور نیلگری نسلوں کی اقسام، ہند آریائی، دراوڑ، آسٹرو ایشیا تک اور مغربی ایشیا میں دراوڑ زبان سے لسانیاتی مشابہت کے تحت یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ پورے ہندوستان میں سب سے پہلے آسٹرو ایشیائی پھر دراوڑ اور اس کے بعد ہند آریائی زبانیں رہی ہوں گی۔

چوتھے باب 'تاریخ کا آغاز— آریوں کا عروج' ہے۔ پانچویں باب 'موریہ سلطنت کا زمانہ' میں چندرگپت موریہ کے عروج وزوال پر اچھی گفتگو کی ہے۔

چھٹے باب 'ستواہن اور ان کے جانشین' میں ستواہنوں کے عہد حکومت کو موثر پیرائے میں بیان کیا ہے اور تجزیے دیے ہیں۔ ساتویں باب 'سنگم اور اس کے بعد کا عہد' پر بحث کی ہے۔

آٹھویں باب 'تین سلطنتوں کا تصادم' میں شاہی خاندانوں کی یورشیں، ریاست کے نظم ونسق وغیرہ موضوعات پر گفتگو کی ہے۔

نواں باب 'دو مملکتوں کا توازن' ہے۔

دسواں باب 'چار سلطنتوں کا عہد' ہے۔

بارہویں باب 'وجیہ نگر سلطنت' میں ہری ہراول، بکا اول، مدورا کی سلطنت کا خاتمہ، وجیہ نگر کی تباہی، ڈچ اور انگریزوں کی آمد اور کرناٹک سلطنت کا زوال قلم بند کیا ہے۔

تیرہویں باب 'معاشی ومعاشرتی حالت' میں درباری زندگی، عوام، زراعت، نقل وحمل، تاجر اور بحری تجارت، سکے اور ناپ تول کے پیمانے پر بحث کی ہے۔

چودہویں باب 'ادب' کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ سنسکرت ہے جس میں سوتر، تفسیر، بھاگوت، بیلے لیٹرس، صنائع بدائع، فلسفیانہ ادب، فرہنگ نویسی، صرف ونحو، موسیقی ورقص وغیرہ موضوعات شامل ہیں۔ دوسرا حصہ تامل میں بعد کا سنگم ادب، تیسرا حصہ کنڑ میں پمپا سے قبل کا ادب، چوتھا حصہ تیلوگو کا ابتدائی ادب اور پانچواں حصہ ملیالم میں ابتدائی ادب وغیرہ موضوعات پر پراثر، معنی خیز اور مدلل بحث کی ہے۔

پندرہویں باب 'مذہب اور فلسفہ' میں بھگتی کے مختلف مکاتب خیال، بدھ اور جین دھرموں کے خلاف ردِعمل، وجیہ نگر حکومت کے زمانہ میں مندر اور تہوار، بدھ مت، جین دھرم، آجیوک، اسلام اور عیسائی مذہب وغیرہ موضوعات پر روشنی ڈالی گئی۔ سولہواں باب 'فن کاری اور طرز تعمیر' ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں 'جنوبی ہند کی تاریخ' ایک بے حد اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے مصنف کے اے نیل کنٹھ شاستری ایک معتبر اور عظیم تاریخ داں ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں نہایت معتدل اور منصفانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ قارئین اس کتاب کی تاریخی اہمیت وافادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے پسند فرمائیں گے۔

——ڈاکٹر مجیب احمد خان

قدیم ہندوستان کی تاریخ

مصنف: رما شنکر ترپاٹھی، مترجم: سید تحی حسن نقوی

'قدیم ہندستان کی تاریخ' کے مصنف رما شنکر ترپاٹھی اور مترجم سید تحی حسن نقوی ہیں۔اس کتاب کے تین حصے ہیں اور اس میں (19) ابواب ہیں۔

اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ برہموں، بودھوں اور جینیوں کے ادبی خزانے میں ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہے جو کتاب سلاطین، تاریخ لیوی یا ہیروڈوٹس کی تاریخ کا مقابلہ کرسکے، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہندستان کا ماضی عظیم الشان کارناموں سے بالکل عاری ہے، اس کے برخلاف وہ تمام عہد، جرأت آفریں کارناموں، معاشرتی انقلاب اور خاندانی تغیرات سے بھرپور ہے، لیکن حیرت ہوتی ہے، جب ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ تمام واقعات ترتیب کے ساتھ باقاعدہ تاریخ کی صورت اختیار نہ کرسکے۔

ہجری عہد کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے مصنف نے بتایا ہے کہ وہ اپنے رہن سہن اور کھانے پینے کے لحاظ سے اپنی زندگیاں کس طرح گزارتے تھے۔ ساتھ ہی اس بات پر بھی کھل کر بحث کی گئی ہے کہ دراوڑ ہندستان کی سب سے پرانی مہذب نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

ہڑپا، موہن جوڈارو، معاصر تہذیبوں عراق، ایلم اور مصر اس عہد میں تانبے اور پیتل کی اشیا اور پتھر کے ہتھیاروں اور برتنوں رگ ویدی عہد میں آریوں کی اصل اور وطن، رگ ویدی آریوں کا جغرافیائی پس منظر، ان کے پیشے، تجارت اور زندگی کی دیگر خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رزمیہ شاعری کے تحت رامائن کی تاریخی حیثیت، مہابھارت کی تاریخی اہمیت کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی زیر بحث لائی گئی ہے۔

اگلا باب گوتم بدھ کا عہد ہے۔ اس باب میں بدھ مذہب سے قبل ہندستان کے سیاسی حالات اور مذہبی روایتوں اور حکایتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اس عہد کی ریاستوں سے متعلق بھی گفتگو کی گئی ہے۔

شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد پر گفتگو ہے۔

قرونِ وسطیٰ میں شمالی ہند کے ہندو خاندانی، داستانوں کے فرضی حکمراں، بنگال کی ابتدائی تاریخ، وارنگل کے کاک تیہ، مدورا کا پانڈیہ خاندان، جنوبی ہند میں ریاستوں کے عروج وزوال، انتظامی حکومت اور اقتصادی حالت سے یہ کتاب واقف کراتی ہے۔

'قدیم ہندستان کی تاریخ' میں تمام تر گفتگو حوالوں کے ساتھ کی گئی ہے جس سے اس کتاب کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

—— ڈاکٹر منور حسن کمال

تاریخ جهانگیر

مصنف: بینی پرشاد، مترجم: رحم علی الہاشمی

تاریخ جہانگیر بینی پرشاد کی ایک اہم اور معتبر کتاب ہے اور تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب تیس باب پر مشتمل ہے۔ مصنف نے جہانگیر کے بچپن کا زمانہ، اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت، عادات و اطوار، رہن سہن، رسم و رواج، جوانی اور شادی، محلوں کی چپقلشیں، خارجی و داخلی امور، شورشیں اور جنگیں، انتظامی صلاحیت و علمی مہارت، نور جہاں اور اس کا اقتدار پر قبضہ، جہانگیر کا دورۂ گجرات، کانگڑہ اور میواڑ کی فتح کے علاوہ چھوٹی چھوٹی فتوحات اور سلطنت میں الحاق، نور جہاں کے گروہ میں پھوٹ، جہانگیر دوبارہ دکن میں اور سلطان خسرو کی وفات وغیرہ کا مصنف نے مسلسل اور مفصل بیان کیا ہے۔

جہانگیر ایک نیک دل انسان تھا جسے اپنے خاندان والوں سے گہری محبت، ظلم سے شدید نفرت اور انصاف سے دلی لگاؤ تھا۔ وہ انسانیت، ملنساری اور فیاضی میں بے مثال تھا۔ اُس کی شراب نوشی پر بہت بڑھا چڑھا کر لکھا گیا ہے۔ اُس کی حکومت سلطنت کے امن و امان اور فلاح و بہبودی کے لیے مفید رہی۔ اس کے عہد حکومت میں تجارت کی ترقی ہوئی اور فنِ تعمیر نے عروج حاصل کیا۔ مصوری اعلیٰ درجے تک پہنچی اور ادب کو بہت فروغ ملا۔ اُسی عہد میں تلسی داس نے رامائن تصنیف کی۔ فارسی اور دل دیسی زبانوں کے نامور شعرا نے مل کر اس عہد کو رومن سلطنت کے بہترین دور کا ہم پلہ بنا دیا تھا۔ بہرحال جہانگیر کا عہد سیاسی دلچسپیوں سے مزین ہے۔

بینی پرشاد ایک مشہور مورخ ہیں۔ انھوں نے تاریخ جہانگیر لکھنے سے قبل متعدد تاریخوں کا مطالعہ کیا اور صحیح نتائج اخذ کیے اور غلط بیانیوں کا ازالہ کیا۔ انھوں نے عہد جہانگیر کو سچائی سے اسی طرح پیش کیا کہ اس عہد کا اصل منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ تاریخ جہانگیر تاریخی معلومات کا بیش قیمت خزانہ ہے۔ اس لیے اس کی اہمیت و افادیت مسلّم ہے۔

—— ڈاکٹر مجیب احمد خان

تاریخ ٹیپو سلطان

مصنف: محب الحسن

محب الحسن کی اس تصنیف کا ترجمہ حامد اللہ افسر اور عتیق صدیقی نے نہایت برجستگی اور روانی کے ساتھ کیا ہے۔ ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ اگر کتاب پر یہ بات درج نہ ہوتی تو کسی کو معلوم بھی نہ ہو پاتا کہ یہ ترجمہ ہے۔

اس کتاب میں ٹیپو کی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے واقعہ کو معتبر حوالوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ٹیپو اور انگریزوں کی دشمنی کا ذکر وہیں سے شروع ہوجاتا ہے جب حیدر علی بستر مرگ پر ہے اور اس کا بیٹا انگریزوں سے محاذ آرا ہے۔ انگریزوں نے سمجھا کہ حیدر علی کی موت نے ان کا کام آسان کردیا ہے لیکن ان کا خیال غلط ثابت ہوا۔ کامیاب جنگی حکمت عملی اور زبردست فوجی کارروائیوں میں ٹیپو کی ذہانت اور اس کے جاں نثاروں کی وفاداریوں نے انگریزوں کا چین سکون چھین لیا تھا۔

'تاریخ ٹیپو سلطان' میں ٹیپو کے آبا و اجداد کا تذکرہ، ٹیپو کی ابتدائی زندگی کے حالات تخت نشینی کے واقعات، اس کا نظم و نسق، جنگوں کی تفصیلات، سازشوں اور بغاوتوں سے نپٹنے کی تدابیر اور ان تدابیر کے نتائج، مرہٹوں اور نظام سے ٹیپو جنگ کا منظر نامہ، فرانسیسیوں اور ٹیپو کے تعلقات میں مضبوطی اور کشیدگی کی تمام گرہیں کھلتی نظر آتی ہیں۔ آخر کار ٹیپو کی شکست کا تجزیہ قارئین کی دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔ کتاب کے اکیسویں باب میں ٹیپو کے مذہبی افکار اور اس کی ذاتی پسند ناپسند پر مورخین مختلف آرا کے ساتھ موجود ہیں۔ کرک پیٹرک، رابرٹس اور سار دیسائی ٹیپو کو متعصب اور متشدد حکمراں تسلیم کرتے ہیں جبکہ سریندر ناتھ سین اسے روشن خیال مانتے ہیں اور ثبوت کے طور پر ذمے دار عہدوں پر غیر مسلم افسروں کے نام تحریر کرتے ہیں۔ بائیسویں باب میں ٹیپو کے ذاتی اور شخصی اوصاف و معائب کی پڑتال کی گئی ہے۔ مجھے ذاتی طور پر ان دونوں ابواب نے خوب محظوظ بھی کیا اور معلومات میں اضافے کا سبب بھی بنے۔ ضمیمے کے تحت ٹیپو اور پرتگالیوں کے تعلق سے بحث ہے۔ انگریز جنگی قیدیوں سے ٹیپو کے سلوک کے ضمن میں براؤننگ نے تو اسے سفاک ثابت کیا ہے لیکن دیگر مورخین ٹیپو کے دوستانہ رویے کی وکالت کرتے نظر آتے ہیں۔ ٹیپو کے سکے اور اس کی معروف تقویم 'مولوی' کا ذکر بھی دلچسپی سے عاری نہیں ہے۔

غرض مورخین کے علاوہ تاریخ کے طلبا اور عام قارئین کی دلچسپی کا سب سامان اس کتاب میں بہم پہنچایا گیا ہے اور وہ بھی معتبر تاریخی کتابوں کے حوالوں سے ٹیپو فہمی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ از بس لازمی ہے۔

—— راشد جمال فاروقی

منتخب التواریخ (اوّل، دوم، سوم)

مصنف: ملا عبدالقادر بدایونی، مترجم: علیم اشرف خان

'منتخب التواریخ' ملا موصوف کا عظیم شاہکار ہے، جس میں انھوں نے عہد اکبری کا بیش بہا خزانہ یکجا کردیا ہے۔ یہ شہنشاہ اکبر کے عہد کی اہم ترین تاریخی کتابوں میں سے ایک ہے۔ اسے 'تاریخ بدایونی' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے اندر مصنف نے سلطان محمود کے والد سبکتگین کے عہد حکومت یعنی 998 عیسوی سے لے کر اکبر کے عہد حکومت کے 40ویں جلوس یعنی تقریباً 60 برسوں کی تاریخ کا تجزیاتی اور ناقدانہ طور پر احاطہ کیا ہے۔ ملا صاحب کے مطابق انھوں نے اس کتاب میں اکبر کے 38 سالہ احوال اور مہمات بادشاہی کو حضرت خواجہ نظام الدین کی تصنیف سے اخذ کیا ہے۔ جب کہ باقی دو برس کا حال انھوں نے خود سے ہی جمع کیا ہے۔

'منتخب التواریخ' تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ 430 صفحات پر مشتمل پہلی جلد عہد غزنوی سے شروع ہوکر عہد ہمایوں پر ختم ہوتی ہے، جس میں عہد ہمایوں کے شعرا جنوبی بدخشی، وفائی، نادری، فارغی، جاہی، حیدر تونی، طاہر دکنی، خواجہ ایوب کا خاطر خواہ ذکر ہے۔ دوسری جلد شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کی تخت نشینی سے شروع ہوتی ہے اور ملک الشعرا فیضی کے انتقال پر ختم ہوتی ہے۔ موصوف نے اس کے اندر دلچسپ واقعات و لطائف، مختلف فتوحات اور متعدد معاصرین جیسے شیخ سلیم الدین چشتی، شیخ داؤد علی جہنی، حکیم ابوالفتح گیلانی، ابوالفضل، شیخ مبارک اور ملک الشعرا فیضی وغیرہ کا ذکر کیا ہے، جب کہ تیسری جلد میں اس 60 سالہ عہد کے ادبا، شعرا، علما، حکما اور مشائخ کے احوال کا تذکرہ ہے۔ گویا یہ کتاب اس عہد کی بہترین عکاس ہے۔ اس میں اگرچہ تاریخ کے ہر پہلو کو نہ سمیٹا گیا ہو لیکن اس کے طرز تحریر سے اتنی بات ضرور ہے کہ اس کو پڑھنے کے بعد دربار اکبری اور عہد اکبری کا نقشہ ضرور ہمارے ذہنوں میں متصور ہوجائے گا۔

فارسی کے اس عظیم شاہکار کو علیم اشرف خاں نے اردو کا دلکش لباس پہنایا ہے جو بلاشبہ لائق تحسین اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔

—— مغیث احمد ملیگ

سوانح و تذکرے

حیات جاوید

مصنف: الطاف حسین حالی

'حیات جاوید' سرسید کی سوانح عمری ہے جسے ان کے رفیق کار الطاف حسین حالی نے ضبط تحریر میں لانے کے لیے بڑی محنت اور لگن سے کام لیا ہے اور صاحب سوانح کی زندگی سے متعلق مواد کی فراہمی میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔ مولانا حالی کی یہ وہ بیش بہا تحریر ہے جسے سرسید احمد خاں کی زندگی اور قومی خدمات کی تفسیر کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

'حیات جاوید' کو سرسید کی ایک جامع اور مبسوط سوانح عمری کا درجہ حاصل ہے۔ 907 صفحات پر مشتمل اس کتاب کو مصنف نے بہ غرض سہولت دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔ پہلے حصے میں سرسید کی زندگی کے چھوٹے بڑے تمام واقعات کو قلم بند کیا گیا ہے اور ان کے کام کے طریقوں پر از ابتدا تا آخر ترتیب وار روشنی ڈالی گئی ہے جب کہ دوسرے حصے میں سرسید کی عملی زندگی کو موضوع بناتے ہوئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے قیام، تہذیب الاخلاق کی اشاعت اور دیگر اہم تصنیفی خدمات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

''حیات جاوید'' کو پیش کرتے ہوئے حالی نے قاری کے لیے یہ سہولت رکھی ہے کہ سرسید کی زندگی کے کسی حصے سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے پوری کتاب پڑھنے کی ضرورت در پیش نہ ہو۔ چنانچہ انھوں نے کتاب کو دو حصوں میں منقسم تو کیا ہی ہے ساتھ ہی ساتھ پہلے حصے کو چھ ابواب میں بھی بانٹ دیا ہے اور تاریخ وار ذیلی عنوان بھی قائم کیے ہیں۔ پہلے باب میں مصنف نے 1817 سے 1838 تک کی مدت کا احاطہ کیا ہے جس کے تحت سرسید کی پیدائش سے لے کر عنفوان شباب تک کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ خاندانی پس منظر کو بھی پیش کیا گیا ہے اور تعلیمی سرگرمیوں کو بھی ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ دوسرا باب 1838 سے 1857 کے دور پر مشتمل ہے۔ حالانکہ اس باب کا آغاز سرسید کی ملازمت سے ہوا ہے لیکن سرسید کی شہرۂ آفاق کتاب ''آثار الصنادید'' نیز ''آئین اکبری'' کی تصحیح اور تقریظوں وغیرہ کو بھی اس باب میں شامل کیا گیا ہے۔ تیسرا باب اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں ایام بغاوت کے خوں چکاں مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ یہ باب 1857 سے 1868 تک کے دور پر مشتمل ہے۔

'حیات جاوید' کا چوتھا باب 1869 سے 1870 پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں سرسید کے بیرونی اسفار اور دیار غیر میں ان کی سرگرمیوں کا احاطہ کیا گیا ہے جو سفر انگلستان اور سفر عرب کے احوال پر مشتمل ہے۔

اس باب میں 'خطبات احمدیہ' کی تصنیف کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔ کتاب کا پانچواں باب سرسید 1870 سے 1878 تک کی زندگی پر محیط ہے جس میں وطن واپسی کے بعد قوم کو جمود سے بیدار کرنے کی کوششوں کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

— شاہد الاسلام

مولانا ابوالکلام آزاد: ایک مطالعہ

مرتب: پروفیسر عبدالستار دلوی

مولانا ابوالکلام آزاد کیا تھے اور مولانا آزاد کی فکر کی عصری معنویت کیا ہے؟ اسے کلی طور پر سمجھنا آج جتنا ضروری ہے اتنا شاید پہلے کبھی نہیں تھا۔ شاید یہی وہ پُر خلوص احساس ہے جس نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کو 'مولانا ابوالکلام آزاد- ایک مطالعہ' شائع کرنے پر آمادہ کیا۔ مشہور محقق اور دانشور پروفیسر عبدالستار دلوی کی مرتب کردہ اس کتاب میں، ہندوستانی سیاست، علم و ادب، تاریخ و ثقافت اور صحافت سے وابستہ مستند اور معتبر مشاہیر کے مضامین شامل ہیں۔ ان مشاہیر کی فہرست میں ہر نام بجائے خود اپنے اپنے میدانوں میں معیار و اعتبار کے پیمانے کا حکم رکھتا ہے۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد، ڈاکٹر ذاکر حسین، پنڈت جواہر لعل نہرو، غلام رسول مہر، ہمایوں کبیر، پنڈت سندر لال، حمیدہ سلطان، پروفیسر رشید الدین خان، خواجہ احمد فاروقی، نیاز فتحپوری، علامہ سید اختر علی تلہری، پروفیسر خلیق احمد نظامی، مالک رام، ارونا آصف علی، سید حامد، انور معظم عالم خوندمیری اور دیگر تمام مقالہ نگار وہ ہیں جنھوں نے مولانا آزاد کو بہت قریب سے دیکھا، سمجھا، پرکھا اور برتا تھا اور چونکہ ان میں سے ہر ایک نابغۂ روزگار بھی رہا ہے۔ اس لیے ان کے مقالوں میں مولانا کی علمی، ادبی، صحافتی، سیاسی اور مذہبی افکار و تصورات، تجزیات و تفاسیر کے قابل فخر کارناموں کی تہوں اور طرفوں کو جس جس انداز میں کھول کر پیش کیا گیا ہے، وہ تحقیق و تجزیہ کے قابل فخر معائر قائم کرتے ہیں۔ مشمولہ مقالوں کی سنجیدہ قرات، فکر آزاد کے متعدد اور مختلف النوع پہلوؤں کو سامنے لاتی ہے۔ لیکن ملک کی عصری، سماجی و ثقافتی صورت حال کے تناظر میں، 'متحدہ قومیت' (یعنی ہندو مسلم اتحاد) سے متعلق مولانا کا نظریہ سب سے زیادہ غور و فکر اور توجہ کا مطالبہ کرتا ہے۔

مولانا آزاد کی شخصیت اور 'فکر آزاد' کی عصری معنویت کیا ہے؟ اس کی غیر جانب دارانہ توضیح و تعبیر، ادب یا صحافت کا معاملہ ہونے سے کہیں زیادہ، عصری ہندوستانی معاشرے میں وطن عزیز کی نئی نسلوں کے لیے ایک لازمی ضرورت ہے۔

— پروفیسر قدوس جاوید

ابوالکلام آزاد : ایک ہمہ گیر شخصیت

مرتب: رشیدالدین خان

یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی نے تیسری مرتبہ 2013 میں شائع کی ہے۔ اس کی پہلی اشاعت 1989 میں ہوئی تھی کیونکہ 1988 مولانا ابوالکلام آزاد کا صد سالہ یوم پیدائش تھا۔

رشیدالدین خاں نے ان مقالات کو چھ حصوں میں منقسم کیا ہے۔

مقدمے میں رشیدالدین خان نے تمام مقالات کو سامنے رکھ کر مولانا ابوالکلام آزاد کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

حصہ 'الف' میں 'ذہن وفکر' کے عنوان کے تحت چار مقالات شامل ہیں۔

حصہ 'ب' تغیر وتفہیم کے تحت بھی چار مقالات شامل ہیں۔

حصہ 'ج' کے عنوان 'صحافت اور ادارت' کے تحت سید مظفر حسین برنی کا 'مولانا آزاد کا مقام' ہندوستانی صحافت میں اور احمد سعید ملیح آبادی کا 'ابوالکلام آزاد—ادیب اور صحافی' دو مضامین شامل ہیں۔ حصہ 'د' 'انشا و اسلوب' میں چار مضامین ہیں: 'مولانا آزاد کا اسلوب نثر'، آل احمد سرور 'جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر—صدیق الرحمن قدوائی 'مولانا آزاد کا اسلوب نگارش' عصمت جاوید اور 'ابوالکلام آزاد اپنے مضامین کے آئینے میں' سیدہ جعفر۔

اس کتاب کا ہر مضمون اپنی ہی نوعیت کا ہے۔

—ڈاکٹر ٹی آر رینا

ظ. شناسی

ترتیب، تعارف اور تقدیم: شمیم طارق

'ظ شناسی' ڈاکٹر ظ انصاری کے منتخب علمی و ادبی مقالوں، فن پاروں، کے تنقیدی جائزوں، بامعنی تبصروں، پر اثر جملوں اور پرکار اداریوں کا مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ قومی معروف نقاد و محقق شمیم طارق نے ترتیب دیا ہے اور ان ہی کے مقدمے اور تعارف کے ساتھ کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

مبصر، مترجم، نقاد اور لغت نگار ڈاکٹر ظ انصاری پر یوں تو کئی اہم علمی و ادبی شخصیتوں نے مختصر مضامین لکھے ہیں مگر یہ کہنا درست ہے کہ ان کی شخصیت اور فکر وفن کا مکمل تعارف شمیم طارق نے ہی کرایا ہے جو اردو ادب میں خود بھی کئی حیثیتوں سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی تصانیف 'غالب اور ہماری تحریک آزادی' کا تیسرا اڈیشن اور 'صوفیہ کی شعری بصیرت میں شری کرشن' کا دوسرا اڈیشن حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ ظ انصاری کے انتقال کے بعد ہفت روزہ بلٹز ممبئی اور پھر ماہنامہ آج کل (اردو) میں ان کے جو مضامین شائع ہوئے تھے وہ اہل علم میں بہت مقبول ہوئے تھے۔

زیر تبصرہ کتاب 'ظ شناسی' کہنے کو تو ترتیب و تالیف ہے جس میں ظ انصاری کے منتخب مضامین شامل کیے گئے ہیں مگر شمیم طارق کی عرق ریزی اور خوش سلیقگی نے اس ترتیب و تالیف کو گرانمایہ تحقیقی اور تنقیدی کارنامہ کہے جانے کا مستحق بنا دیا ہے۔ کتاب کی ابتدا میں طویل مقدمہ (تقدیم) ہے جس میں انھوں نے ظ انصاری کی فکر اور نظریے کا تنقیدی جائزہ پیش کرنے کے ساتھ ان کی شخصیت کے بعض ایسے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے جس سے اردو کے عام قاری واقف نہیں تھے۔

پرمغز مقدمہ (تقدیم) کے علاوہ شمیم طارق نے ایک بہت اہم کام یہ بھی کیا ہے کہ ظ انصاری کے ان منتخب مضامین کو جو اس کتاب میں شامل ہیں موضوع اور مزاج کے مطابق الگ الگ ابواب میں تقسیم کر دیا ہے اور پھر ہر باب کا ایک عنوان قائم کر کے اس باب کی ابتدا میں تعارفی نوٹ دے دیا ہے۔

منتخب مضامین کے عنوانات جنھیں مرتب نے 'ظ شناسی کے زینے' سے تعبیر کیا ہے، یہ ہیں:

1 خود شناسی (نامکمل آپ بیتی - طبقہ واریت اور فرقہ پرستی کے خلاف پہلا ردعمل)
2 لفظ شناسی (لفظوں کی تہذیب، تاریخ اور ماخذ کی نشاندہی)
3 فن اور فنکار شناسی (ادیبوں، شاعروں پر تحقیقی تنقیدی مضامین)
4 کتاب شناسی (خدالگتی..... علمی ادبی کتابوں پر بے لاگ تبصرے)
5 اخبار شناسی (صحافتی مضامین اور اداریے)
6 زبان شناسی (ادبی شہ پاروں کے ترجموں میں مصنف اور شاعر کے منشا کا لحاظ)

کتاب کی ابتدا میں مرتب نے ظ انصاری کی تصانیف، لغات اور ترجموں کی فہرست بھی دے دی ہے۔ اس کی تیاری میں ان کو تلاش عرق ریزی کا مظاہرہ کرنا پڑا ہوگا۔ یہ ان کا تحقیقی کارنامہ ہے کیونکہ ظ انصاری کی کتابوں کی کوئی فہرست موجود نہیں تھی۔ شمیم طارق نے حتی الامکان مکمل فہرست پیش کی ہے مگر انھوں نے اس کو مکمل فہرست نہیں قرار دیا ہے کیونکہ ان کے مضامین بکھرے ہوئے ہیں۔ کسی کتاب کے چھوٹ جانے کے امکان سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

—ڈاکٹر محمد ہادی رہبر

کرناٹک کی ادبی شخصیات

مصنف: محمد خورشید عالم ندوی

'کرناٹک کی ادبی شخصیات'، میں آٹھ شخصیتوں پر خورشید عالم نے قلم اٹھایا ہے وہ شخصیتیں بالترتیب محمد قاسم غم، محمد شریف، محمد یوسف نفیس بنگلوری، سید غوث محی الدین، ممتاز شیریں، سلیمان خطیب، محمود ایاز اور حمید الماس ہیں۔ ان شخصیتوں نے اردو ادب کے میدان میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ بڑی حد تک ناقابل فراموش ہیں۔ یہ لوگ ایک اچھے ادیب وشاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے انسان بھی تھے۔

خورشید عالم کی زبان سادہ اور عام فہم ہے، انھوں نے مذکورہ شخصیات پر اس کتاب میں اتنا مواد جمع کر دیا ہے کہ ریسرچ اسکالروں کی رہنمائی کے لیے کافی نظر آتا ہے اور وہ اس کتاب کے صفحات کے توسط سے ان شخصیتوں کے دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالنے میں یقیناً آسانی محسوس کریں گے۔ مثلاً ہمیں اس کتاب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جنوب کے اولین دینی اخبار 'منشور محمدی' کے مدیر محمد قاسم غم اور انہی کے ہم رکاب محمد شریف رہے ہیں۔ دکنی زبان وادب کے ترجمان اور ممتاز مزاحیہ شاعر سلیمان خطیب ہیں۔ ممتاز شیریں سے تو ایک زمانہ واقف ہے۔ میدان صحافت میں روزنامہ 'الکلام' کے بانی ومدیر سید غوث محی الدین ہیں۔

—ڈاکٹر منور حسن کمال

پرواز (خودنوشت سوانح عمری)

مصنف: اے پی جے عبدالکلام، مرتب: ارون تیواری، مترجم: حبیب الرحمٰن چغانی

زیرتبصرہ کتاب 'پرواز' اول پاکر جین العابدین (ابوالفاخر زین العابدین) عبدالکلام کی خودنوشت سوانح عمری ہے۔ اس کی ترتیب وتالیف ارون تیواری نے کی ہے۔ ارن تیواری برسوں تک 'آکاش' میزائل کی تشکیل وتکمیل میں اے پی جے عبدالکلام کی تجربہ گاہ میں انھیں کی زیرتربیت کام کرچکے ہیں اور سفروحضر میں ان کے ساتھ بار ہا رہے ہیں۔

اے پی جے عبدالکلام کی پیدائش 1931 میں رامیشورم تمل ناڈو میں ہوئی۔ ان کے والد جین العابدین (زین العابدین) اور ان کی والدہ آشی اما گرچہ زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھیں مگر ان کی تعلیم وتربیت اور پرورش و پرداخت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی اور اپنی زندگی کے آخری لمحے تک ان کی تعلیم وتربیت میں انھیں خوب سے خوب تر بنانے میں ہمیشہ کوشاں رہیں۔ یہ ان کے والدین کی تربیت کا ہی اثر تھا کہ وہ نہ صرف ایک عظیم سائنس داں کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں بلکہ ان کا شمار ہندوستان بلکہ دنیا کے مہذب اور شریف النفس انسانوں میں ہوتا ہے۔ ان کی انتھک محنت، کوشش اور لگن کی وجہ سے آج ہندوستان کا شمار بین الاقوامی سطح پر طاقتور ایٹمی ملک میں ہوتا ہے۔ انھیں کے علم وتجسس کی بدولت ہندوستان نے یکے بعد دیگرے اگنی، پرتھوی، آکاش، ترشول اور ناگ جیسی میزائلوں کا تجربہ کیا اور پوری دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ بین الاقوامی سطح پر ایٹمی میدان میں وہ کسی سے کم نہیں ہے۔ مذکورہ کتاب میں اے پی جے عبدالکلام کی پیدائش، والدین، اعزاواقربا، احباب واساتذہ، شہر، وطن، تعلیم وتربیت، ملازمت بالخصوص میزائل کی تشکیل وتکمیل ان کی جدوجہد، دیوانہ وارورلگن تفصیل سے مرقوم ہیں۔

اے پی جے عبدالکلام نے رامیشورم المنٹری اسکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ شوارٹس ہائی اسکول راماناتھ پورم سے ہائی اسکول کی تعلیم سینٹ جوزف کالج تری چی سے انٹرمیڈیٹ اور بی ایس کی تعلیم مکمل کی۔ MIT مدراس سے بی ٹیک (فضائی انجینئرنگ) کیا۔ MIT سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد تربیت کے لیے بنگلور کا سفر کیا۔ یہاں پر انھوں نے ہندوستان ایروناٹکس لمیٹڈ (HAL) میں ہوائی جہاز کے انجن کی اوور ہالنگ کی اور اسی اثنا میں وہ فضائی رموز سے آگاہ بھی ہوئے۔ HAL سے نکلنے کے بعد انھوں نے ملازمت کے لیے ایئرفورس سلیکشن بورڈ (AFSB) دہرہ دون اور وزارت دفاع کی ٹیکنیکل ڈیولپمنٹ اینڈ، روڈکشن (DTD&P (Air) کے لیے درخواستیں بھیجیں دونوں جگہوں پر انھوں نے انٹرویو بھی دیا۔ ان کی تقرری 1958 میں بحیثیت ڈائرکٹر DTD&P دہلی میں ہوئی۔ یہیں پر ملازمت کے دوران ملک اور بیرون ملک کے مشہور سائنسدانوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ Air Craft and Armament Tesling Unit (A&ATU) کانپور Aeronautical Development Establishment (ADE) بنگلور میں بطور سائنسداں کام کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی تقرری انڈین کمیٹی فار اسپیس ریسرچ (INCOSPAR) میں بطور راکٹ انجینئر کے ہوئی۔ اس کے سلسلے میں کچھ ایام انھوں نے National Aeronautics and Spacie Administration (NASA) امریکہ میں گزارا۔ 21 نومبر 1963 کو ہندوستان کا پہلا راکٹ لانچ ہونے والا تھا۔ NASA سے واپسی کے بعد اے پی جے عبدالکلام اس مہم سے جڑ گئے اور ریٹائرمنٹ کے بعد کئی سالوں تک Indian Satellite Launch Vehical سے جڑے رہے اور SLV2, SLV1 اور SLV3 کے پروجیکٹ پر کام کیا اور ہندوستان کو اگنی، پرتھوی، آکاش اور ناگ جیسے میزائل عطا کیے۔ یہ ان کی کوشش اور محنت کا ہی نتیجہ تھا (جس میں ان کی ایمانداری بھی شامل تھی) کہ آج ہندوستان کا شمار بین الاقوامی میزائلی طاقت میں ہوتا ہے۔

مذکورہ کتاب جہاں ایک طرف اے پی جے عبدالکلام کی اسلحہ سازی کی زندگی سے عبارت ہے۔ وہیں اس کتاب میں ان کے خاندانی حالات، ان کی زندگی کے دیگر پہلوؤں مثلاً خدائے واحد پر یقین کامل، ان کی منکسر المزاجی، ان کی انتھک محنت اور سب سے بڑی بات ملک وقوم کے خودسپردگی، ان کے دوست واحباب، اساتذہ واتالیق، انعامات واکرامات ہندوستان کے مشہور سائنسدانوں پر توجہ صرف کی گئی ہے۔ یقیناً یہ کتاب نہ صرف اے پی جے عبدالکلام کی سوانح حیات ہے، بلکہ ہندوستان کی موجودہ تاریخ بھی ہے جس میں اس زمانے کے دفاعی تحقیقی اور ترقیاتی پروگراموں کا بتدریج ذکر کیا گیا ہے۔

— عبدالحمید

زندگی نامہ: قرۃ العین حیدر

مرتب: ڈاکٹر جمیل اختر

یہ کتاب بائیس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں قرۃ العین حیدر کی زندگی کے آغاز وانجام اور ادبی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ دوسرے باب میں ان کی تحریروں یعنی افسانہ، ناول، ناولٹ، رپورتاژ، مضامین، خاکے، بچوں کا ادب، انگریزی میں شاعری، دیباچے، پیش لفظ، تقریظ، انتسابات، تخلیقی اشارے، افسانے وناول کا جائزہ لیا ہے۔ تیسرے باب میں ان کی صحافت اور فلم سازی پر روشنی ڈالی ہے۔ چوتھا باب مصوری اور پانچواں باب تراجم کی فہرست پر مختص ہے۔ چھٹے باب میں انٹرویو اور ساتویں باب میں تالیفات کی فہرست کا ذکر ہے۔ آٹھویں باب میں دامانِ باغباں کے خطوط کی فہرست پیش کی ہے اور نویں باب میں کفِ گل فروش کی تصویروں پر تبصرہ کیا ہے۔ دسویں باب میں ان کی تحریروں کے دس ملکی اور دو غیرملکی (انگریزی اور روسی) زبانوں کے تراجم کی فہرست دی ہے۔ گیارہویں باب میں ان مجموعہ مضامین کا ذکر ہے جو دوسروں نے ان پر مرتب کیے ہیں۔ بارھواں باب 'کلیات آئینۂ جہاں' کے بارے میں ہے۔

تیرھویں باب قدرشناسی، میں ان کے ناولوں اور افسانوی مجموعوں پر شخصی اور فنی مضمون لکھنے والوں کی فہرست پیش کی ہے اور ہمعصر ادیبوں کے تاثرات اور خراج عقیدت پیش کرنے والوں کی فہرست شامل ہے۔ چودھویں باب میں قرۃ العین حیدر پر جو تحقیقی مقالے لکھے گئے ان کی فہرست شامل ہے۔ پندرھویں باب میں رسالوں کے خصوصی نمبر کی فہرست ہے۔ سولھویں باب میں فکروفن اور شخصیت پر کتابوں کی فہرست شامل ہے۔ سترھویں باب میں حوالہ جاتی کتابوں کی فہرست ہے۔ اٹھارھویں باب میں قرۃ العین حیدر کے نام معنون کتب کی فہرست درج ہے۔ انیسویں باب میں ان پر لکھے گئے دوسری زبانوں کے مضامین (ہندی، انگریزی اور پنجابی) کی فہرست ہے۔ بیسویں باب میں اخبارات ورسائل جس میں ان کی تحریریں شائع ہوئیں ان کی فہرست درج ہے۔ اکیسویں باب میں ان کی کتابوں اور افسانوں کے عنوانات جو اشعار سے ماخوذ ہیں ان اشعار، عنوان اور کتب کی فہرست شامل ہے۔ آخری باب میں قرۃ العین حیدر کی کتابوں کے جعلی ایڈیشن کے بارے میں گفتگو کی ہے اور تحقیق میں معاون کتابوں کی فہرست دی ہے۔

ڈاکٹر جمیل اختر نے قرۃ العین حیدر کے شخصی اور ادبی کارناموں کا 'اشاریہ' بڑی محنت ومشقت سے پیش کیا ہے۔

— ڈاکٹر مجیب احمد خان

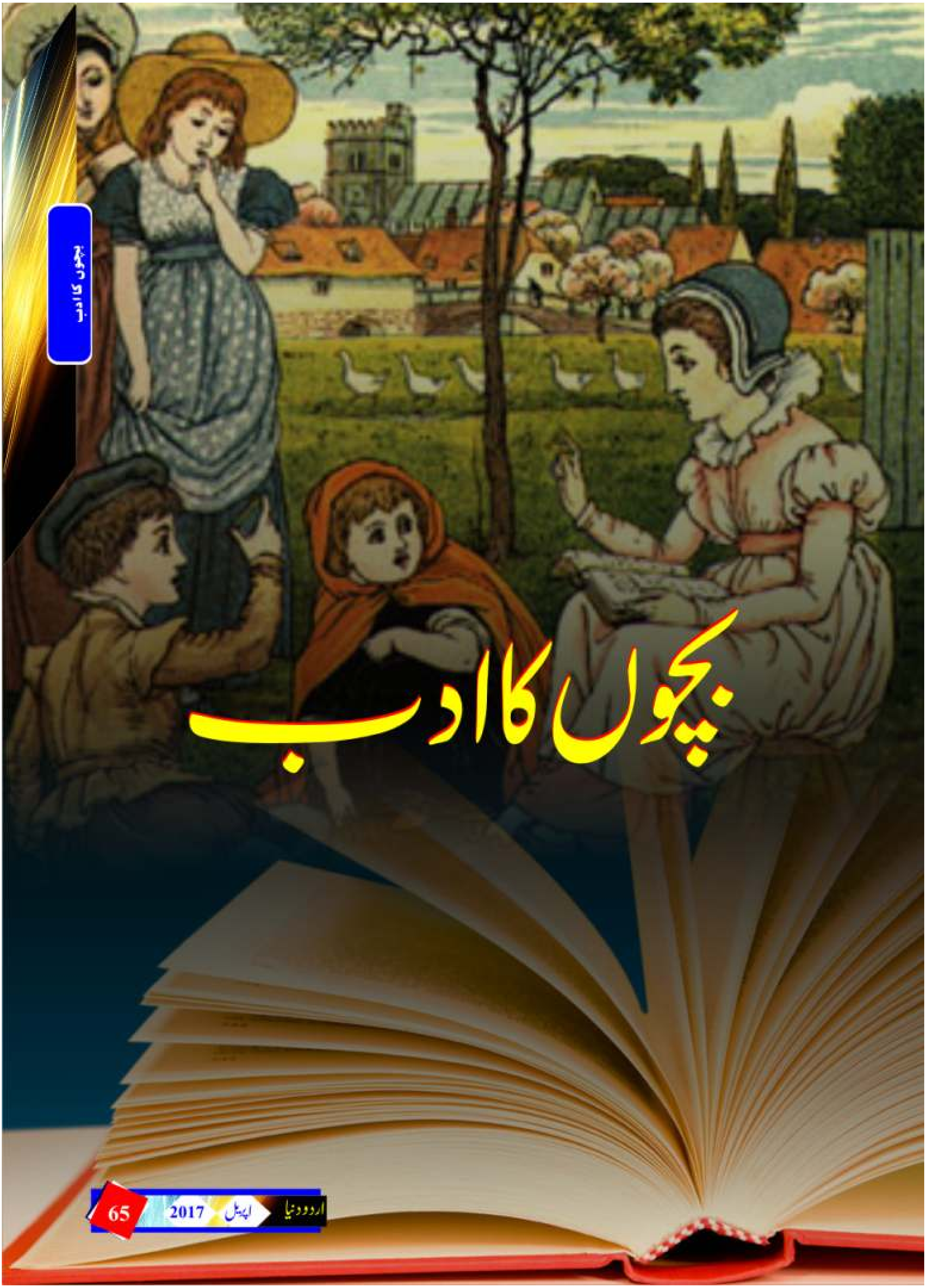

بچوں کا ادب

بچوں کا ادب

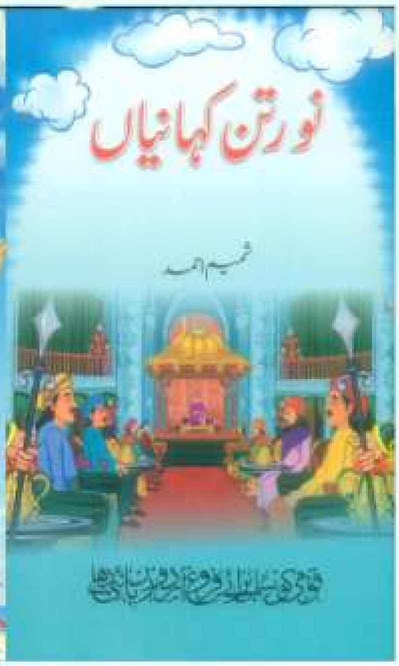

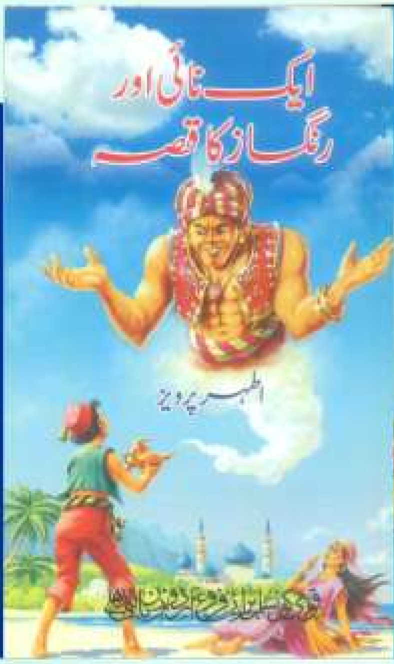

منٹو اور آنکلو

مصنف: شیریں نیازی

بچوں کے لیے شیریں نیازی نے بہت سی نصیحت آموز کہانیاں لکھی ہیں۔ شیریں نیازی کا یہ مجموعہ 'منٹو اور آنکلو' ایسا مجموعہ ہے جو قاری کو تادیر ایک ذہنی کشاکش میں مبتلا رکھتا ہے، یہ کہانیاں ہمارے احساس کی کسی نہ کسی سطح کو بیدار کرنے میں کامیاب رہتی ہے۔

اس مجموعے کی پہلی کہانی ایک دس بارہ سال کے شبلی نام کے لڑکے کی کہانی ہے جو اپنی سوجھ بوجھ اور ذہانت سے کوئلے کی ایک کان میں کام کرنے والے سات کارکن کو موت کے منھ سے نکال لاتا ہے۔ یہ کام اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر بڑی مستعدی سے کیا۔ یہ ایک معمولی خاندان کا بچہ ہے جو اپنی محنت لگن سے ترقی کی منزلیں طے کرتا ہے۔ اس کہانی سے بچوں میں اتفاق واتحاد پیدا ہوتا ہے، اور زندگی میں محنت کے ساتھ ترقی کے تصور کو جوڑ کر دکھایا گیا ہے، کوئلے کی کان کے بارے میں بھی بچوں کی معلومات میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ شبلی کی کہانی کے ذریعے مزدور اور غریب طبقے پر ہو رہے ظلم وتشدد پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کہانی ایک سچے واقعہ پر مبنی ہے۔

مجموعے کی دوسری کہانی 'منٹو اور آنکلو' ہے جس میں ایک سات سال کے بچے کی کہانی ہے۔ اس کی ماں مرجاتی ہے وہ اپنی پھوپھی کے ظلم وتشدد کا شکار ہوکر بھٹک جاتا ہے۔ اسی بیچ اس کو آنکلو نام کی ایک پری مل جاتی ہے۔ دونوں مل کر زندگی کے تمام مسائل کو حل کرلیتے ہیں۔ اس کہانی میں طلسمات کی دنیا موجود ہے جو قاری کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

تیسری کہانی 'اتحاد اور اتفاق' ہے۔ یہ بچوں کے لیے سبق آموز کہانی ہے اور بچوں میں خود اعتمادی اور اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ اس میں ایک باغیچے کی کہانی ہے جس میں سبھی پرندے مل جل کر رہتے ہیں۔ لیکن کسی غلط فہمی کا شکار ہوکر ان میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ بعد میں انھیں غلطی کا احساس ہوتا ہے اور اتحاد کے ساتھ رہنے لگتے ہیں۔

اس مجموعے کی پہلی اور دوسری کہانی کے مطالعے سے اس جگہ کے تہذیب وادب سے گہری واقفیت ہوجاتی ہے۔ شیریں نیازی کا نقطۂ نظر مثبت اور واضح ہے۔ زبان و بیان بھی سادہ، عام فہم رواں اور تخلیقی ہے اس طرح کی کہانیاں اب اردو میں نہ کے برابر لکھی جارہی ہیں اور خاص کر طلسمات کی دنیا سے متعلق کہانیاں آج کے بچوں کے ادب میں انتہائی مفقود ہیں۔ حالاں کہ آج سے چند دہے قبل تک اس طرح کی کہانیاں لکھنے کا رواج تھا اور گھروں میں دادی اماں اور نانی اماں اس طرح کی کہانیاں بھی سناتی تھیں۔ اب یہ دونوں سلسلے ختم ہوگئے ہیں۔ اس منظر نامے میں شیریں نیازی کی مذکورہ کتاب ادب اطفال میں بیشک ایک اضافہ ہے اور اسے پڑھنے کے لیے بچوں کو ضرور ترغیب دینا چاہیے۔

— ریحانہ فاطمہ

آدم زاد پری لوک میں

مصنف: ضمیر درویش

بچے قوم وملت کی امانت ہیں، ان کی پرورش، نگہداشت، تعلیم وتربیت اور ان کی معصوم شخصیت کو سجانے اور سنوارنے کے لیے جو قدم اٹھائے جائیں گے، ان کے نتائج اُسی وقت بہتر آسکتے ہیں، جب والدین، اساتذہ اور جملہ متعلقین اپنی اپنی ذمے داریوں کا احساس کرتے ہوئے اسے بجا طور پر انجام دیں خصوصاً ماں کی گود اور گھریلو ماحول بچے کی زندگی پر گہرا اثر اس لیے ڈالتے ہیں کہ دن ورات ان کا ساتھ رہتا ہے۔ دورانِ پرورش بچوں کو اچھی عادتیں سکھانا جیسے سچ بولنا، بڑوں کی عزت کرنا، آپس میں مل جل کر کھیلنا، کھانا وغیرہ مستقبل کے لیے نہایت کار آمد ہے۔

بچوں میں خصوصاً کہانی سننے کا بڑا شوق ہوتا ہے، اور یہ سلسلہ قدیم زمانے سے ہی گھروں میں رائج ہے، نانی، دادی، ماموں وغیرہ اس عمل کو انجام دیتے ہیں۔ رات کو سوتے وقت اکثر بچوں کی فرمائش اور اصرار پر یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ حالانکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں کہانیوں کے لکھنے، کہنے اور سنانے کے ڈھنگ اور طریقے میں کافی تبدیلی آئی ہے پھر بھی، جن، بھوت، پریوں کی کہانیاں اور قصے بچے بڑے شوق اور ہمہ تن گوش ہوکر سنتے ہیں، کہانی سنانے کا مقصد جہاں ایک طرف بچوں میں اچھے اور برے کی تمیز پیدا کرنا، بزدلی سے بچنا، بہادر بننا ایک دوسرے کی مدد کرنے میں آگے رہنا، پریشانیوں، اور مصیبتوں سے مقابلہ کرکے فتح حاصل کرنا ہوتا ہے، وہیں دوسری جانب وقت کا صحیح استعمال، ان کی زبان وبیان، اور خاموشی سے دوسروں کی بات کو سننے کی عادت ڈالنا بھی ہے۔

زیر تبصرہ کہانی 'آدم پری لوک میں' ایک ایسی کہانی ہے جو پریوں، آدم زاد، جن اور راکشس وغیرہ کے اردگرد گھومتی ہے۔ ضمیر درویش نے اسے دلچسپ اور سہل زبان میں لکھ کر مزید پرکشش بنا دیا ہے، کہانی کے خالد، سہیل، اشوک اور من جیت سنگھ آدم زاد کردار ہیں، جب کہ پریوں کی رانی نیلم پری اور اُس کی ساتھی پریاں، اور راکشس لوہمک

بھی ہیں، یہ راکشس رانی پیری کا دشمن ہے مگر گلگلا ؤ ایک وفادار راکشس ہے۔

''آدم زاد پری لوک کہانی'' میں گیارہ چھوٹے چھوٹے حصے اور ہر حصے میں چھوٹے چھوٹے کئی واقعات رونما ہوتے ہیں، لیکن وہ آپس میں مربوط ہیں کہانی کا تسلسل اور اس میں پیش آنے والے حیرت سے بھر پور واقعات اُسے مزید دلچسپ بنا دیتے ہیں۔

ضمیر درویش اس کہانی کے ذریعے کئی اہم نکات کی جانب اشارے کر کے انسانی فطرت، پریوں کی خصلت اور راکشسوں کی طاقت کو بخوبی اجاگر کرتے ہیں۔ کہانی کی ابتدا بڑے اعلیٰ مقصد کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے اس کے تحت خالد اور ان کے دوست ضرورت مند بچوں کو گاؤں سے تلاش کر کے اُن کی پڑھائی کے سلسلے میں اُن کی معاونت کرتے ہیں، ایک چرواہے بچے کی مدد ان بچوں کے ذریعے کی جاتی ہے اور اسی مدد کے نتیجے میں خالد پریوں کے دیس پہنچ جاتا ہے، حالانکہ پریوں کی دنیا خالد کی دنیا سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ حیرت و استعجاب سے بھر پور، رانی نیلم پری اور خالد ایک دوسرے کی قدم قدم پر مدد کر کے آگے بڑھ رہے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ نیلم پری ایک موقعے پر خالد سے کہتی ہے کہ ''تمھاری دنیا کے بارے میں پری لوک میں اچھی رائے نہیں تم لوگ مذہب اور ذات پات کے نام پر خون خرابہ کرتے ہو تمھارے یہاں لالچ، جھوٹ، دھوکہ اور بے ایمانی عام ہے۔ پری لوک والے یہ باتیں پسند نہیں کرتے۔''

نیلم پری بھی اپنے ہی لوک میں اپنے لوگوں کے درمیان رہ کر بھی محفوظ نہیں ہے، لوہمک پری کا دشمن ہے، جو اس کی سلطنت کو ختم کرنا چاہتا ہے، خالد اپنی آدم زاد چالوں اور ترکیبوں سے اُسی کے ساتھ راکشسوں کے ہاتھوں اُسے ختم کروا دیتا ہے۔

نیلم پری کا دوسرا دشمن بھونچال راکشس ہے اسے بھی خالد اپنی بہادری اور سوجھ بوجھ سے ختم کروا دیتا ہے، پری نیلم کے ذریعے دی گئی جادوئی ٹوپی قدم قدم پر خالد کو بچاتی ہے اور اپنے کمال سے اُسے دشمنوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

آج بچوں کے ادب کی جانب اتنی توجہ نہیں ہے جتنی ہونی چاہیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے بچوں کے لیے خوب لکھیں اور ان میں وہ صلاحیتیں پیدا کرنے کی کوشش کریں، جس کی ملک و قوم کو بے پناہ ضرورت ہے۔

—— عارف حسین عثمانی

''دور بین'' 34 مختصر کہانیاں

مترجم: شمیمہ بیگم

بچوں کے لیے کہانی لکھنا سہل کام نہیں اس کے کچھ الگ تقاضے ہیں ان تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کہانی لکھی جائے گی تبھی وہ مقبول بھی ہوگی اور موثر بھی۔ پیش نظر کتاب ''دور بین'' بچوں کے لیے چونتیس (34) مختصر کہانیوں کا مجموعہ ہے یہ کہانیاں بچوں کی نفسیات اور ان کی دلچسپی کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ کتاب اولاً چلڈرن بک ٹرسٹ کی طرف سے انگریزی زبان میں 1991 میں شائع ہوئی تھی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اسے اب اردو میں شائع کیا ہے، مترجم شمیمہ بیگم ہیں۔ یقیناً یہ کوشش قابل صد ستائش ہے۔ انگریزی جیسی ترقی یافتہ زبان کی اچھی تخلیقات کو اپنی زبان میں ڈھال کر پیش کرنا اہمیت کی حامل ہے۔

247 صفحات پر مشتمل یہ 34 کہانیاں ان علاقوں، اور اس تمدنی ماحول کی آئینہ دار ہیں جس سے اردو پڑھنے والے بچے ناواقف ہیں اس طرح یہ کہانیاں ان کی دلچسپی کا سامان کرنے کے علاوہ ان کی معلومات میں بھی اضافہ کریں گی، ان کہانیوں کے عنوان

بڑے ہی دلچسپ ہیں، مثلاً ''ہمیشہ دیر سے آنے والی لڑکی''، ''اندھیرے سے ڈرتا کون ہے''، ''بادشاہ کون''، ''نیلی ریل گاڑی''، ''ان ہونی'' وغیرہ وغیرہ سبھی کہانیاں سبق آموز ہونے کے ساتھ ساتھ پُر اثر بھی ہیں جن میں کرداروں اور واقعات کے ذریعے علاقائیت کی جھلک بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

''ہمیشہ دیر سے آنے والی لڑکی'' میں ایسی لڑکی کی کہانی پیش کی گئی ہے جو ہر کام تاخیر سے کرنے کی عادی ہے اس کی یہ عادت اسے اکثر پریشانیوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ آخر میں وہ اس عادت سے توبہ کر لیتی ہے۔ اسی طرح اندھیرے سے ڈرتا کون ہے۔ ایک ایسے بچے کی کہانی ہے جو ہمیشہ اندھیرے سے ڈرتا اور کانپتا ہے، پکنک کے موقع پر وہ ایک ایسے بچے کو اپنا ساتھی بناتا ہے جو بڑا بہادر، اور طاقتور سمجھا جاتا ہے، لیکن وقت آنے پر وہ بہادر سب سے زیادہ بزدل اور اندھیرے سے ڈرنے والا ثابت ہوتا ہے، اس طرح پہلا بچہ اپنے ڈر سے چھٹکارا پالیتا ہے۔ کہانی ''ان ہونی'' میں شمنی گوندنی نے ایک چڑیا کو وسیلہ بنا کر بچوں کو یہ سبق دیا ہے کہ ظاہری چمک دمک کبھی کبھی نقصان دہ ہوتی ہے، اس لیے انسان کو اسی حال میں خوش اور مطمئن رہنا چاہیے جو اس کو ملا ہے۔

امید ہے کہ کہانیوں کے اس دلکش اور دلچسپ مجموعے کو پڑھ کر بچے مسرت محسوس کریں گے اور فائدہ اٹھائیں گے۔

—— عارف عثمانی

ہندوستان کی کہانیوں کا خزانہ

مصنف: شنکر، مترجم: خسرو متین

قومی اردو کونسل نے اپنے ایک منصوبے کے تحت بچوں کے لیے دلچسپ معلوماتی اور سبق آموز کتابوں کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ اس مقصد کے لیے کونسل نے اردو میں لکھی گئی کہانیوں کے علاوہ مختلف زبانوں کی کہانیوں کے تراجم اردو میں کرائے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ''ہندوستان کی کہانیوں کا خزانہ'' (حصہ اوّل) اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جس کو قومی اردو کونسل نے ''چلڈرن بک ٹرسٹ'' اور ''بچوں کا ادبی ٹرسٹ'' کی معاونت سے شائع کیا ہے۔ اس میں کل بارہ کہانیاں ہیں۔ ہر کہانی سے کوئی نہ کوئی سبق ملتا ہے۔ ہر کہانی کسی الگ صوبے یا ریاست سے جڑی ہوئی ہے جس میں وہاں کے جغرافیائی ماحول، سماجی احوال، رسم و رواج اور عقیدوں کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ کچھ کہانیاں ایسی ہیں جن کی اساس ہندو میتھالوجی پر ہے۔ تاہم سماجی و اخلاقی افادیت سے بھری ہیں اور ایک مقام پر پہنچ کر قاری یا سامع کو دعوت فکر دیتی ہیں۔

کچھ کہانیوں کا اختتام مزاح پر ہوتا ہے۔ کہانی ''تقدیر بنام تدبیر'' بھی ہندو میتھالوجی پر مبنی ہے لیکن مجموعی طور پر ہندوستانی سماج کے گھریلو ماحول کو پیش کرتی ہے۔ کہانی میں دکھایا گیا ہے کہ یم لوک کا یم راج دنیا کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر دنیا میں آنا چاہتا ہے۔ وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک خوبصورت نوجوان کا روپ دھارتا ہے اور زمین پر آ کر ایک خوبصورت لڑکی سے شادی کرتا ہے۔ جس سے اس کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ گھر کی ضروریات پوری کرنے کے لیے یم راج کام کاج میں مصروف رہتا ہے۔ بیوی کی فرمائشیں دن بہ دن بڑھتی جاتی ہیں۔ نتیجتاً گھر میں بے چینی راہ پالیتی ہے، گھر میں داخل ہوتے ہی بیوی بک بک جھک جھک شروع کر دیتی ہے۔ وہ بیوی کے ڈر سے گھر میں ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے۔ ایک دن موقع دیکھ کر اپنا پہلا روپ اختیار کرتا ہے اور یم لوک بھاگ جاتا ہے۔ کہانی کا خاتمہ ایک بہت ہی دلچسپ منظر پر ہوتا ہے۔ راجہ کی بیٹی سخت بیمار ہے۔ اس کی روح نکالنے کا حکم ہو جاتا ہے۔ یم لوک سے

یم راج شہزادی کی روح نکالنے آتا ہے تو شہزادی کے سرہانے اپنی بیوی کو بیٹھا پاتا ہے وہ گھبرا کر الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ اس طرح شہزادی کی جان بچ جاتی ہے۔

کتاب میں شامل سبھی کہانیاں سماج کے کسی نہ کسی پہلو کو محیط ہیں۔ انسان کے اندر پائی جانے والی اخلاقی بیماریوں مثلاً تکبر، نفرت، حرص، لالچ، بغض وحسد، غصہ، مکاری فریب کے عبرتناک انجام کو پراثر اسلوب میں پیش کیا گیا ہے تاکہ قاری کے اندر غیر اخلاقی حرکتوں اور بری عادتوں سے نفرت پیدا ہو۔ اچھے طور طریقے اختیار کرنے کا شوق پیدا ہو۔ کتاب کے زیادہ تر صفحات مصوّر ہیں۔ کہانی کی مناسبت سے تصویریں بنائی گئی ہیں۔

—— عبدالرشید اعظمی

عقل مند مچھیرا

مرتب: م۔ندیم

ماضی قریب میں گھر کے بزرگ سونے کے وقت اپنے گھر کے بچوں کو نصیحت آموز قصے سنایا کرتے تھے۔ اس کا مقصد ان کا دل بہلانے کے علاوہ بچوں کی تربیت ہوتا تھا۔ سوداگر، طوطہ مینا، فقیر اور راجا رانی کے قصوں میں بچوں کی دلچسپی کے علاوہ، کچھ پیغام اور سبق بھی ہوا کرتا تھا۔ جیسے جیسے انسانی زندگی مصروف ہوتی گئی، یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس کا اثر نئی نسلوں کی سوچ اور ان کی تخلیقی صلاحیت پر پڑا ہے۔ اب کہانیاں سننے سنانے کی جگہ ٹیلی ویژن دیکھنے دکھانے کا عام چلن ہو گیا ہے۔ جس کے سبب وہی چیزیں بچوں کو متاثر کر رہی ہیں۔ جو فلموں میں یا ٹیلی ویژن پر دکھائی جاتی ہیں جن میں بچوں کی ذہنی او راخلاقی تربیت کا کچھ خاص خیال نہیں رکھا جاتا۔

قومی اردو کونسل نے پچھلے دنوں کثیر تعداد میں کہانیوں اور قصوں کی کتابیں شائع کی ہیں۔ 'عقل مند مچھیرا' ان میں سے ایک ہے۔ اس کے مرتب م۔ندیم نے چھوٹی چھوٹی سات کہانیوں کو ترتیب دے کر یہ مجموعہ تیار کیا ہے۔ مجموعے کا نام اس میں شامل ایک کہانی، ''عقل مند مچھیرا'' سے لیا گیا ہے۔ اس کہانی میں رشوت خور دربان کو مچھیرے نے اپنے حسن تدبیر سے سزا دلوائی۔ دوسری کہانی کا عنوان ''چور'' ہے۔ دوسری کہانیوں کی طرح یہ کہانی بھی ڈرامائی انداز میں پیش کی گئی ہے۔ اس میں دو منظر اور پانچ کردار ہیں۔ افضل میاں ایک ادھیڑ عمر کا رحم دل آدمی، دوسرا افضلو، افضل میاں کا نوکر، تیسرا چور چوتھا کوتوال اور پانچواں سپاہی ہے۔ اس کہانی کا اختتامی پوائنٹ افضل میاں کی رحم دلی ہے۔ جس کی وجہ سے ایک چور، شریف انسان بن جاتا ہے۔ اس کہانی میں اچھے اوصاف کے اچھے نتائج برآمد ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔

''استاد اور شاگرد''، ''گدھے کی حجامت''، ''سچا دوست''، اور ''دور کا دوست'' کے عنوانات سے ان چاروں کہانیوں میں سماج کے اچھے برے دونوں پہلو پیش کیے گئے ہیں اور مختلف انسانی رویوں کو کرداروں کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے۔ مجموعے کی آخری کہانی ''سخی حاتم'' ہے کہانی تو پرانی ہے لیکن پیشکش کا انداز نیا اور اچھوتا ہے۔ مرتب نے اس کہانی کو مختصر تر کر کے آٹھ کرداروں کے ذریعے تین منظر میں پیش کیا ہے۔ کردار بادشاہ سلامت، وزیر اعظم، حاتم، لکڑہارا، اس کی بیوی، ڈھنڈورچی، سپاہی اور چند دیگر افراد ہیں۔ آغاز ایک بازار میں ڈھنڈورچی کی منادی سے ہوتا ہے۔ مرحلہ وار گزرتے ہوئے کہانی کے تیسرے منظر میں بادشاہ کا دربار دکھایا گیا ہے جہاں حاتم کو گرفتار کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ حاتم کی رہائی، لکڑہارے پر بادشاہ کی نوازش اور جھوٹے دعویداروں پر بادشاہ کے عتاب کو نہایت دلچسپ اور عبرت آموز اسلوب وانداز میں پیش کیا گیا ہے۔

—— عائشہ شہناز فاطمہ

موگھیا لوک کہانیاں

مرتب ومترجم: وقار صدیقی

بنجاروں کی طرح خانہ بدوش زندگی بسر کرنے والے ''موگھیا'' جنھیں اتر پردیش میں ''بھیلیا'' کہا جاتا ہے، اتر پردیش، بہار، بنگال، اڑیسہ، راجستھان اور مدھیہ پردیش میں بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ خانہ بدوش زندگی گزارنے کے سبب ان کی صحیح تعداد معلوم کرنا آسان نہیں۔ یہ لوگ بڑے مشاق شکاری ہوتے ہیں اور عام طور پر کاندھوں پر تھیلا لٹکائے شہر شہر بھیڑ اکٹھا کر کے پہاڑی جڑی بوٹیوں سے بنائی ہوئی دوائیں، مشک، زعفران اور سلاجیت وغیرہ فروخت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب ''موگھیا لوک کہانیاں'' موگھیوں کے طرز زندگی، ان کے رہن سہن، عقیدوں، توہم پرستیوں اور آدرشوں کی بہترین عکاس ہے۔ یہ کتاب پروفیسر پی۔ آر۔ شکلا کی ہندی کتاب ''موگھیا لوک کتھائیں'' کا اردو ترجمہ ہے جو وقار صدیقی صاحب نے کیا ہے اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے جزوی مالی تعاون سے شائع کرایا ہے۔ ڈیڑھ درجن سے کچھ زائد موگھیا لوک کہانیوں پر مشتمل اس کتاب میں قبائلی زندگی کی بھرپور تصویر کشی ہوئی ہے۔ ان کہانیوں میں سچ اور جھوٹ، ایمانداری اور بے ایمانی، عقل مندی اور حماقت، وفاداری اور ریاکاری، نیکی اور بدی کے درمیان زبردست ٹکراؤ ملتا ہے اور بالآخر بے ایمانی پر ایمانداری کی اور بے وقوفی یا حماقت پر دانش مندی کی جیت ہوتی ہے۔ جس طرح موگھیوں کے رسم ورواج ہمارے لیے نئے، دلچسپ اور حیرت انگیز ہیں اسی طرح ان کہانیوں کا ماحول اور پس منظر قبائلی زندگی کی طرح وسیع، بے تکلف اور مہم جویانہ ہے۔ اس میں درندے، پرندے، دیو، بھوت، گاؤں، ندیاں، پہاڑ اور جنگل وغیرہ سب موجود ہیں۔ ایک طرف محنتی، ایماندار اور غریب لوگ ہیں تو دوسری طرف نکمے، بے ایمان، مال دار سیٹھ اور ساہوکار ہیں جو بڑی بے دردی سے ان کا استحصال کرتے ہیں۔ کہیں جانوروں، پرندوں اور درندوں کی شکل میں جدوجہد دکھائی گئی ہے تو کہیں انسانوں کی شکل میں ٹکراؤ بھی موجود ہے۔ کہیں مزاحیہ رنگ ہے تو کہیں طنزیہ انداز بھی اختیار کیا گیا ہے۔ غرض کہ یہ کہانیاں بچوں اور بڑوں دونوں ہی کے لیے موگھیا قبائلی زندگی کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کرتی ہیں۔

—— وسیم اقبال

اخبار کی کہانی

مصنف: غلام حیدر

زیر تبصرہ کتاب 'اخبار کی کہانی' کے مصنف غلام حیدر قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس طرف توجہ دی اور 'پیسے کی کہانی، خط کی کہانی، بینک کی کہانی کے بعد اخبار کی کہانی' لکھ کر اردو پڑھنے والے بچوں کو اس اہم موضوع پر بنیادی معلومات فراہم کرانے کی کوشش کی۔

کل 140 صفحات پر مشتمل اس کتاب کو 6 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب سے 'چوتھی طاقت' کا عنوان دیا گیا ہے دو ضمنی عنوانات 'کاغذی دیو' اور 'پیغام سے خبروں تک'، پر مشتمل ہے۔ اس باب کا آغاز اخبار کی اہمیت وضرورت کے تعلق سے چند تمہیدی جملوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک مکمل اخبار کی تعریف اور اس کے حصہ اشتہارات کی اہمیت پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ بچوں کو بات

سمجھانے کے لیے اختصار اور دلچسپ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے۔ پہلا باب دراصل اخبار کی کہانی بیان کرنے سے پہلے اس کی ضرورت اور اخبار کی ابتدائی شکل تک پہنچنے کے پس منظر پر روشنی ڈالتا ہے۔

دوسرے باب کو ''اخباروں کے بزرگ'' کا عنوان دیا گیا ہے اور اسے 7 ذیلی عنوانات میں تقسیم کرکے بات کو ایک تسلسل کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ نو عمر قارئین وطلبا تمام باتیں آسانی سے ذہن نشین کرسکیں۔ 'رومی ایکٹا' کا بیان اخبار کی ابتدائی شکل یا خود بقول مصنف اخبار جیسی چیز پر روشنی ڈالتا ہے۔ سرکاری خبر رسانی اور 'یوروپ میں خبر رسانی، جیسے ذیلی عنوانات ان میں شامل مواد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ باب کے آخری عنوان ''کچے پکے اخبار۔ اخبارچے'' میں جرمنی سے لے کر انگلینڈ تک 16ویں و 17ویں صدی میں اخبار کے ارتقا اور چند اخبار نما پمفلٹوں کا ذکر ہے۔ 1619 میں لندن میں چھپے ایک اخبارچے کی تصویر شائع کرنے سے موضوع اور اس دور میں اخبار کے ارتقا کو سمجھنا آسان ہوگیا ہے۔

تیسرا باب 'نئے اخبار' اس اعتبار سے کتاب کا اہم ترین باب ہے کہ اس میں انگلینڈ کے حوالے سے پورے یوروپ میں اخباروں کی ترقی کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے 17ویں و 18ویں صدی کا دور ہے کہ جب اخبارات نے باقاعدہ وہ شکل اختیار کی جو کافی حد تک آج بھی برقرار ہے اس باب میں برطانیہ کی سیاسی تبدیلیوں کے تناظر میں اخبار کے فروغ کو کافی تفصیل سے سمجھایا گیا ہے۔ عالمی صحافت کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھنے والے اخبار ''دی ٹائمس'' پر الگ سے ذیلی عنوان کے تحت روشنی ڈالی گئی ہے 18ویں صدی میں شروع ہونے والا یہ اخبار آج بھی دنیا کے بڑے اخبارات میں شمار ہوتا ہے۔ چوتھا باب ہندوستان میں اخبارات کے فروغ کی تاریخ پر روشنی ڈالتا ہے۔

پانچویں باب میں 'بغاوت اور بغاوت کے بعد' کے حالات کے حوالے سے صحافتی سرگرمیوں کی تاریخ پیش کی گئی ہے۔

'بغاوت کے بعد' کے ذیلی عنوان کے تحت 1857 کے بعد سامنے آنے والی ہندوستانی زبانوں کے اخبارات کا ذکر ہے۔

اردو صحافت میں 'اردوئے معلیٰ'، زمیندار، الہلال، سوراجیہ ہمدرد سمیت کئی دیگر اخبارات یا رسالوں نے 20ویں صدی کے شروع میں ہندوستانی عوام میں جذبہ جاں نثاری اور حب الوطنی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا لیکن بدقسمتی سے ان اخبارات میں سے کوئی بھی آج شائع نہیں ہورہا ہے۔ بہرحال اس باب کو up-date کرلیا جاتا تو بہتر تھا اس لیے کہ اس میں بیشتر ایسے اخبارات کا ذکر ہے جن کی اشاعت یا تو بند ہوچکی ہے یا برائے نام ہے۔

چھٹا باب بڑی حد تک اخبار کے داخلی نظم پر روشنی ڈالتا ہے۔ کتاب کے آخر میں دیے گئے چار ضمیمے ہندوستان سے لے کر دنیا بھر کی صحافت کا خاکہ قاری کے سامنے رکھتے ہیں اور ان سے مختلف ممالک میں مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات، رسالوں ان کی مدت اشاعت، سرکولیشن وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔

— مسعود الحق

ایک نائی اور رنگساز کا قصہ

مصنف: اطہر پرویز

اطہر پرویز کی اس کتاب کی پہلی اشاعت 1977 میں ہوئی تھی اور یہ اس کا چوتھا ایڈیشن ہے۔ اس کتاب میں اطہر پرویز نے بچوں اور نوجوانوں کو اخلاقی درس دینے کی کوشش کی ہے۔ جو کہانیاں انھوں نے اس کتاب میں شامل کی ہیں ان میں جھوٹ سے دور رہنے، مکروفریب اور دھوکہ دینے سے باز آنے کی تعلیم دی گئی۔ بڑوں کی عزت کرنے اور کسی بھی کام کو چھوٹا نہ سمجھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ دراصل یہ وہ کہانیاں ہیں جو بچے کو زبان سکھانے کے ساتھ ساتھ اس کو اخلاقیات کی بھی تعلیم دیتی ہیں۔

'ایک نائی اور رنگ ساز کا قصہ' نامی اس کتاب میں کل تین کہانیاں ہیں، جن میں سرورق کہانی کے علاوہ 'الہ دین کا چراغ' اور 'قصہ ہارون رشید' شامل ہیں۔ سبھی کہانیاں بہت ہی دلچسپ ہیں۔ اطہر پرویز کی زبان عمدہ اور رواں ہے۔ جس کی وجہ سے کتاب پڑھتے ہوئے کسی طرح کی اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا ہے۔

— رضی شہاب

نورتن کہانیاں

مصنف: محمد بخش مہجور، انتخاب: شمیم احمد

'نورتن کہانیاں' محمد بخش مہجور کی کلاسیکی کتاب 'نورتن' سے منتخب کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ محمد بخش نے یہ کتاب تقریباً دو سو برس قبل لکھی تھی، آج سے دو سو سال قبل کے زبان وبیان میں غیر معمولی فرق پایا جاتا ہے، اس لیے ضرورت تھی کہ 'نورتن' میں مذکور کہانیوں کے زبان وبیان کی تسہیل کے ساتھ شیریں زبان میں مصنف کی مراد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ازسرنو ترتیب دی جائے، اسی ضرورت کے پیش نظر شمیم احمد صاحب نے 'نورتن' سے چند سبق آموز کہانیوں کا انتخاب کیا، اس کی پہلی اشاعت 1980 میں ہوئی اب اسے نئے قالب میں کونسل نے پھر شائع کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں کونسل کے ڈائرکٹر پروفیسر ارتضیٰ کریم کا بیش بہا پیش لفظ ہے۔ جس کے ذریعے انھوں نے بچوں کو علم وادب کی قدروقیمت اور اس کی ضرورت واہمیت سے روشناس کرایا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مقاصد میں ادب اطفال کے فروغ کو بھی ترجیحی حیثیت حاصل ہے، اسی ضمن میں بچوں کی کہانیوں پر مشتمل کتابوں کی ازسرنو اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں چھ ابواب کے تحت 57 کہانیاں جمع کی گئی ہیں۔ پہلے باب میں عقل مندوں کی کہانیاں کے ضمن میں 'بزدل شیر'، 'عورت چیتا اور لومڑی'، 'شیر بچہ اور بڑھئی'، 'گانے والی بکری'، 'انوکھی تقسیم'، 'تین سوال ایک جواب'، 'کیڑوں کی دعوت'، 'اپنی قضا نہ جانی' اور سونار کی ایک لوہار کی کہانیاں شامل ہیں۔ اسی طرح دوسرے باب میں فریادیوں اور عادلوں کی کہانیاں کے ضمن میں 14 سبق آموز کہانیاں جمع کی گئی ہیں، تیسرے باب میں بے وقوفوں کی کہانیوں کے تحت 9 کہانیاں شامل ہیں، چوتھے باب میں ظریفوں کی کہانیوں کے ضمن میں 14 کہانیاں شامل کتاب ہیں۔ پانچویں باب میں افیونیوں کی کہانیوں کے تحت بچوں کے لیے پانچ سبق آموز کہانیاں جمع کی گئی ہیں۔ چھٹے باب میں کنجوسوں کی کہانیوں کے ضمن میں 6 کہانیاں شامل کتاب ہیں۔ ان تمام کہانیوں میں بچوں کی روزمرہ زندگی سے متعلق سبق اور نصیحت ہے۔ یہ کتاب ادب اطفال میں قابل قدر اضافہ ہے۔

— محمد جسیم الدین

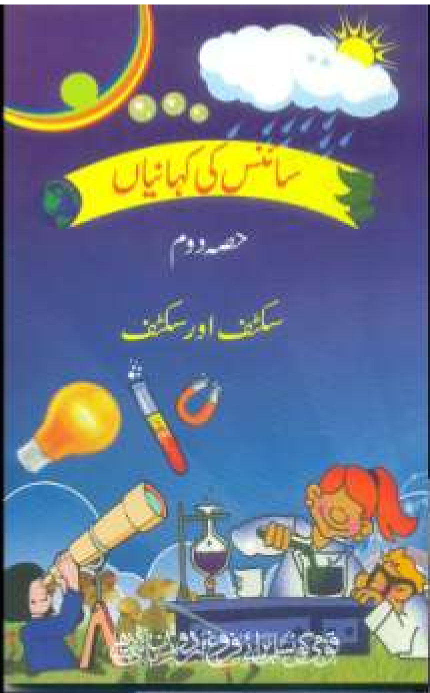

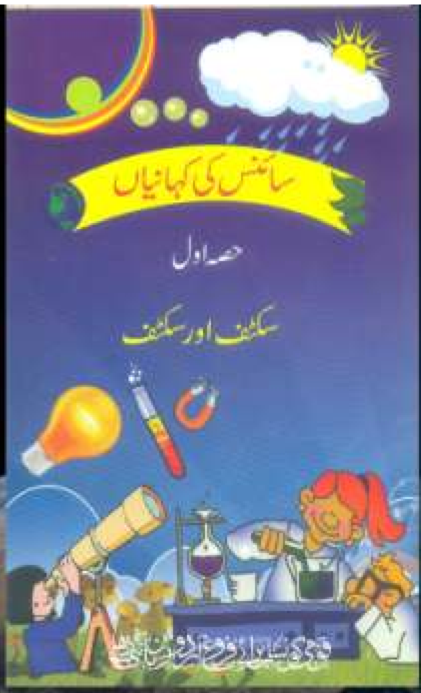

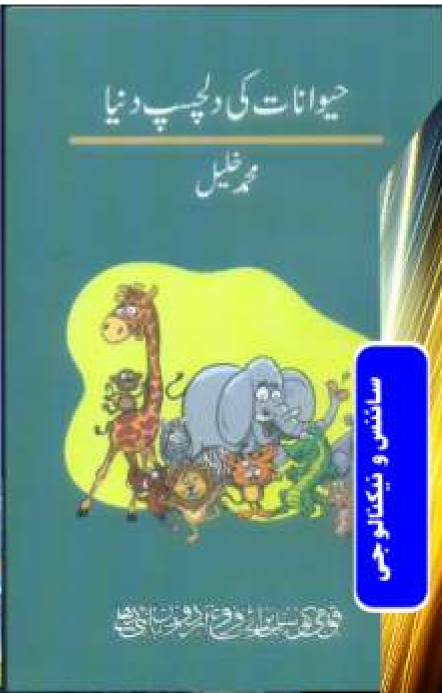

سائنس / ٹیکنالوجی

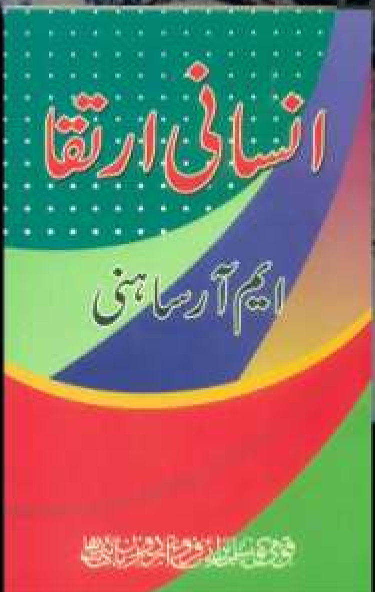

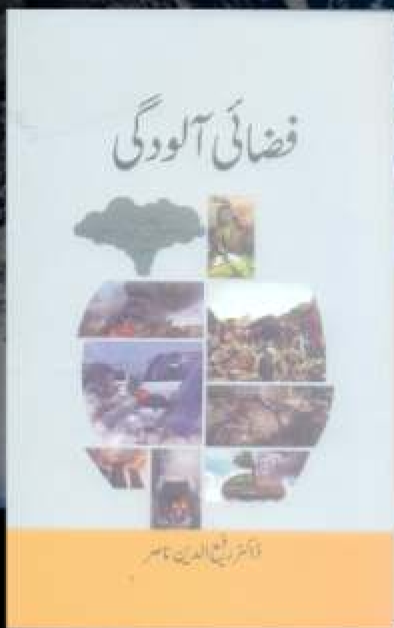

سائنس/ٹیکنالوجی

تاریخ ایجادات

مصنف: ایگن لارسن، مترجم صالحہ بیگم

یہ کتاب وضع و ایجادات یا دوسرے لفظوں میں موجودات کی کہانی بیان کرتی ہے جس سے نہ صرف ان ایجادات کی بلکہ انسانی ارتقا کی داستان ہمارے سامنے آ موجود ہوتی ہے۔

اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

حصہ اول کو 'طاقت' کا عنوان دیا گیا ہے۔ جس کے تحت آندھی، پانی، بھاپ اور صنعت، برق کی کہانی، جوہری توانائی، سورج سے براہ راست توانائی وغیرہ ذیلی عنوانات قائم کرکے ان کے ذریعے انسانی ایجادات اور مصنوعات کی کہانی بیان کی گئی ہے۔

حصہ دوم: نقل وحمل اس حصے میں پہیے، سڑکیں، پل، نہریں، ریلیں، پانی کے جہاز، ہوائی پرواز وغیرہ عنوانات سے ذرائع نقل وحمل کے بارے میں تفصیلات مذکور ہیں۔

حصہ سوم کو مراسلات کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس حصے کے ذیلی عنوانات اس طرح ہیں۔ مطبوعہ الفاظ، تار پیغامات، ریڈیو، محفوظ آوازیں، تصاویر، ٹیلی ویژن، روزمرہ برقی آلات وغیرہ ان کے تحت متعلقہ مصنوعات کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

کتاب کے ہر حصے میں اہم سائنسی ایجادات، ان کی ابتدائی شکلیں اور ارتقا کی کہانی کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ تصاویر بھی دی گئی ہیں جن کی مدد سے ان ایجادات کے قدم بہ قدم ترقی کے سفر کو سمجھنا مزید آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً آج بازار میں ضروریات زندگی سے متعلق مختلف قسم کی مصنوعات بلب، ریڈیو، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر یا دوسری چھوٹی بڑی چیزیں قلم وغیرہ سے لے کر بڑی بڑی گاڑیاں یا ذرائع نقل وحمل کی مصنوعات وغیرہ دستیاب ہیں انھیں ہم بآسانی حاصل کر کے اپنے استعمال میں لاتے ہیں لیکن ہمیں شاید ہی یہ احساس ہوتا ہو کہ ان اشیا کی تیاری میں اور انھیں یہ شکل ملنے میں کتنی صدیاں اور کتنے دماغ استعمال ہوئے۔ کتاب میں موجدین کے متعلق بھی ضروری معلومات یکجا کر دی گئی ہیں۔

یہ کتاب نہ صرف سائنس کے طالب علموں اور سائنس سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے مفید ہے بلکہ عام قارئین کے لیے بھی انتہائی اہم معلومات اور دلچسپی کا سامان رکھتی ہے۔

— عبدالصبور

انسانی ارتقا

مصنف: ایم آر ساہنی، مترجم: احسان اللہ خاں

ایم آر ساہنی سائنسی علوم میں اچھی دسترس رکھتے ہیں۔ انھیں علم ارضیات، علم انسانیات، علم حیوانیات سے دلچسپی ہے۔ اسی سبب انھوں نے 'انسانی ارتقا' کے نام سے ایک دلچسپ اور معلوماتی کتاب لکھی ہے جو پیش لفظ کے علاوہ گیارہ باب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب 'سرسری جائزہ' میں ہمارے اہم موروثات، زندگی کا آغاز، زمین اور دوسرے سیاروں کی ابتدا، عضوی ارتقا میں بعد کے مرحلے اور جاندار گروہوں کی ترتیب کے بارے میں قدیم ہندو خیالات پر بحث کی ہے۔ دوسرا باب 'ارضیاتی ٹائم ٹیبل' میں ارضیاتی اور انسانی تاریخ کا تقابل، وقت کا تخمینہ کرنے کے طریقے اور زمین کی عمر، زمین ایک سرد ہوتا ہوا گولا، ریڈیو کاربن اجزا کے ذریعے عمر کا تعین، فلکیاتی طریقہ، برفانی طریقہ

اور سمندر کی عمر کا تعین اس میں پائے جانے والے نمک وغیرہ امور پر مدلل گفتگو کی ہے۔

تیسرا باب 'نئے اور پرانے خیالات' میں عام آدمی کے سوالات: احفور (Fossil) کیا ہوتے ہیں؟ زمین پر زندگی کی شروعات کب ہوئی؟ انسان کی ابتدا کب ہوئی؟ پتھر کے اوزار کیا ہیں؟ کیا انسان غیر دمدار بندر کی نسل سے ہے؟ انسان کے دم کیسے غائب ہوئی؟ وغیرہ۔ کے مفصل جواب دیے ہیں۔

چوتھا باب 'ارتقا کے سنگِ میل' میں انسان کا ارتقا تقریباً کیڑے سے شروع ہوتا ہے، ہمارے امکانی مچھلی نما آبا و اجداد، ریڑھ دار جانداروں کی غیر یقینی ابتدا، بہتا ہوا پانی ارتقا میں ایک بڑا محرک، فضائی ہوا میں سانس لینے والے جاندار جل تھلی کی مورث ہونے کی دعوے دار مچھلیاں، ابتدائی جل تھلی مچھلی سے شجرہ ملنے کے شواہد وغیرہ بڑے اہم موضوعات پر معروضی دلائل پیش کیے ہیں۔ پانچواں باب 'اسباب ارتقا' میں نامیاتی تبدیلیوں کی بنیاد، ڈارون اور ویلیس نے ماہر اقتصادیات مالتھس سے تحریک حاصل کی، ارتقا میں مضمر تحریک، لیمارک کا نظریہ استعمال وعدم استعمال، انقلاب نوعی کے ذریعے ارتقا وغیرہ پر مدلل بحث کی ہے۔

چھٹا باب 'عظیم برفانی دور' میں یورپ ثبوت کی نوعیت: برفانی، دریائی اور برفانی ملبے وندیوں کے زینے، آلپس کا خطہ، کیا انسان برفانی عصر سے پہلے موجود تھا۔ برفانی ادوار، ہندوستان: برفانی علاقے۔ کشمیر، ہندوستان: برفانی خطوں کے آس پاس کے علاقے۔ وادی نربدا، وادی سابرمتی: گجرات، مغربی گھاٹ کا خطہ: بمبئی، مشرقی گھاٹ کا خطہ: مدراس، پاکستان: پوٹھوار کا خطہ، برما: ایراودی کی وادی اور سری لنکا وغیرہ امور پر جائزہ لیا ہے۔ ساتواں باب 'پتھر کا زمانہ' میں یورپ، ہندوستان، پاکستان اور برما کی تہذیبوں پر مدلل بحث کی ہے۔

آٹھواں باب 'سری لنکا میں پلیسٹوسین اور ماقبل تاریخ:' میں پتھر کے زمانے کی تہذیبوں کا ذکر کیا ہے۔ نواں باب 'حیواناتِ اعلیٰ' میں صفات - درجہ بندی اور ابتدائی تاریخ، آدم نما، حیوان اعلیٰ کے ارتقا کے مقامات، کیا انسان دمدار تھا؟ وغیرہ امور پر روشنی ڈالی ہے۔

دسواں باب 'احفوری انسان کی نسلیں اور اس کے قریبی رشتے داروں کا تفصیل سے تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔

گیارھواں باب 'حرف آخر' میں مصنف نے بتایا ہے کہ تبدیلی قانونِ فطرت پر مبنی ہے۔ ارتقا نے ہمیں بقا کا جو بنیادی خیال دیا ہے وہ مہارت نہیں بلکہ عمومیت اور مطابقت پذیری ہے۔ آج ہمیں بنیادی طور سے جس چیز کی ضرورت ہے وہ نام نہاد اعلیٰ معیار زندگی نہیں بلکہ ایک آسان تر طریقۂ زندگی ہے۔

موصوف نے اس کتاب میں انسانی ارتقا کی تشریح و تجزیہ اور تقابلی مطالعہ سائنسی حوالوں اور شواہد پر پیش کیا ہے، جو معروضیت پر مبنی ہے۔ یہ کتاب سائنسی طلبا کے لیے معلومات کا بیش قیمتی خزانہ ہے۔

— ڈاکٹر مجیب احمد خان

بجلی کی کہانی/ایے. کے. چکرورتی، ایس. سی. بھٹاچاریہ

مترجم: شبانہ اسلام

اردو میں سائنسی اور تکنیکی معلومات پر مبنی کتابیں بہت کم لکھی گئی ہیں۔ دوسری زبان سے تراجم کے ذریعے یہ کمی کسی حد تک پوری ہوتی ہے لیکن یہ کافی نہیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے چلڈرن بک ٹرسٹ اور بچوں کا ادبی ٹرسٹ کے اشتراک سے کافی کتابیں اس مقصد کے تحت شائع کی ہیں، تاکہ بچوں کی خاطر خواہ تربیت بھی کی جاسکے اور سائنسی معلومات کی سطح پر بھی وہ کسی سے پیچھے نہ ہوں اور جس طرح سائنسی علوم پر دوسری زبانوں میں مواد ملتا ہے اردو میں بھی دستیاب ہو' 'بجلی کی کہانی'' بھی اسی سلسلے کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں بہت آسان زبان میں تھیلس (Thales) کی دریافت سے موجودہ عہد تک کی بجلی کی داستان قلم بند کی گئی ہے۔ تھیلس 600 ق.م. میں یونان میں پیدا ہوا اور اس کا تجربہ بھی بجلی کی دریافت کے سلسلے میں نقطۂ آغاز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب میں اس کے تجربات کا ہی بیان نہیں بلکہ اس کی عام زندگی اور طرز فکر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تھیلس کے بعد ڈاکٹر گلبرٹ (1544-1603) کا ذکر ہے جن کی کتاب "De Magnet" خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ ڈاکٹر گلبرٹ ''بجلی کی سائنس کے بابا آدم'' کہے جاتے ہیں۔

گلبرٹ کے بعد ''اوٹو وون گیورک'' کے تجربات کا بیان ہے جو میگ برگ کے میئر تھے اور انھوں نے بھی بجلی کی دریافت کے سلسلے میں اہم رول ادا کیا۔ اس کے بعد مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے رائیل انسٹی ٹیوشن سائنس داں سر ہمفری ڈیوی کے تجربات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن کی تحقیقات سے کیمیاوی سائنس میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور بجلی کی انوکھی طاقت کو استعمال کرنے کا ایک نیا طریقہ وجود میں آیا۔ اسی طرح ٹیلی گرافی کے اشارات الیکٹرون، ریڈیو ٹیلی گرافی وغیرہ پر بھی دلچسپ انداز میں گفتگو کی گئی ہے اور الیکٹرونکس کے میدان میں آنے والی انقلابی کامیابیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس طرح ''بجلی کی کہانی'' میں اب سے تقریباً پچیس سو برس قبل یونان کے ایک باشندے تھیلس سے لے کر عہد حاضر تک کے ارتقائی مراحل کو آسان زبان میں پیش کیا ہے اور ان تجربات کو تصویروں کی زبانی بھی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اس آسان اور عام فہم ترجمے کے لیے مترجم شبانہ اسلام مبارکباد کی مستحق ہیں اور امید ہے کہ یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی دوسری کتابوں کی طرح مقبول ہوگی۔

— عبدالرب

اردو سافٹ ویئر

ادارہ

اردو زبان کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اس کے چاہنے والوں کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس زبان کو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی مدد سے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے۔ ہندوستان میں اردو سافٹ وئیر سے متعلق کسی طرح کی پیش قدمی کے کوئی واضح نشانات نہیں ملتے، البتہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی کوششوں کو اس سلسلے میں کافی اہمیت حاصل ہے کہ اس نے ملک بھر میں کمپیوٹر ٹریننگ کے مراکز کھولے جس کی مدد سے اردو داں طبقے کو کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اور ان مراکز کے تربیت یافتہ افراد آج اپنی روزی روٹی چلا رہے ہیں۔ ان مراکز پر کمپیوٹر کی تعلیم اردو زبان میں دی جارہی ہے اور طلبا و طالبات کی سہولت کے لیے قومی کونسل نے 'اردو سافٹ ویئر' کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے، جو کہ اردو زبان میں کمپیوٹر کی تعلیم کے لیے شاید پہلی کتاب ہے۔

'اردو سافٹ ویئر' دو حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصے میں کمپیوٹر کی تاریخ اور اس کی خصوصیات پر تفصیل کے ساتھ بحث کرنے کے بعد اردو سافٹ ویئر خصوصاً ان پیج کے استعمال سے اردو کا کام کرنے والے کو کون کون سی مدد حاصل ہوسکتی ہیں اور اسے کن مراحل سے گزرنا پڑے گا ان تمام تفصیلات کو بہت ہی واضح انداز میں تصویر کے ذریعے

سمجھایا گیا ہے تاکہ کمپیوٹر سے دلچسپی رکھنے والا ایک معمولی شخص بھی اس کتاب کی مدد سے ان پروگرام کو چلا سکے۔ دوسرے حصے کو، کیسے؟ کے تحت کمپیوٹر میں اردو کا کام کرنے والے شخص کے ذہن میں جو سوالات ابھرتے ہیں ان کے جواب کمپیوٹر کی تصویر کی مدد سے دیے گئے ہیں۔ جیسے ہم کوئی مضمون لکھ رہے ہیں تو اس کی ہیڈنگ کیسے بنائیں گے؟ یا غزل ٹائپ کررہے ہیں تو اس کو کیسے 'لے آؤٹ' کریں گے؟ ایسے ہی حاشیہ کیسے تیار کریں گے؟، انڈیکسنگ کیسے کریں گے؟ یہ کتاب طلبا اور کمپیوٹر سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے نہایت ہی مفید ثابت ہوگی، اس کے ذریعے ہم گھر بیٹھے ہی کمپیوٹر چلانا آسانی سے سیکھ سکتے ہیں۔

—جمال اختر

پود حفاظتی آلات کی مرمت اور دیکھ بھال آموزشی اور عملی کتابچہ

مترجم: سید ظفر الاسلام

اس کتابچے میں پودوں کی حفاظت، ان کی مرمت اور دیکھ ریکھ سے متعلق معلومات کو مختلف اکائیوں میں تقسیم کرکے آسان سے آسان لب ولہجہ اور اسلوب میں پیش کیا گیا ہے تاکہ طلبہ باآسانی اسے ذہن نشین کرسکیں۔ اس کتابچے میں کل اُنیس عملی اکائیاں شامل ہیں جو طلبہ کو تجرباتی کام اور تجربات بہم پہنچائیں گے تاکہ طلبہ اپنے اندر حفاظتی آلات کی مرمت اور دیکھ ریکھ میں ماہرانہ صلاحیت پیدا کرسکیں۔ اس کتابچے میں شامل پہلی عملی اکائی 'پود حفاظتی طریقے' پر مبنی ہے۔ اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبہ پودوں کے تحفظ کی اہمیت، پودوں کے حفاظتی طریقہ کار اور فصلوں کی حفاظت میں ان کے طریقوں کے انتخاب اور نفاذ سے بخوبی واقف ہوجائیں گے۔ دوسری عملی اکائی 'پود حفاظتی ساز و سامان کی درجہ بندی اور عملی اصول' پر مبنی ہے۔ اس کے مطالعے سے طلبہ میں مختلف طرح کے پود حفاظتی آلات کی شناخت کا مادہ پیدا ہوگا۔ وہ پود حفاظتی ساز و سامان کی درجہ بندی کرسکیں گے اور مختلف پود حفاظتی آلات کے کام کرنے کے اصولوں کے بارے میں مزید مطالعہ کرسکیں گے۔ تیسری عملی اکائی 'پود حفاظتی کیمیکل کو برتنے میں احتیاط اور ذخیرہ اندوزی' ہے اس سبق سے طلبہ کیمیکل کے ذخیرہ کرنے اور ان کو برتنے میں جو احتیاطی تدابیر اپنائی جاتی ہیں ان کے بارے میں معلومات حاصل کرسکیں گے۔ چوتھی عملی اکائی 'پود حفاظتی کیمیکل اور تشکیل سے واقفیت حاصل کرنا' ہے اس میں پودوں کی حفاظت کے سلسلے میں جو کیمیکل استعمال کیے جاتے ہیں جیسے کرم کش، پھپھوند کش، جراثیم کش، کھر پتوار مار خیطیہ کش (Nematocide) وغیرہ کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہوئے Formulation اور اس کے اقسام کے بارے میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ طلبہ آسانی سے پود حفاظتی کیمیکلس اور اس کی مختلف قسم کی تشکیل اور تشکیلی عوامل کو سمجھ سکیں۔ پانچویں عملی اکائی 'پود حفاظتی آلات کے لیے ابتدائی طبی امداد، علاج اور حفاظتی ساز و سامان' ہے جب کہ چھٹی اکائی 'عام پود حفاظتی آلات کی مرمت اور دیکھ بھال کے لیے عام دستی اوزاروں سے واقفیت حاصل کرنا' ہے۔ اس کے علاوہ ساتویں اکائی 'پاش کار (Sprayer) کے بنیادی اجزا کی واقفیت حاصل کرنا' آٹھویں اکائی 'ڈسٹر کے بنیادی اجزا کی واقفیت حاصل کرنا' نویں اکائی 'نوزل قسم کے پرزوں اور ان کے تطابق کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا' دسویں اکائی 'ہائیڈرولک دستی داب چھڑکاؤ کا عمل اور ان کی دیکھ بھال' وغیرہ یہ ایسی اکائیاں ہیں جو زراعتی پیداوار اور اس کی حفاظت کے سلسلے میں بہت اہم ہیں ان سب کے مطالعے سے طلبہ کے اندر زراعتی پیداوار، ان کی حفاظت اور مرمت کے سلسلے میں دلچسپی پیدا ہوگی اور مزید معلومات میں اضافہ ہوگا اور زراعتی پیداوار مزید بڑھاوا دے سکیں گے۔ مذکورہ بالا عملی اکائیوں کے علاوہ اور بھی بہت ساری اکائیاں اس کتابچے میں شامل ہیں جو زراعت، پودوں کی حفاظت، اس کی مرمت اور دیکھ ریکھ سے متعلق ہیں۔ اردو میڈیم اسکولوں کے لیے یہ ایک بہترین تحفہ ہے امید ہے کہ اس تحفے کی پذیرائی ہوگی۔

—امتیاز احمد علیمی

سائنس کی کہانیاں (حصہ اول و دوم)

مصنف: سکلف اور سکلف، مترجم: انیس الدین ملک

کتاب میں قدیم دریافتوں کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں کچھ تو پانچ سات سو سال پرانی ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں سائنس کے عہد طفلی کی ایجادات کو کہانی کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ سائنسی معلومات کو کہانی کی شکل میں پیش کرنے سے کتاب خاصی دلچسپ ہوگئی ہے۔ کہانیوں کے عنوانات بھی افسانوی تاثر فراہم کرتے ہیں۔ کچھ عنوان تو اتنے دلچسپ ہیں کہ ان پر نظر پڑتے ہی پوری کہانی پڑھنے کا تجسس پیدا ہوتا ہے۔ خاص طور سے حسینہ کالی پڑ گئی، کتے کا غار، دھویں سے روشنی اور ایک کیمیا داں نے خواب دیکھا وغیرہ۔ اس کے علاوہ کچھ عنوانات کا عکس یا داستان کی یاد دلاتے ہیں۔ مثلاً بارود اور ایک آتش فشاں پہاڑ، پادری سوڈا واٹر اور چوہے، پھلکری پوپ اور بادشاہ وغیرہ۔ یعنی کسی ایک واقعے کو موضوع بنا کر اس سے متعلق سائنسی معلومات اور دریافت کو سلسلہ وار بیان کیا گیا ہے۔ لگتا ہی نہیں کہ کسی مشکل سائنسی کرامات کا مطالعہ کررہے ہیں بلکہ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی افسانہ پڑھا جا رہا ہے۔ مجموعے میں کل 22 سائنسی کہانیاں ہیں اور ہر کہانی معلومات کا خزانہ ہے۔

دراصل سائنس کی کہانیاں بذات خود اصل کتاب نہیں بلکہ ایک ترجمہ ہے۔ ترجمہ بھی بے حد خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ اچھی اردو استعمال کی گئی ہے اور اصطلاحات وغیرہ کا پورا خیال رکھا ہے۔

—تنزیل اطہر

سائنس کی باتیں

مصنف: اندر جیت لال

کتاب کے مصنف اندر جیت لال صاحب معلوماتی سائنس کے ایک جانے پہچانے ادیب وصحافی ہیں۔ انھوں نے معلوماتی سائنس پر کئی کتابیں لکھیں اور انعامات سے سرفراز ہوئے۔

زیر نظر کتاب میں جملہ مضامین کی تعداد گیارہ ہے۔ پہلا مضمون 'سائنس کیا ہے' میں مصنف نے سائنس کے اصل معنی ومفہوم سے آگاہ کیا ہے۔ یہ بات بھی باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ کوئی بھی ایجاد کسی ایک آدمی کی کوشش سے وقوع پذیر نہیں ہوتی بلکہ اس میں کئی آدمیوں کی کوششیں شامل ہوتی ہیں۔ دوسرا مضمون 'ایٹم اور ایٹمی توانائی' میں مادہ اور توانائی کو ایک ہی مانا ہے۔ ایٹمی توانائی کو رحمت وزحمت کا باعث بتا کر اس کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ الفا، بیٹا اور گاما شعاعوں کی اہمیت کو نہایت حسن وخوبی سے بیان کیا ہے۔ تیسرا مضمون 'راڈار: فضائی نقل وحمل کا آلہ' ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے راڈار کی گوناگوں خصوصیات کا احاطہ کرتے ہوئے ایک مختصر مضمون میں بہت ساری چیزوں کو

سمیٹ دیا ہے۔ نیز راڈار کس طرح سے گونج کے اصولوں پر مبنی طریقۂ کار جہازوں، موسموں اور نشریاتی خبروں کے اصولوں کو پیش کرتا ہے۔ چوتھا مضمون 'کرۂ زمین پر زندگی کیسے پیدا ہوئی؟' میں مصنف نے برسہابرس کے قدیم اصولوں اور مختلف نظریات وعقائد کو پیش نظر رکھ کر جدید دور کے خیالات ونظریات کی روشنی میں ایک مثبت بات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ تحقیق وجستجو کو بھی باقی رکھا ہے۔ 'موسم کے بارے میں' پانچواں مضمون ہے۔

مضمون میں موسم کے بننے بگڑنے اور تغیرات میں کون کون سے اجزا اہم رول ادا کرتے ہیں، ان سب کا ایک سرسری مگر جامع اصول پیش کیا ہے۔ چھٹا مضمون 'چاند کی دنیا' ہے۔ چاند شروع سے ہی انسان کی دل چسپی کا موضوع رہا ہے۔ اس مضمون میں چاند کی حقیقت سے قاری کو آگاہ کیا ہے۔ زمین سے چاند تک کا خلائی سفر انسان کے لیے شوق وجستجو کا غماز ہے۔ مصنف نے اپنے ساتویں مضمون 'بجلی: ایک کمال ایک حقیقت' میں بجلی کو سائنس کے خاص الخاص کمالوں میں سے ایک بتایا ہے جو بجا ہے۔ بجلی سے متعلق مختلف ناموں کو سائنس دانوں کے ناموں پر رکھا گیا ہے۔ آٹھواں مضمون 'ریڈیم کی کہانی' ہے۔ اس مضمون میں ریڈیم کی دریافت، اہمیت اور اس کا کم مقدار میں ملنا نیز اس کی قیمت سونے سے زیادہ جیسی حیران کن باتوں سے آگاہ کیا ہے۔ اپنے نویں مضمون 'آواز وتصویر کا ایک کرشمہ' میں مصنف نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح سے سائنسی ایجادات نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ کو دل چسپ بنایا ہے۔ دسواں مضمون 'زندگی میں سائنس' ہے۔ اس مضمون میں انسانی زندگی میں سائنس کا استعمال کتنی برق رفتاری سے ہو رہا ہے نیز روز بروز ہم اس میں اضافے سے مستفید ہو رہے ہیں۔ آخری مضمون 'کائنات: بدلتے ہوئے نظریات' ہے۔ اس مضمون میں کائنات کے متعلق شروع سے موجودہ دور تک کے مختلف نظریات وخیالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قدیم نظریات و خیالات جدید دور کے نظریات وخیالات سے کس قدر غیر مشترک تھے۔

کتاب اپنے موضوع ومواد کے اعتبار سے قابل تحسین اور سرورق جاذب نظر ہے۔ کتاب کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہے کہ اس کی پہلی اشاعت 1982 میں ہوئی تھی اور یہ پانچویں اشاعت 2014 میں آپ کے سامنے ہے۔

—— ریحان سعید

فضائی آلودگی

مرتب: ڈاکٹر رفیع الدین ناصر

گلوبلائیزیشن (عالم کاری) کے اس دور میں گلوبل وارمنگ (عالمی حدت) ایک سنگین عالمی مسئلہ بن چکا ہے۔ بنی نوع انسان کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ کس طرح سے اس روئے زمین پر زندگی گذارنے والے تمام جانداروں کو قابل بقا بنایا جاسکے۔ اس موضوع پر یوں تو انگریزی زبان وادب میں کتابوں کی فراوانی ہے لیکن اُردو زبان میں کمیاب ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ناصر صاحب نے اس موضوع کی طرف توجہ دلانے کی ایک عمدہ کوشش کی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب، فضائی آلودگی، 179 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں کل 16 عنوانات قائم کیے گئے ہیں جو اس سے متعلق موضوعات سے بحث کرتے ہیں۔ عنوان کے آغاز میں تعارف پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے لیے ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

Noise pollution صوتی آلودگی۔ صوت کے معنی آواز ہے۔ یہ عام طور پر شور وغل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس کا انگریزی لفظ Noise ہے لفظ Noise لاطینی لفظ Nause سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی Unwanted sound یعنی غیر ضروری شور وغل ہے اس لیے شور وغل کو آلودگی کا ایک عامل تصور کیا گیا ہے۔ اگر وہ ایک حد سے زیادہ ہوتے ہیں تو ایسی آواز جس سے ماحول ناخوشگوار ہو، بے چینی ہو یا اس سے کام میں خلل ہو اسے شور وغل یا آواز کی آلودگی یا صوتی آلودگی کہتے ہیں۔

اس طرح لغوی اور اصطلاحی تعارف سے ہمیں اس موضوع کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہیں۔ اسی طرح اس میں شامل کیے گئے انگریزی الفاظ کے اردو متبادل بھی بے حد معلوماتی ہیں جیسے انگریزی کا لفظ (Biodiversity) کا اُردو متبادل حیاتی تنوع، (Global warming) کا عالمی حدت وغیرہ ایسے 179 الفاظ کتاب کے اندر بھی استعمال میں لائے گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی کتاب کے آخر میں اسے یکجا کر کے ترتیب سے پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ فی زمانہ اس کتاب کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ مقابلہ جاتی امتحانات سول سرویز (Civil services) وغیرہ میں ماحولیات کے موضوع سے تقریباً 25 سے 30 سوالات پچھلے کئی سالوں میں پوچھے گئے ہیں۔ اس سے اُردو میڈیم کے طلبا استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے موصوف نے ایسے اسلوب کو اختیار کیا ہے جو عام فہم اور آسان تو نہیں ہے لیکن انگریزی کے متبادل الفاظ کا ماہرانہ استعمال کر کے قاری تک اپنی بات کو پہنچانے کی حتی المقدور کوشش کی ہے جس میں وہ کامیاب نظر آتے ہیں۔

اس کتاب کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ ہر موضوع کو سمجھنے کے لیے گراف اور تصویریں بھی ساتھ میں دی گئی ہیں۔ ساتھ ساتھ آلودگی سے ہونے والی بیماریوں اور پریشانیوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور جن جن چیزوں پر ان کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

—— مناظر ارشد

حیوانات کی دلچسپ دنیا

مصنف: محمد خلیل

محمد خلیل صاحب ایک ایسے سائنس داں ہیں جنھوں نے اردو والوں کو سائنس اور ہر وہ چیز جس کا تعلق سائنس سے ہے، متعارف کرانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ خلیل کے سائنس کے حوالے سے مضامین جرائد ورسائل اور اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب 'عجیب وغریب جانور' بہت مقبول ہوئی تھی اور اسے قومی سطح پر انعام واکرام سے بھی نوازا گیا تھا۔

کتاب 'حیوانات کی دلچسپ دنیا' میں 13 جانوروں کے بارے میں آسان زبان وانداز میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ جانور ہیں۔ قدیم دنیا کا سب سے بڑا جانور ڈائناسور مکڑی— ایک ہنرمند کیڑا، تیز دوڑنے والا ہرن، بلی— ایک صفائی پسند گھریلو جانور، چھلانگ لگانے والا مینڈک، ہمیشہ رہنے والا ہائڈرا، تیز دوڑنے والی چھپکلیاں، غیر زہریلا سانپ۔ اژدہا، چمکنے والا جگنو، نڈر گینڈا، حملہ کرنے والی ٹڈیاں، بہادر شیر اور چیتا، محنتی دیمک۔

عنوان سے ہی، سب ہی جانوروں کے ساتھ ان کی خصوصیت جوڑنے کے باعث پڑھنے کے لیے طبیعت راغب ہوتی ہے۔

ہر جانور کی کہانی کے ساتھ تصویریں بھی شامل کی گئی ہیں جس سے بچوں کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ کچھ باتیں تو بہت معلوماتی اور دلچسپ ہیں۔ جیسے گھاس کھانے والے ڈائناسور، مکڑی کے جالے میں شکار پھانسنے کا پھندا، مینڈک درخت پر چڑھ سکتے ہیں، پانی میں پائے جانے والے ہائڈرا کی شکل وصورت، ہائڈرا کا سفر کرنے کا طریقہ، داڑھی والی چھپکلی، تیراک چھپکلی وغیرہ۔

—— رئیس صدیقی

تاریخ علم الادویہ

مصنف: حکیم سید محمد حسان نگرامی

تاریخ علم الادویہ کے اولین مآخذ اور اس کی ابتدائی پیش رفت کے عہد کا تعین وجود انسانیت سے متعلق قدیم ترین ماخذ کی تلاش اور مطالعے پر منحصر ہے۔

پیش نظر کتاب 'تاریخ علم الادویہ' عہد اسقلیبوس 2800 قبل مسیح - 2013 حکیم سید محمد حسان نگرامی کی تصنیف ہے۔ طبی موضوعات پر تحقیق اور دوسری زبانوں سے علم طب کی کتب کے تراجم، مضامین اور مقالات ان کی دلچسپی کے اہم شعبے ہیں۔ اس کتاب میں کم و بیش پانچ ہزار برس کی ادویاتی تاریخ اور اس کی کارگزاریوں کو جمع کیا گیا ہے۔ اس کی تیاری میں علم الادویہ کی پیش رفت سے متعلق یونان، ہندوستان، مصر، چین، ایران اور دیگر قدیم تہذیبوں کے اولین مصادر و مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

طب کی تدوین، تصنیف و تالیف اور معالجاتی تحقیق کا آغاز بقراط 460 قبل مسیح سے ہزاروں سال قبل شروع ہوتا ہے۔ اس عہد کے طبیب ہرمس 500 قبل مسیح کی معالجات میں ادویہ پر بقراط سے پہلے کی ایک اہم تصنیف کہی جا سکتی ہے۔ تاریخ طب یونانی میں معالجاتی انقلاب کا دور بقراط سے شروع ہوتا ہے۔

تاریخ علم الادویہ میں بتایا گیا ہے کہ طب کے تمام شعبوں میں منصوبہ بند قلمی اور عملی کوششوں کے آغاز کا سہرا جالینوس کے سر ہے، اس بات کی بھی نشان دہی کی گئی ہے کہ روم کے فنی اضمحلال کے بعد تمام علوم وفنون کے ساتھ علم طب بھی متاثر ہوا۔ تہذیبوں کے عروج وزوال اور چہار دانگ عالم میں سیاسی اور تمدنی انقلاب کے سلسلے سے بھی علوم وفنون زوال پذیر ہوئے اور یہ سلسلہ عہد جاہلیت تک جاری رہا۔ اور پھر جب آفتاب اسلام طلوع ہوا تو تمام ترقیوں کے ساتھ ساتھ علوم وفنون پر توجہ ہوئی اور علم طب نے بھی ترقی کی۔ اس بات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ طب نبوی میں مذکور ستر سے زیادہ دواؤں سے ایک مرتبہ پھر فن طب کا ارتقا ہوا اور آج کی نئی تحقیقات سے نبی اکرم کی بتائی گئی ادویہ کی افادیت درست ثابت ہو رہی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب کے آغاز میں ماقبل بقراط ادویہ کے ارتقائی مراحل 4000 قبل مسیح، قدیم خشتی تختیاں 1500 قبل مسیح، مصر بردری نوشتے - 1300 قبل مسیح، علم الادویہ پر دستیاب قدیم ترین علمی سرمایہ- چوتھی صدی قبل مسیح کے حالات پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد بقراط کی پیدائش اور حیات وخدمات کے ساتھ حوالے کے طور پر ان کی تصانیف اور ترجمے پر گفتگو کی گئی ہے۔ دیگر معلومات تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ پھل، غذا، مفرد اور مرکب دواؤں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ارسطو سے متعلق کتاب میں درج ذیل تفصیل بھی ملتی ہے۔ سنگ بادزہر مختلف رنگوں کا ہوتا ہے۔ بعض کا رنگ خاکستری ہوتا ہے۔ بعض پردھبے ہوتے ہیں وغیرہ۔ اس کے بعد اس کی ماہیت کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے۔ بادزہر نباتی

اور حیوانی زہروں، کیڑوں مکوڑوں کے کاٹنے پر نصف گرام سفوف بنا کر کھانے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اس طرح زہریلے اثرات میل اور پسینہ کے ذریعے خارج ہو جاتے ہیں۔

—— ڈاکٹر منور حسن کمال

قدیم علم الامراض

مصنف: ملک وامق امین

یہ کتاب طبیہ کالج کے طلبا کے لیے شائع کی گئی ہے۔ بہت بہتر انداز میں اور بے حد کم قیمت پر طلبا کی ضرورت اس کتاب سے پوری ہوگی۔ کتاب کی تیاری میں جن کتب سے مدد لی گئی ہے وہ کچھ یوں ہیں۔ ترجمہ قانونِ شیخ (سید غلام حسنین کنتوری)، علم الامراض (حکیم سید ظل الرحمٰن)، اصولِ طب (حکیم کمال الدین حسین ہمدانی)، موجز القانون (حکیم کوثر چاند پوری)، کلیات ابن رشد)، کلیاتِ نفیسی (حکیم کبیر الدین اور نظریات و فلسفہ طب وغیرہ۔

یہ کتاب طبیہ کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے اس کے نظری حصے کے تین پہلو ہیں۔ قدیم علم الامراض، جدید علم الامراض اور علم الجراثیم۔ قدیم علم الامراض پر حکیم سید ظل الرحمٰن کی کتاب نایاب ہو چکی تھی اور حکیم ہمدانی کی اصولِ طب نیز حکیم کوثر چاند پوری کی 'موجز القانون' پورے مضمون کا احاطہ کرنے سے قاصر تھی۔ لہٰذا حکیم وامق امین نے طلبا کی ضرورت کے پیش نظر یہ کتاب لکھی۔ وہ یہ خوش خبری بھی دیتے ہیں کہ قومی اردو کونسل میں جدید علم الامراض اور علم الجراثیم پر درسی کتابیں جلد شائع کرنے پر کام جاری ہے۔ نیز یہ کہ عملی نصاب کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک اہم کتاب 'رہنمائے معمل' پہلے ہی شائع ہو کر اطبا میں مقبول ہو چکی ہے۔

کتاب میں ترتیب وار تفصیل کے ساتھ علم الامراض کی تعریف اسے جاننے کا سبب مرض کے ہمارے جسم پر مرتب ہونے والے اثرات اور مرض کے نتیجے میں جسم کی غیر طبعی حالت جسے طبی زبان میں 'عرض' کہا جاتا ہے ان تمام باتوں کو آسان زبان میں سمجھایا گیا ہے۔

دوسرے باب میں انسانی بدن کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حکیم جالینوس کے نزدیک صحت، مرض اور لامرض تین حالتیں ہیں جبکہ ابن سینا صحت اور مرض صرف دو حالتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ باب 3 میں مرض کی قسمیں (مفرد اور مرکب) اور ان کی علامات بتائی گئی ہیں۔ مزاج بگڑ جانے یعنی سوءِ مزاج، اعضا کی ساخت میں بگاڑ یعنی سوءِ ترکیب، اعضا کی ساخت الگ الگ ہو جانے یعنی تفرق اتصال پر بحث کی گئی ہے۔ امراض کی وجہ تسمیہ یعنی امراض کے نام کس طرح رکھے گئے ہیں ان کا دلچسپ بیان بھی عام قاری کو لطف اندوز کرتا ہے اور معلومات میں قیمتی اضافے کا سبب بنتا ہے۔ باب 7 میں ان اسباب کا تذکرہ ہے جو انسانی زندگی کے لیے لازم ہیں یعنی 'اسباب ستہ ضروریہ' عربی میں چھ کو ستہ کہتے ہیں۔ یہ اسباب یوں ہیں: (1) ہوا، (3) مشروب (3) حرکت و سکون بدنی (4) حرکت و سکون نفسانی (5) نیند اور بیداری (6) استفراغ و احتباس یعنی بدن مواد کا اخراج یا اخراج کا رک جانا، باب 8 میں اسباب غیر ضروریہ جیسے ڈوب جانے جل جانے یا زہر کا شکار ہو جانے کا ذکر ہے۔ باب 9 میں ورم کے اسباب تفرق اتصال کے اسباب خشونت (عضو کے کھردرے پن) اور سلاست (سطح کے چکنے پن) کے اسباب، درد (وجع) کے اسباب، اقسام اثرات و نتائج و تسکین درد کے اسباب، ضعف اعضا کے اسباب سمجھائے گئے ہیں۔ باب 10 علم العلامات ہے۔

انسانی جسم کی تین علامات صحت، مرض اور حالتِ ثالثہ کے علاوہ ان علامات کا ذکر بھی ہے جن کی مدد سے مزاج کو پہچانا جاتا ہے۔ انھیں علامات امزجہ کہتے ہیں۔ آخری باب میں بقراط کے نظریہ اخلاط کے تحت یہ بتایا گیا ہے کہ خلط وہ رطب سیال ہیں جو غذا کے ہضم ہونے کے نتیجے میں بدن کے تغذیہ کا سبب بنتے ہیں۔ آج سے ڈھائی ہزار سال قبل بقراط نے اپنی کتاب 'طبیعت الانسان' میں چار اخلاط گنائے ہیں دم یعنی خون، بلغم، صفرا، اور سودا ان چاروں کا متوازن تناسب صحت کا ضامن ہے اور ان کی ترتیب بگڑ جانا ہی بیماریوں کی وجہ بن جاتا ہے۔

—— راشد جمال فاروقی

معالجات (جلد اول تا چہارم)

مصنف: حکیم وسیم احمد اعظمی

زیر تبصرہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل حکیم وسیم احمد اعظمی کا گراں قدر کارنامہ ہے۔ جلد اول (امراض نظام اعصاب و دوران خون و تنفس)، جلد دوم (امراض نظام ہضم و تولید و تناسل)، جلد سوم (حمیات، حمیات خلطیہ و امراض متعدی)، جلد چہارم (امراض جلد و متعلقات جلد) کا بھرپور انداز میں احاطہ کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے مذکورہ کتاب کو شائع کر کے یقینی طور پر طبی برادری پر احسان کیا ہے۔

جلد دوم امراض نظام ہضم و تولید و تناسل پر مشتمل ہے۔ طب یونانی میں آج یہ باب انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ ایلوپیتھی طریقہ علاج سے عاجز لوگ گیس کی بیماری کے لیے یونانی طریقہ علاج اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور آج کل عوام کی اکثریت گیس کے مرض میں مبتلا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ محنت کم کرنے کی عادت ہے تو دوسری جانب ثقیل اور ملاوٹی غذاؤں کی بھرمار ہے۔ بلکہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ Inorganic foods یعنی انگریزی کھاد کے ذریعے زیادہ سے زیادہ پیداوار بڑھا کر خوردنی اشیا کا استعمال کیا جانا بھی اس کا ایک بڑا سبب ہے۔ اس کے علاوہ اسباب ستہ ضروریہ کے اصول سے انحراف بھی نظام ہضم کی خرابی کا سبب ہے۔ اس لحاظ سے اس باب کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے اور اس پر عمل کرنے سے بڑی راحت کا احساس کر سکتے ہیں۔

معالجات جلد دوم میں امراض نظام ہضم پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ تقریباً پانچ دہائی قبل علامہ کبیر الدین کی تالیف کردہ کتاب 'شرح اسباب' بھی چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ لیکن آج کے حالات میں Oriental Side سے بنیادی تعلیم حاصل کر کے BUMS میں داخلہ لینے والے طلبا کے لیے آسان سے آسان تر زبان کی ضرورت ہے جس میں اردو کے ساتھ انگریزی اصطلاحات کی بھی سخت ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو حکیم وسیم احمد اعظمی کی تالیف معالجات کافی حد تک پورا کرتی ہے البتہ آئندہ طباعت میں مزید آسانیاں پیدا کرنے کی سعی درکار ہے مثلاً لفظ متوحش، حجرہ، حدقہ چشم وغیرہ۔

معالجات جلد سوم میں شامل حمیات کے باب پر خصوصی توجہ دی جائے کیونکہ دور حاضر میں ہونے والے مختلف نوعیت کے بخاروں کے علاج میں یہ Chapter عوام کے لیے بڑی نعمت ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جلد چہارم امراض جلد (Skin Diseases) پر مشتمل ہے۔ ایلوپیتھی طریقہ علاج میں Skin Diseases پر کارگر ادویات کی بے حد کمی ہے۔

—— ڈاکٹر سید احمد خاں

قانونیات

بھارت کا آئین

وزارت قانون وانصاف

ہندوستان میں سب سے زیادہ مشکلات کے شکار لوگ قانون نہ جاننے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ انگریزی اور ہندی حلقے کے لیے تو کسی قدر کتابیں مل جاتی ہیں مگر اردو میں نہیں کے برابر ہیں۔ ایسی صورت میں اردو والوں کے لیے 'بھارت کا آئین' نامی کتاب جو قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان (مرکزی وزارت فروغ انسانی وسائل حکومت ہند) نے قانون کے موضوع پر شائع کی ہے بہت اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے۔ اس سے پہلے بھی یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ یہ پانچویں اشاعت ہے اس کی خوبی یہ ہے کہ یکم جولائی 2013 تک کے ترمیم شدہ قوانین درج ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب کے 22 حصے ہیں، جن میں بعض کے ذیلی ابواب ہیں۔ اس کتاب کا آغاز دفعات (آرٹیکل) سے ہوا ہے۔ اس کا پہلا حصہ یونین اور اس کا علاقہ ہے جس میں یونین کا نام اور علاقہ، جدید ریاستوں کا داخلہ یا قیام وغیرہ کا ذکر ہے۔ دوسرا حصہ شہریت ہے۔ جس میں شہریت، آئین کا تاریخی نفاذ، حقوق شہریت بعض ایسے اشخاص کے جو پاکستان سے ترک وطن کر کے بھارت آ گئے ہوں، حقوق شہریت بعض بھارتی نژاد اشخاص کے جو بیرون بھارت کے باشندے ہوں۔ حقوق شہریت کا برقرار رہنا وغیرہ، تیسرا حصہ بنیادی حقوق ہے جس میں تعریف، بنیادی حقوق کے متناقض یا ان کو کم کرنے والے قوانین اور ذیلی عناوین میں حق مساوات کے تحت قانون کی نظر میں مساوات، مذہب، نسل، ذات، یا جنس یا مقام پیدائش کی بنا پر امتیاز کی ممانعت، سرکاری ملازمت کے لیے مساوی مواقع، چھوت کا خاتمہ، خطابات و تمغات اور حق آزادی کے تحت آزادی تقریر وغیرہ سے متعلق بعض حقوق کا تحفظ، اقبال جرم میں تحفظ، جان اور شخصی آزادی، تعلیم کا حق، بعض صورتوں میں گرفتاری اور نظر بندی سے تحفظ، اسی طرح اس کے ذیلی عنوان استحصال کے خلاف حق، آزادی مذہب کا حق ثقافتی اور تعلیمی حقوق کے عنوان کے تحت اقلیتوں کے مفادات، اقلیتوں کو تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق حاصل ہے۔ حصہ چار میں مملکت کی حکمت عملی کے ہدایتی اصول، چوتھا حصہ الف بنیادی فرائض، پانچواں حصہ یونین جس میں پانچ ابواب ہیں۔ پہلا باب صدر اور نائب صدر جس میں صدر کا انتخاب، یونین کا عاملانہ اختیار اور صدر اور نائب صدر سے متعلق تمام اختیارات، فرائض، حقوق، طریقہ کار، وزیروں کی کونسل، بھارت کا اٹارنی جنرل اور حکومت کے کام کا طریقہ شامل ہیں۔ جب کہ باب دوم میں پارلیمنٹ سے متعلق توضیحات ہیں۔ تیسرا باب قانون سازی کے اختیارات، چوتھا باب یونین کی عدلیہ، پانچویں باب میں کمپٹرولر اور آڈیٹر جنرل ہے۔ چھٹا حصہ ریاستیں ہے جس میں گورنر، وزیروں کی کونسل، ریاست کا ایڈووکیٹ جنرل، ریاستی مجلس قانون ساز، کام کا طریقہ، ارکان کی نااہلیت، قانون سازی کا طریقہ کار، مالیاتی امور میں طریق کار، عام طریقہ، ماتحت عدالتیں جیسے ابواب ہیں۔ آٹھواں حصہ یونین کے علاقے، نواں حصہ پنچایت، نواں حصہ الف میں میونسپلٹیاں، دسواں حصہ درج فہرست اور قبائلی رقبے، گیارہواں حصہ یونین اور ریاستوں کے مابین تعلقات، بارہواں حصہ مالیات، جائداد اور معاہدات اور مقدمات، تیرہواں حصہ بھارت کے اندر تجارت اور لین دین، چودہواں حصہ یونین اور ریاستوں کے تحت ملازمتیں، پندرہواں حصہ انتخابات، سولہواں حصہ بعض طبقوں سے متعلق خصوصی توضیحات، سترہواں حصہ سرکاری زبان، اٹھارہواں حصہ ہنگامی حالت سے متعلق توضیحات، انیسواں حصہ متفرق، بیسواں حصہ آئین کی ترمیم، بائیسواں حصہ مختصر نام، تاریخ نفاذ، مستند ہندی متن اور تنسیخات وغیرہ ہیں۔

کتاب میں بنیادی حقوق سے متعلق دفعہ 25 سے لے کر 30 تک دفعات کی تشریح کی گئی ہے۔ اقلیتوں کے تعلق سے ان دفعات کا بیشتر موقعوں پر تذکرہ کیا جاتا ہے جس کی مدد سے تمام شہریوں بشمول اقلیتوں کو تمام اختیارات دیے گئے ہیں۔

—— عابد انور

ہندوستانی نظام قانون

مصنف: خواجہ عبدالمنتقم

خواجہ عبدالمنتقم ایک ماہر قانون ہیں۔ قانون جیسے مضمون پر اردو میں ان کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ 'ہندوستانی نظام قانون' موصوف کے انھی اشاعتی سلسلوں کی ایک کڑی ہے۔ یہ کتاب ہندوستان کی رنگارنگی اور تنوع، جمہوری ملک کے مسائل، ہندوستانی جمہوریت کا تصور، ہندوستانی نظام قانون کی بنیادیں، اس کی تشکیل اور ارتقا کا احاطہ کرتی ہے۔ آج کے بدلے ہوئے ماحول میں ہندوستانی شہری کے حقوق اور تقاضے کیا ہیں، اس نکتے پر بھی اس کتاب میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب واضح کرتی ہے کہ ہندوستان کا آئین ایک سیکولر اور عوامی جمہوریہ ہے جہاں سب کے لیے یکساں مواقع فراہم ہوتے ہیں۔ اکثریت اور اقلیت کی وضاحت کے ساتھ اقلیتوں کو خاص مراعات دی گئی ہیں، مزدوروں کی مزدوری، کمزور طبقوں کے مفادات، کھانا، کپڑا، مکان اور صحت کے ساتھ ساتھ، اثاثوں کی باقیات اور ماحولیات پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ غرض ہندوستانی نظام قانون 395 دفعات اور 12 جدول پر مشتمل آئین دنیا کا ایک بڑا آئین ہے جس کی جانکاری عوامی ترقی کے لیے لازم ہے۔ یہ کتاب 12 ابواب اور 4 ضمیمے پر مشتمل ہے جس کی خانہ بندی یوں کی گئی ہے۔

'دیباچہ' میں صاحب کتاب نے اپنی اس تصنیف کے مقصد، جمہوریت اور انصاف رسانی کے معیار سے بحث کی ہے۔ پھر کتاب کی اصل تحریر شروع ہوتی ہے۔ کتاب کا پہلا باب 'اصطلاحات' پر مشتمل ہے۔ اس میں طلبہ اور آئینی مباحث سے دلچسپی رکھنے والوں کی سہولتوں کا خیال رکھا گیا ہے، دوسرے باب میں نظام قانون کے تاریخی پس منظر سے بحث کی گئی ہے، مثلاً قدیم ہندوستان میں نظام عدل، مسلم دور حکومت میں نظام عدل، انگریز دور حکومت میں عدلیاتی نظام وغیرہ۔ تیسرا باب 'دستور ہند کے تاریخی پس منظر' کا احاطہ کرتا ہے جس میں بنیادی حقوق اور اس کی خصوصیات پر روشنی پڑتی ہے۔ چوتھا باب نظام حکومت پر مشتمل ہے جس میں عام انتخابات، انتخابی کمیشن، حکومت سازی، وزیراعظم کی تقرری، وزرائے کونسل کا قیام، پارلیمنٹ کا رول اور پنچایتوں کا ذکر ہے۔ پانچواں باب قانون سازیہ اور چھٹا باب عدلیہ کی توضیح پیش کرتا ہے۔ عدلیہ میں سپریم کورٹ، ہائی کورٹ، ذیلی عدالتیں، عدلیہ کی آزادی، اہمیت، کارکردگی، ذرائع ابلاغ، قانون کی بالادستی، عدلیہ کی فعال پذیری، انصاف میں تاخیر، جیسے امور پر بحثیں کی گئی ہیں۔ ساتواں باب نیم عدلیاتی ادارے، آٹھواں ثالثی اور مصالحت اور نواں باب پیشۂ وکالت سے متعلق ہے۔ دسواں باب کمیشنوں کا نظام میں لاکمیشن، قومی کمیشن برائے خواتین، قومی کمیشن برائے اطفال، قومی اقلیتی کمیشن، اقلیتی تعلیمی اداروں کے لیے قومی کمیشن۔ قومی کمیشن برائے مذہبی ولسانی اقلیت، ذاتوں، قبیلوں، اور طبقات کے لیے قومی کمیشن، انسانی حقوق، تحدیدی تجارتی اعمال، مقابلاتی اور اطلاقی کمیشن جیسے طویل موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔ گیارھواں باب 'قانون کی تعلیم' پر مشتمل ہے اور چار ضمیموں میں قانون کی تعلیم دینے والے ادارے، قانونی اعتبار سے اہم کچھ ویب سائٹ، اہم لارپورٹس، جریدے ورسائل اور انگریزی اردو دونوں زبانوں میں فہرست مرکزی قوانین درج ہیں۔

'ہندوستانی نظام قانون' اردو داں حلقے میں ایک انوکھی کتاب ہے جس کی عرصے سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ یہ بات بلاتامل کہی جاسکتی ہے کہ کونسل کے اشاعتی سلسلے میں اس کتاب کی اشاعت کونسل کا ایک اہم کارنامہ ہے جس کی قارئین میں خوب پذیرائی ہورہی ہے۔

—احمد کفیل

قانون (فرہنگ اصطلاحات)

ادارہ

قانون (فرہنگ اصطلاحات) قانونی اصطلاحات کا مجموعہ ہے۔ پروفیسر طاہر محمود کی نگرانی میں مرتب کیا گیا ہے۔ انھوں نے 'پس منظر' کے تحت لکھا ہے کہ "کسی زمانے میں ملک میں قانون وعدلیہ کی زبان اردو ہوا کرتی تھی اور اردو کی قانونی اصطلاحات زبان زدعوام وخواص تھیں۔ اہم قوانین سرکاری طور پر انگریزی کے علاوہ اردو میں بھی مہیا کرائے جاتے تھے جن میں تعزیرات ہند، ضابطہ دیوانی، ضابطہ فوجداری اور قانون شہادت ممتاز تھے۔ آگے چل کر وقت نے کروٹ بدلی اور اردو زبان عدالتوں سے آہستہ آہستہ خارج ہونے لگی۔ لیکن یہ اخراج زیادہ تر رسم الخط تک محدود رہا ہے ورنہ جرح، بحث، گواہی، پیشی، فیصلہ، بیان، وکیل، ملزم اور سزا جیسے بے شمار اردو کے الفاظ ہندی رسم الخط میں لکھی جانے والی عدالتی زبان میں آج بھی مروج ہیں۔ اعلی عدالتوں اور لاکالجوں میں قانونی کارروائیوں اور قانون کی درس وتدریس کی زبان پہلے بھی انگریزی تھی اور عموماً اب بھی ہے"۔ بدلتے حالات کے پیش نظر اس قانونی فرہنگ اصطلاحات کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیوں کہ اس وقت بیشتر شعبوں، انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ میں انگریزی یا ہندی زبان کا دبدبہ ہے اور انگریزی زبان میں جو اصطلاحات لکھی جاتی ہیں اس کا سمجھنا تھوڑا مشکل ہوتا ہے اور قانون سے متعلق جو چیزیں ہندی میں دستیاب ہیں وہ اتنی مشکل ہوتی ہیں بیشتر ہندی داں بھی اسے نہیں سمجھ پاتے کیوں کہ سنسکرت میں ملفوف ہوتے ہیں۔ یہ کتاب اردو کے اساتذہ، صحافی، وکلاء اور ججوں کو ترجمانی کی فرائض منصبی ادا کرنے میں مدد دے گی۔

زیر تبصرہ کتاب میں قوانین کے علاوہ دفتری اصطلاحات، پارلیمنٹ کی کارروائی کی اصطلاحات، سرکاری کارروائی کی انگریزی اصطلاحات کا آسان اور عام فہم ترجمہ کیا گیا ہے۔ عوام کی پسند (Public Taste)، نیم حکیم (Quack)، امر واقعہ (Question Of Fact) پالیسی کا مسئلہ (Question Of Policy)، ناواجب تاخیر (Undue Delay)، لگان دار (Tenure Holder)، ملکی سمندر (Territorial Water) وغیرہ الفاظ دیے گئے ہیں۔ غرضیکہ سماجی، انسانی حقوق، پارلیمنٹ میں اپنائے جانے والی ٹرمنالوجی اور آئینی اصطلاحات کے ترجمے دیے گئے ہیں۔ اس سے اردو داں کو قانون، انسانی حقوق کے بارے میں اصطلاحات اور دیگر شعبوں سے متعلق اصطلاحات کو شامل کتاب کیا گیا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں اصطلاحات قانون، لاطینی مقولے، الفاظ واصطلاحات، آئینی اصطلاحات، انسانی حقوق سے متعلق اصطلاحات، پارلیمانی اصطلاحات اور مرکزی قوانین شامل ہیں۔

یہ کتاب ہر اردو داں، اردو اساتذہ، وکلاء، ماہر قانون، ترجمہ نگار اور صحافیوں کے پاس ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ ایسی کتاب ہے کہ جس میں عام فہم الفاظ میں تمام اصطلاحات دی گئی ہیں۔

—عابد انور

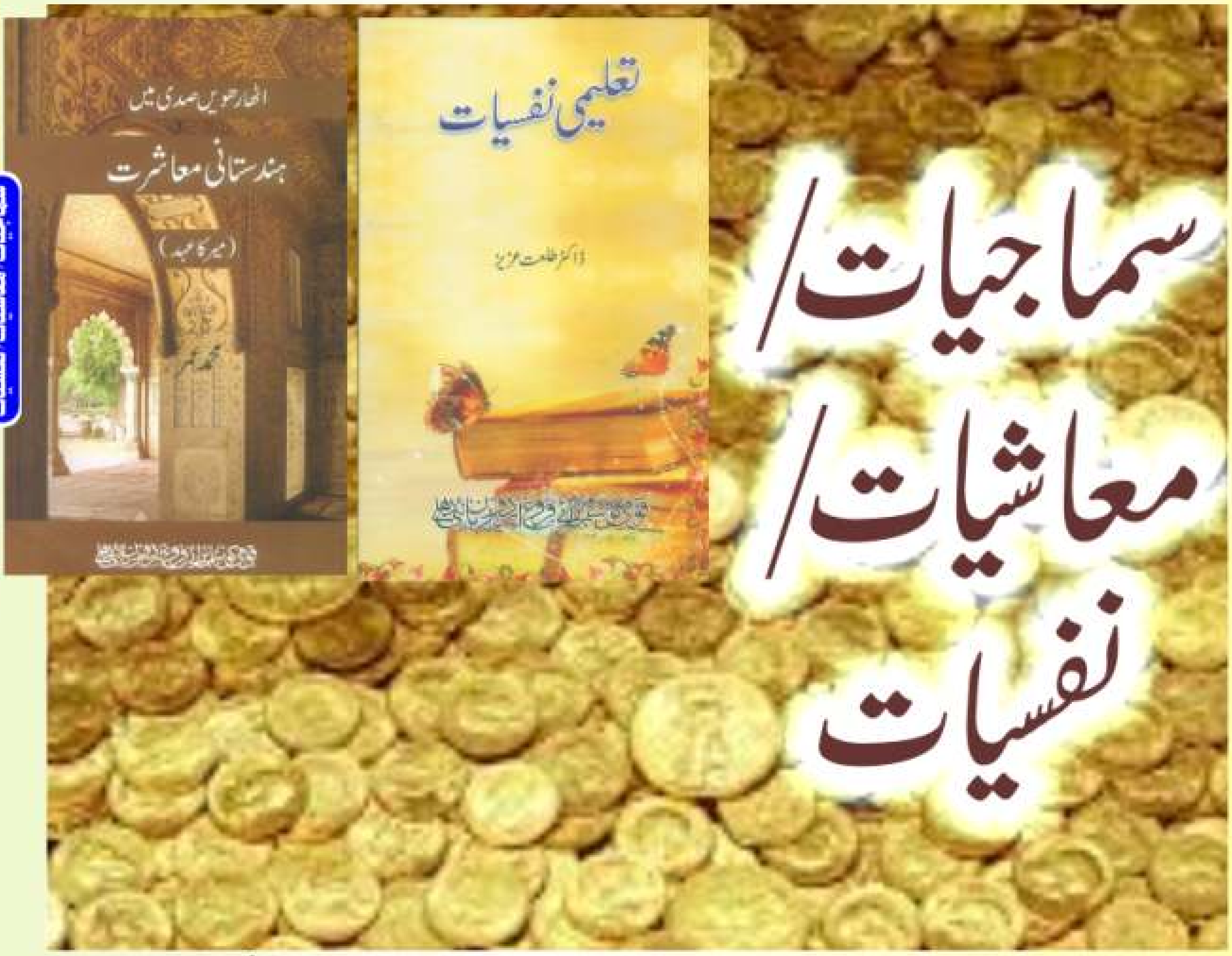

اقتصادیات برائے عوام

مصنف: سید اطہر رضا بلگرامی

کتاب گیارہ مضامین پر مشتمل ہے۔ ابتدائی دو مضامین 'اکنامکس: تعارف برائے عوام' اور 'اکنامکس: آئینہ زندگی' میں مصنف نے قاری کو اقتصادیات سے متعارف کرانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اس کی اہمیت پر تفصیل سے بات چیت کی ہے۔ دوسرے مضمون میں مصنف نے بڑے موثر انداز میں بزرگوں کی مخالفت کے باوجود اقتصادیات مضمون پڑھنے کا قصہ بیان کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ذکر کیا ہے کہ کس طرح سے ان کے استاد نے اس خشک موضوع کو بیان کی چاشنی سے تر کر کے کلاس میں پیش کیا جس سے اقتصادیات کے تئیں ان کی دلچسپی اور بڑھ گئی۔ اس پورے مضمون میں مصنف نے اپنے استاد کی تقریر کے ذریعے اقتصادیات کی ضرورت کو سمجھایا ہے۔ 'اقتصادیات کا نظریہ قدر' مضمون کے تحت یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی زندگی میں کسی شے کی قدر و قیمت کیوں بڑھتی ہے اور کس وجہ سے کم ہو جاتی ہے اور اپنی بات کو مصنف نے بڑے عمدہ انداز میں ثابت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''پیاس میں پانی کے ہر گھونٹ کے ساتھ اور بھوک میں ہر نوالے کے ساتھ احساس تسکین بڑھتا جائے گا۔ اس لیے ہر اگلے گھونٹ یا ہر اگلی روٹی یا اگلے نوالے میں قوت تسکین گرتی جائے گی۔'' اس کے علاوہ ڈائگرامس کے ذریعے بھی اپنی بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ صارف دو اشیا کے درمیان کیسے اور کیوں بے نیاز ہے اس کو دو چیزوں کے درمیان فرق کیوں نظر نہیں آتا اس کا ذکر مصنف نے چوتھے مضمون 'اقتصادیات میں صارفین کے خط بے نیازی کا تصور' میں بخوبی کیا ہے۔ 'تنظیم پیداوار: پیداوار اور پیداواری عمل' میں جہاں تنظیم پیداوار کی ابتدا، پیداوار کی تعریف، پیداوار کے عمل، پیداوار کے عوامل، ان کے باہمی ربط اور ان کی نوعیتوں کا ذکر کیا ہے وہیں چھٹے مضمون میں پیداوار کے عمل سے متعلق اصولوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں مصنف نے بازاروں کی نوعیتوں سے جڑے اصولوں کی تشریح و تنقید پر بھی بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ آخری باب تقسیم کے اصولوں پر مشتمل ہے، جس میں مصنف نے رینٹ، سود، اجرت اور منافع سے متعلق نظریے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اقتصادیات کے موضوع پر اردو کے قارئین کے لیے یہ ایک اہم کتاب ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے مائکرو اکنامکس کے اصول کو تکنیکی الفاظ کے استعمال کے بجائے بیانیہ انداز میں اور آسان پیرائے میں بیان کیا ہے۔ مصنف نے حتی الامکان اس بات کی کوشش کی ہے کہ روایتی درسی کتابوں کے انداز تشریح سے جہاں تک ممکن ہو سکے بچا جائے اور موضوعات کے مواد کو کلاس روم سے نکال کر عوام کی ذہنی سطحوں تک لایا جائے۔

—— ڈاکٹر نشاں زیدی

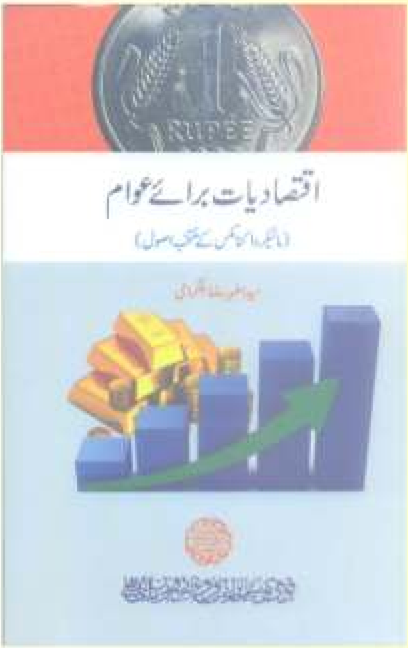

اٹھارھویں صدی میں ہندستانی معاشرت

مصنف: ڈاکٹر محمد عمر

یہ کتاب دو حصوں اور نو ابواب میں منقسم ہے۔ حصہ اول میں اس زمانے کا احاطہ کیا گیا ہے جو میر نے نادر شاہی حملے کے بعد سے سفر لکھنؤ تک دہلی میں گزارا تھا۔ حصۂ دوم میں میر کی لکھنؤ آمد کے بعد کے سیاسی، سماجی و معاشرتی، تہذیبی و ادبی اور اقتصادی صورت حال کا بیان ہے۔ آخری باب میر کی آخری زندگی کے ایام پر مشتمل ہے۔ کتاب میں نثار احمد فاروقی کا وقیع اور عالمانہ دیباچہ بھی شامل ہے جس میں انھوں نے میر کی ادبی وسماجی زندگی کے ساتھ اس عہد کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی وتہذیبی اور مذہبی واخلاقی زندگی کی طرف خصوصاً میر کے مذہبی عقائد کی بابت معنی خیز اشارے کیے ہیں۔

کتاب کے مطالعے سے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوتی کہ ڈاکٹر محمد عمر نے واقعات کے بیان میں بنیادی ماخذوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ آیا وہ بادشاہوں، امرا اور روسا کی زندگیوں کا تذکرہ ہو یا ادبی وتہذیبی زندگی کا بیان یا پھر ملکی وسیاسی حالات کی عکاسی ہر جگہ ان کا استدلالی طرز اظہار صداقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے جن بیانات کے دفاع میں کتابوں کے شواہد دستیاب نہیں ہیں ان کا خلا وہ مختلف سیاحوں کی روداد اور سفرناموں کی تفصیلات سے پُر کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں مواد کی عدم دستیابی کی صورت میں اس کے متعلق کمال دیانت داری سے اعتراف بھی کرتے ہیں۔

دوسرا حصہ، حصۂ اول کی طرح سیاسی، اقتصادی، معاشرتی وتہذیبی اور مذہبی واخلاقی ابواب میں منقسم ہے۔

ڈاکٹر موصوف نے دوسرے حصے یعنی لکھنؤ کے بیان میں عوام وخواص کے آداب خورد ونوش، طرز بود وباش، کھیل تماشے، ادبی محفلوں، جشن اور تہواروں کے علاوہ سیاسی، اقتصادی اور ادبی حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ حصۂ دوم کے مطالعے سے یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ دہلی کے ناگفتہ بہ حالات سے تنگ آکر صرف شعرا نے مہاجرت نہیں کی بلکہ مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والے جیسے نانبائیوں، طوائفوں وغیرہ بھی دہلی سے ہجرت کر کے لکھنؤ میں سکونت پزیر ہوئے۔

نواب سعادت علی خاں، صفدر جنگ، شجاع الدولہ، آصف الدولہ وغیرہ نے لکھنؤ میں ایک ایسی حکومت کی تعمیر کی جہاں امن تھا اور اس فضائے امن نے ادب پروری اور ادب نوازی کے لیے راہ ہموار کر دی تھی۔ مرزا سلیمان شکوہ کے دربار سے منسلک انشا و جرأت کے معرکے اور دیگر شعرا و ادبا کے ادبی معرکوں سے لکھنؤ میں ادبی فضا کا کچھ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد عمر نے شعرا کے کلام سے استفادہ کے ذریعے ادبی حوالوں کو بھی بطور سند استعمال کیا ہے۔

—ڈاکٹر نوشاد عالم

تعلیمی نفسیات

مصنف: طلعت عزیز

کتاب 'تعلیمی نفسیات' چار ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول 'تعلیمی نفسیات' کے عنوان سے ہے جس میں کئی ذیلی عنوانات قائم کر کے تعلیمی نفسیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان میں سے ایک عنوان 'تعلیم: معنی اور ارکان' میں انھوں نے ہمیں یہی بتانے کی کوشش کی ہے کہ دنیا میں جب بچہ آتا ہے تو فطری طور پر دوسروں کا محتاج ہوتا ہے، اسے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا ہے وہ اپنے آس پاس کے ماحول کو اور انسانی و غیر انسانی چیزوں کو دیکھتا ہے اور مانوس ہونے لگتا ہے۔ پروفیسر طلعت عزیز لکھتی ہیں کہ 'تعلیم ایک لگاتار چلنے والا عمل ہے۔ اس ذیلی عنوان کے تحت مصنفہ نے مختلف ماہرین تعلیم اور مفکرین کے اقوال کے ذریعے اپنی بات کو آگے بڑھایا ہے۔ انھوں نے ماہرین تعلیم کے لیے تعلیمی نفسیات کی اہمیت، اسکول انتظامیہ کے لیے تعلیمی نفسیات کی اہمیت اور اساتذہ کے لیے تعلیمی نفسیات کی اہمیت پر اپنے خیالات وافکار کا اظہار کیا ہے۔

باب دوم نمو اور نشو و نما (Growth and develpment) پر لکھا گیا ہے۔ اس باب میں مصنفہ نے انسان کی نشو ونما کو مختلف درجات میں تقسیم کیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

(1) جسمانی نشو ونما، (2) ذاتی نشو ونما، (3) معاشرتی نشو ونما، (4) وقوفی نشو ونما، (5) سماجی اور جذباتی نشو ونما

اس کے آگے صفحات میں وہ ہمیں بتاتی ہیں کہ بہت سے والدین سخت مزاج اور اصولوں کے پابند ہوتے ہیں اور بچوں کے حکم نہیں ماننے پر ان کو سزا دیتے ہیں، یہ سزا جسمانی اور ذہنی دونوں قسم کی ہوتی ہے، ایسے والدین کے بچے ہمیشہ خوفزدہ رہتے ہیں اور آگے چل کر وہ جھوٹ اور بے ایمانی کا سہارہ لیتے ہیں اور اپنی غلطی کو محسوس بھی نہیں کرتے۔

باب سوم کا موضوع، ذہن اور ذہانت ہے اس موضوع پر مصنفہ نے بھرپور روشنی ڈالی ہے۔

کتاب کا آخری اور چوتھا باب ' آموزش' ہے۔ کسی فرد کے علم یا برتاؤ میں تجربات کی بنیاد پر ہونے والی دائمی تبدیلی آموزش یا اکتساب کہلاتی ہے۔ یہ تبدیلی بامقصد یا بے مقصد طریقے سے ہو سکتی ہے۔

آموزش کی تعریف، آموزش کی ماہیت اور خصوصیات اور آموزش کو متاثر کرنے والا عمل۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ پروفیسر طلعت عزیز کی یہ کاوش ایک بہترین اور کامیاب کوشش ہے۔

—ذاکر فیضی

صحیفۂ خوشنویساں
مولوی احترام الدین احمد شاغل عثمانی

خطاطی

کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن
اردو خوش نویسی
(برائے سال دوم)

خطاطی

صحیفۂ خوش نویسان

مصنف: مولوی احترام الدین احمد شاغل عثمانی

اردو زبان کی ترویج و ارتقاء میں اردو زبان کے رسم الخط کو بھی ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ ایک باقاعدہ ترقی یافتہ اور منضبط شعبہ شعبۂ خطاطی اور خوش نویسی بھی ہے۔ اس فن کے اصول وقواعد اور کلیات وضوابط سب مدون ومرتب ہیں۔ اردو میں فن خوش نویسی اور اس کے ارتقاء پر ایسی کوئی مستقل جامع کتاب نہیں ملتی جس میں تمام خطاطی کے دبستانوں کا جائزہ لیا گیا ہو اور معروضی انداز میں تمام مشہور خطاطین اور اساتذۂ فن کا تعارف اور تفصیلی تذکرہ ملتا ہو۔

مولوی احترام الدین شاغل عثمانی 'ایک مشہور خطاط اور فن خطاطی کے رمز آشنا تھے۔ آپ نے اسی خلاء کو پر کرنے کے لیے 'تذکرۂ خوش نویساں' مرتب کیا۔ یہ تذکرہ تقریباً پچاس سال پہلے شائع ہوا تھا اور ایک مدت سے ناپید تھا۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اس نایاب کتاب کو دوبارہ شائع کر کے ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔

یہ کتاب بیک وقت 'فن خطاطی کا مکمل تعارف بھی ہے اور اس فن کے عروج وارتقاء کی تاریخ بھی۔ اس کتاب کے مطالعے سے مشہور خطاطین کا تعارف اور ان کے متبعین و شاگردوں کے سلسلے میں گراں قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مشہور اساتذہ کی وصلیاں اور نمونۂ خط بھی شامل کتاب ہیں۔

صاحب تذکرہ 'صحیفۂ خوش نویساں' نے کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ باب اول میں رسم خط کی مختصر تاریخ اور موجدینِ خط کے حالات ہیں۔ باب دوم میں ردیف وار مختصر حالات خوش نویساں ہیں۔ باب سوم میں سامانِ خوش نویساں کا ذکر ہے۔ اور فنی معلومات اور نکاتِ خطاطی کا اظہار کیا گیا ہے۔ باب چہارم میں اساتذہ کے وصلیوں کے نمونے ہیں اور ان کی کتابتی خوبی وخصوصیت کا اظہار ہے۔ اس کے ساتھ ایک ضمیمہ اور ایک شجرہ بھی کتاب میں شامل ہے۔ ضمیمہ میں ان کتابوں کی فہرست ہے، جن سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اور شجرۂ خوش نویساں میں اساتذۂ فن خطاطی کے ساتھ ان کے متبعین کے نام بھی درج کیے گئے ہیں۔ اس شجرہ کو دیکھنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ کون خطاط موجد خط ہے، کون استاذ ہے اور ان کے شاگرد کون کون ہیں۔ البتہ صاحب صحیفۂ خوش نویساں نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ: ''کاپی نویسوں کے حالات اس میں نہ پا کر اس کو نامکمل تصور کیا جائے تو ظاہر ہے کہ کوئی تذکرہ اس اعتبار سے نہیں بچ سکتا۔ اسی طرح یہ امر بھی واضح ہے کہ جس طرح ہر خوش نویس کاپی نویس نہیں ہوتا، اسی طرح ہر کاپی نویس بھی خوش نویس نہیں مانا جا سکتا۔'' یقیناً اس کتاب میں تمام مشہور خطاط اور ان کے متبعین کے نام شامل ہیں، فن خطاطی کے دور آخر تک کے تمام اہم نام ہمیں اس کتاب میں ملتے ہیں۔

—— ڈاکٹر سید وصی اللہ بختیاری عمری

اردو خوش نویسی (برائے سال دوم)

مصنف: خورشید عالم

'اردو خوش نویسی' موصوف کی کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن سے بھرپور دو سالہ ڈپلوما کورس کے لیے ایک بہترین کتاب ہے۔ اس کتاب کو کل چھ ابواب میں منقسم کیا گیا ہے:

پہلے باب میں خوش نویسی کے فن، اساتذۂ فن اور اس کے عروج وارتقاء پر معروضی انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے جبکہ دوسرا اور تیسرا باب قدرے مشترک ہے اس میں فن خوش نویسی کے متعدد اقسام مثلاً خط رقعہ، خط ثلث اور خط دیوانی وغیرہ کو بتاتے ہوئے اس کی تعریف مع امثلہ پیش کی گئی ہے۔ مذکورہ خطوط میں خط ثلث ایک مشکل ترین خط مانا گیا ہے اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جو اس خط پر عبور حاصل کر لے وہ کسی بھی خط کو آسانی سے لکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ باب چہارم میں خط شکستہ، خط طغریٰ کے ساتھ مختلف اور متنوع خطوط کے نمونہ جات درج کیے گئے ہیں۔ باب پنجم میں رقعہ جات یعنی مختلف تقریبات کے دعوت نامے جیسے شادی بیاہ، افتتاحی تقریبات، رسم اجراء، عیدین کی مبارک باد، سہرا اور سپاس نامہ وغیرہ میں جس خط کا استعمال ہوتا ہے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب ششم جو کہ آخری باب ہے اس میں موجودہ دور کے وہ خطوط جسے ہم رابطے کے لیے استعمال کرتے ہیں جیسے اخبارات اشتہارات، رسالہ، پوسٹر، میل وغیرہ پر بہت ہی معلوماتی انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ یوں تو فن خوش نویسی نہایت قدیم فن ہے اور یہ اسلام جیسے عظیم ترین مذہب سے زیادہ قریب رہا ہے۔ کیلی گرافی کا جوہر ہر کسی کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے صرف اسے نکھارنے اور صیقل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

خورشید صاحب نے ایک ایسے وقت میں اس کتاب کو لکھا ہے جب کہ یہ فن معدوم سا ہوتا جا رہا ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی نے نگاہوں کو خیرہ کر رکھا ہے قلم اور روشنائی کی جگہ Key Board نے لے لی ہے ایسے میں اس کے وجود پر خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں ایسے پرفتن دور میں خورشید صاحب نے اس کتاب کے ذریعے خوش نویسی کی بازیافت کی کوشش کی ہے ان کی یہ کوشش نہایت ہی مستحسن ہے۔ کونسل مبارک باد کی مستحق ہے کہ ایسے معدوم ہوتے فن کی بازیافت کے لیے مسلسل کوشاں ہے، امید ہے کہ یہ کتاب خوش نویسوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

—— مناظر ارشد

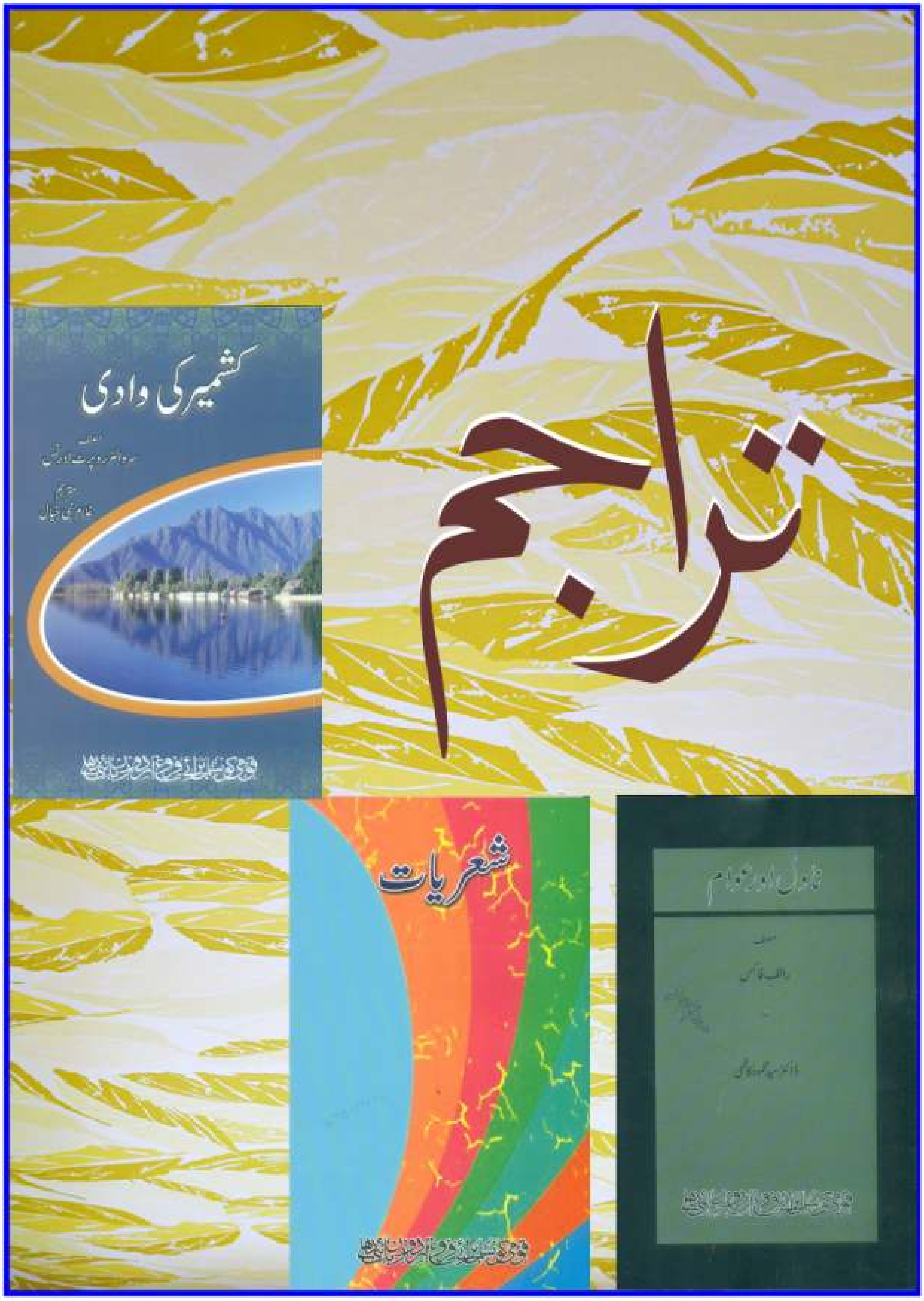
تراجم
کشمیر کی وادی
شعریات
ناول اور عوام

ناول اور عوام

مصنف: رالف فاکس، مترجم: ڈاکٹر سید محمد کاظمی

زیر نظر کتاب 'ناول اور عوام' رال فاکس کی انگریزی تصنیف کا اردو قالب ہے، جسے ڈاکٹر سید محمد کاظمی نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ کتاب اور ترجمے دونوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

رال فاکس کی تصنیف The Novel and the people (ناول اور عوام) 1937 میں منظر عام پر آئی۔ انھوں نے ناول جیسے اہم موضوع کو سماج اور فطرت کے خلاف فرد کی جدو جہد کا رزمیہ قرار دیا۔ اس نے حیات انسانی اور ادب کو لازم و ملزوم قرار دیا۔ فاکس کے مطابق احساسات کی داخلی دنیا اور مسائل کی خارجی دنیا سے کوئی تصادم نہیں ہے۔ اس کا کمال یہ ہے کہ اس نے دونوں کو بہت ہی فلسفیانہ انداز میں سماج کی حقیقت نگاری کے لیے پیش کیا۔ اس کے بارے میں اس کا یہ بھی خیال ہے کہ ''کوئی بھی ناول نگار اس وقت تک انفرادی اور شخصی صورت حال کا خاکہ نہیں کھینچ سکتا جب تک کہ وہ اجتماعی صورت حال کے بارے میں معلومات نہ رکھتا ہو۔''

رال فاکس کے تنقیدی افکار کو اس کے عہد میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اسی لیے اس کے بعض ہم عصروں کا خیال ہے کہ وہ تنقید نگار ہونے کے ساتھ ساتھ نظریہ ساز بھی تھا۔ برطانیہ کے قصبہ ہیلی فیکس میں مارچ 1900 میں پیدا ہونے والے رال فاکس کی علم و ادب سے دلچسپی کا اندازہ بچپن سے ہی تھا۔ اس نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا کہ وہ ایک نمونے کے طور پر پیش کیے جانے لگے۔ اس کتاب کی خوبی یہ بھی ہے کہ رال فاکس نے مغرب میں ناول نگاری کے ارتقا سے بحث کرتے ہوئے اس پر تنقیدی نظر بھی ڈالی ہے۔ اس تصنیف کا تعلق خاص طور سے ناول اور اس کی تنقید سے ہے۔

محمود کاظمی نے کتاب کے مقدمے میں جن عالمانہ خیالات کو پیش کیا ہے ان میں ناول کے آغاز و ارتقا پر نہایت کارآمد بحث مقدمے کی شکل میں سامنے آگئی ہے۔ انھوں نے اپنے مقدمے میں ترجمے کے مسائل اور فوائد پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کے مقدمے کا روشن پہلو یہ ہے کہ مترجم زبان و بیان کے ساتھ ساتھ نفس موضوع پر غیر معمولی گرفت رکھتا ہے۔ اور وہ نہ صرف مشرق بلکہ مغرب میں فکشن کی روایت سے پوری طرح واقف ہے۔ اس سے رال فاکس کی تصنیف کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں کل گیارہ مضامین شامل ہیں۔ عرض مترجم کے تحت شامل مضمون سے اس کتاب کے سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ آر پومیرن تسوا کے مقدمے کو اردو زبان میں ترجمے کے ذریعے منتقل کیا گیا ہے جو کہ علمی، ادبی، سماجی، تاریخی و تنقیدی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ 'فاکس کا نظریہ زندگی اور تصنیف ان تاریخی واقعات نے متعین کی ہے جو بیسویں صدی کے اوائل میں برطانوی تاریخ میں وقوع پذیر ہوئے'۔ مقدمہ نگار نے لکھا ہے کہ ناول کے عروج پر تبصرہ کرتے ہوئے فاکس فن کے عہدی تقسیم کے لیے معاشرے کی تاریخ کو ہی بنیاد بناتا ہے جبکہ برطانیہ کے دیگر مارکسی ادیبوں کے لیے فن کے ماضی کا موضوع دلچسپی کا باعث نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فاکس نے اپنے لیے سخت معیار متعین کیے تھے۔

کتاب میں شامل مضامین کے عناوین اس طرح ہیں: مارکسیت اور ادب، سماج اور حقیقت، ناول اور حقیقت، ناول بحیثیت رزمیہ، وکٹوریائی مراجعت، پروتعیّنس، ہیرو کی موت، اشتراکی حقیقت پسندی، جیتا جاگتا انسان، نثر کا گمشدہ فن، ثقافتی ورثہ ہیں۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں دلائل کے ساتھ افکار و نظریات کو واضح کیا گیا ہے۔ مارکس کی تھیوری اور اس کے نظریے پر عمیق نظر رکھنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ مصنف کا خیال ہے محنت کش طبقے میں ایسے لوگ بھی جو اشتراکی حقیقت پسندی یا انقلابیت کو ناول میں سنجیدگی کے ساتھ قبول نہیں کرتے ہیں وہ اس کو ایک سیاسی پہلو سے بھی دیکھنے اور جانچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

—ام اسما

شعریات

مترجم: شمس الرحمٰن فاروقی

محمد حسین آزاد کی مقبول تصنیف 'آب حیات' کے انگریزی مترجم شمس الرحمٰن فاروقی نے ارسطو کی تصنیف Poetics کا ترجمہ 'شعریات' کے نام سے کیا ہے۔ یہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے پہلی بار 1980 میں شائع ہوئی۔ اب تک اس کے چار ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔ انھوں نے اپنے ترجمے کے لیے ایس ایچ بوچر کی کتاب کا انتخاب کیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بوچر کا انگریزی ترجمہ مستند ہے۔

انگریزی میں 'Poetics' کا اولین ترجمہ تھامس ٹوئینگ (Thomas Twining) نے 1789 میں کیا تھا۔ تھامس ٹوئینگ سے اب تک انگریزی میں دس سے زیادہ مترجمین کے ترجمے منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان میں ٹوئینگ کے علاوہ ایس ایچ بوچر، انا گرام بائی واٹر، ولیم ہمیلٹن فائف، ایل جے پوٹس، جی ایم اے گروب، رچرڈ جینکو، اسٹیفن ہالی ویل، مالکوم ہیتھ، اور سیتھ بینارڈیٹ اور میکائل ڈیوس وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان میں تازہ ترین ترجمے سیتھ بینارڈیت اور میکائل ڈیوس کے ہیں۔ یہ ترجمے 2002 میں سینٹ آگسٹائن پریس سے شائع ہوئے۔ اردو میں ''Poetics'' کا اولین ترجمہ مشہور ترقی پسند نقاد عزیز احمد نے کیا۔ بعدازاں اس کا اردو ترجمہ محمد یٰسین اور جمیل جالبی نے بھی کیا ہے۔

'شعریات' 136 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں 87 صفحات ارسطو کے اصل متن کا ترجمہ ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے 'شعریات' پر 49 صفحات پر مشتمل مقدمہ لکھا ہے۔ یہ مقدمہ ارسطو شعریات کے جہات کو روشن کرتا ہے۔ اس میں انھوں نے ارسطو کی بحث میں افلاطون کے نظریات کو بھی شامل کیا ہے۔ یہ امر اپنی جگہ درست ہے کہ افلاطون کے ذکر کے بغیر ارسطو کی تفہیم مشکل ہے۔ انھوں نے افلاطون اور ارسطو دونوں کے نظریات کا تقابل بھی پیش کیا ہے اور متنازع مباحث کو بھی موضوع بحث بنانے کی سعی کی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انھوں نے شعریات کو موجودہ تنقیدی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

—رغبت شمیم ملک

کشمیر کی وادی

مصنف: سر والٹر روپرٹ لارنس، مترجم: غلام نبی خیال

وادی کشمیر اور اہل کشمیر کے طرز زندگی، رسم و رواج، بود و باش اور رہن سہن پر کئی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان میں سب اپنی جگہ اور اپنے اعتبار سے اہمیت کی حامل ہیں۔

واضح ہو کہ یہ کتاب دراصل لارنس کے ذریعے انگریزی میں لکھی گئی تھی۔ اس سے قبل کئی مترجمین اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

غلام نبی خیال جو خود قابل مصنف وصحافی کے علاوہ کشمیری باشندے بھی ہیں وہ اس ترجمے کے لیے مناسب تھے کہ وہ نہ صرف اصل عبارت بلکہ طرز معاشرت سے بھی بھرپور آگہی رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے وہاں کے حکمرانوں کے اوصاف کے ساتھ ساتھ ان کے دور میں عوام جن مشکلات سے گزر رہی تھی اس کو وضاحت سے بیان کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

لارنس کی یہ تاریخی ضخیم کتاب مختلف نوع کے انیس ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتدائیہ، بیانیہ، ارضیات، نباتات، حیوانات، آثار قدیمہ، سیاسی تاریخ، مادی تاریخ، اعداد و شمار، سماجی زندگی مذاہب نسلیں اور قبیلے زراعت اور کاشتکاری، مال اور مویشی، صنعتیں اور کاروبار، تجارت، قدیم انتظامیہ جدید بندوبست اور زبان ولسانیات۔

لارنس نے ان ابواب کی تقسیم میں پورے کشمیر نیز وہاں کی ہر چیز کو اپنی کتاب میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے جو کافی دل چسپ اور معلومات سے پر ہے۔ تاریخی نوعیت کی یہ ضخیم کتاب کافی اہمیت کی حامل ہے۔ لارنس نے یہاں کی زبان، کردار، رسم و رواج کے علاوہ اہل کشمیر کے مخصوص لباس اور بود و باش کا ذکر بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔ کشمیر کی سلطنتیں ہمیشہ تنازعہ کا شکار رہی ہیں۔ مصنفین کے ذریعے یہاں کے ناقص انتظامی امور کا ذکر بڑی وضاحت اور صاف گوئی سے کیا گیا ہے۔ نااہل سلطنت کی سزا بے قصور عوام کو جھیلنی پڑی۔

اعداد و شمار، ارضیات کی تقسیم اور اس کا نظم ونسق کشمیری زمین پر معدنیات کے علاوہ نباتات میں کستوری، زعفران جیسی بیش قیمت شے اور جڑی بوٹیاں، کشمیریوں کا رہن سہن و بود و باش اور ان کے پیشے سے متعلق اطوار کو بھی بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔

ایسے ہی ذاتی تفریق ہندو اور مسلمان دونوں میں موجود مثلاً ہندوؤں میں چھتری، برہمن، دلت اور مسلمانوں میں شیخ، سید، مغل اور پٹھان کے علاوہ شیعہ مسلم اور سنی مسلم کا ذکر بھی خوبصورت اور دل چسپ انداز میں ہے۔

حیوانات جن سے نہ صرف روزمرہ کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں بلکہ لباس کے لیے ریشم اور اون، کھانے میں عمدہ شہد بھی حیوانات سے ہی میسر آتا ہے۔

طوالت سے قطع نظر یہ کتاب اہمیت کی حامل ہے جو اہل اردو اور محب زبان کے لیے قیمتی معلومات کے ساتھ سچائی، جاں نثاری اور قوت ارادی کا درس دیتی ہے۔

—خالد حسن

جدید ہندوستان میں ذات پات اور دوسرے مضامین

مصنف: ایم۔ این۔ سری نواس، مترجم: شہباز حسین

زیر نظر کتاب میں شامل مضامین 1952 اور 1960 کے درمیان لکھے گئے ہیں اور مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ پہلا مضمون ''جدید ہندوستان میں ذات پات'' انڈین سائنس کانگریس کے 44ویں اجلاس کے علم بشریات اور آثار قدیمہ کے شعبے کے صدارتی خطبے کے طور پر پڑھا گیا۔ یہ اجلاس کلکتہ میں 1957 میں منعقد کیا گیا تھا۔ مضمون میں جدید ہندوستان کے جمہوری طریقۂ کار، انتظامیہ اور تعلیمی میدان میں ذات پات کی حصے داری کو پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے مضمون میں مصنف کہتا ہے کہ ہندوستان میں موجودہ دور میں چھوت چھات میں کمی تو آئی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انتظامیہ اور سیاست میں ذات پات کے اثرات زیادہ متحرک اور طاقتور ہو گئے ہیں۔ بالغوں کے حق رائے دہندگی اور پنچایتی راج نے بھی ذاتوں کو نئے مواقع عطا کیے ہیں۔ جو ذات تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہوتی ہے وہ سیاست پر اثر انداز ہوتی ہے اس سلسلے میں مخصوص علاقوں سے مثالیں دی گئیں ہیں۔

تیسرے مضمون میں معاشرتی پہلو کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ آپس میں شادی بیاہ کرنے اور ایک جیسے رسم و رواج اپنانے کے لحاظ سے ذات کا جو تصور ہے وہ اس سے الگ ہے جس کا عمل دخل جدید ہندوستان کے انتظامیہ اور سیاست میں نظر آتا ہے ان ذاتوں میں صرف آپسی تعلقات ہی نہیں بلکہ بڑے پیمانے پر میل جول بھی ہوتا رہتا ہے۔

چوتھے مضمون میں ورن اور ذات پر روشنی ڈالتے ہوئے نواس جی کہتے ہیں کہ ہندوستانی ماہرین سماجیات نے ذات کے نظام کو ورن کے زاویے سے سمجھانے کی کوشش کی ہے جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ انھوں نے سماجی ڈھانچے کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے وہ مضحکہ خیز حد تک سیدھی سادی ہے۔

پانچویں مضمون میں سنسکرت اور مغربی تہذیب کے اثرات کو نمایاں کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ سنسکرت تہذیب کے اثرات کا عمل سیاسی اور معاشی طاقت کے حصول کے بغیر آزادانہ طور پر بھی ہوسکتا ہے۔

''دیہی مطالعے اور ان کی اہمیت'' میں کسانوں کی زندگی اور ان کے کاشتکاری کرنے کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو نسل درنسل منتقل ہوتے رہتے ہیں جس کی بنا پر وہ ناسازگار حالات میں بھی اپنے آپ کو زندہ رکھتے ہیں۔ ان کا تکنیکی طریقہ ان کے

سماجی اور مذہبی نظام سے جڑا ہوا ہے۔ ان کی روایتی تہذیب بڑی مربوط ہے لیکن جدید دور سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے انھیں بڑی مشکلات سے دو چار ہونا پڑتا ہے جسے بدلنے کی ضرورت ہے اور جوان کی استعداد سے باہر ہے۔ اس کارِ عظیم کو پورے ملک کے لوگوں کو مجموعی طور سے سرانجام دینا ہوگا۔ اس سلسلے میں حکومتِ ہند پر خاص ذمے داری عائد ہوتی ہے۔

آخری مضمون میں ہندوستان کی ہم آہنگی کے مسائل اور ہندوستانی وحدت کے مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ ہندوستان میں ہم آہنگی انگریزوں کے دورِ اقتدار میں نظر آتی تھی جب ہر ایک کے سامنے آزادی کا مسئلہ تھا۔ عدم ہم آہنگی کے اسباب میں علاقائیت کا جذبہ، ناخواندگی، منصوبہ بندی کا صحیح بنیادوں پر نہ ہونا وغیرہ نمایاں ہیں۔ اس طرح مصنف نے اس کتاب میں ذات پات کی اہمیت وافادیت اور اس سے پیدا شدہ مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جو اپنے موضوع پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے۔

—عبدالسلام صدیقی

دل کی گیتا یعنی شریمد بھگوت گیتا کا ترجمہ اردو نظم میں

مترجم: خواجہ دل محمد

بھگوت گیتا اہل وطن کا مقدس صحیفہ ہے۔ اس کے مرتب مہارشی وید ویاس ہیں جنھوں نے ویدوں کو ترتیب دیا ہے۔ گیتا کا زمانۂ تخلیق ویدوں کے بعد کا ہے جب کروکشیتر کے میدان میں دو چھتریہ خاندانوں میں مہابھارت کی جنگ ہوئی ارجن پانڈوؤں کی طرف سے کمانڈر ان چیف کے فرائض کی انجام دہی پر مامور تھے تو کوروؤں کی طرف ارجن کے گرو درونا آچاریہ کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ مخالف صف میں ارجن کے اعزا اور استاد کی شمولیت نے ارجن کے پائے استقامت کو لڑکھڑا دیا اور وہ آلاتِ حرب پھینک کر جنگ سے علیحدگی پر آمادہ ہوگئے۔ اس نازک موقع پر سری کرشن نے ارجن کو ان کا فرض منصبی یاد دلایا اور ''آتم گیان'' دے کر جنگ میں اپنے چھتریہ جوہر دکھانے کے لیے آمادہ کیا اس موقع پر سری کرشن نے جو اُپدیش دیے ان کے مجموعے کا نام گیتا ہے۔ ان اُپدیشوں میں جسم اور روح کی ماہیت اور ان کا باہمی تعلق، عقیدۂ تناسخ، منومہاراج کی ورن ویوستھا برہمن چھتریہ ویشہ اور شودر کی سماجی تقسیم ان کے کام جیسی بہت سی باتیں سنسکرت کے اشلوکوں میں سموئی ہوئی ہیں جنھیں ''برہم گیان'' کہا گیا ہے۔ جیسا کہ خواجہ دل محمد نے اپنے دیباچے میں کہا ہے کہ تمثیل کے پیرائے میں ''انسان کا تن کروکشیتر'' کا میدان ہے، من چھتریہ دھرم ہے، حق و باطل، نیکی و بدی متقابل فوجیں ہیں جو آپس میں ہمہ وقت برسرِ پیکار رہتی ہیں۔ نیکی کی فوج کا سردار ضمیر ہے، جو یدھشٹر کی طرح اس جنگ میں مستقل مزاج رہتا ہے۔ دوسری طرف بدی کی فوج ہے، جس کا سردار نفس امارہ ہے۔ جودھرت راشٹر (اندھے راجا) کی طرح دوسرے کے راج کو ہضم کرنا چاہتا ہے۔ ارجن کی طرح انسان کو چاہیے کہ اپنی رتھ (قوتِ عمل) کی باگ ڈور خدا کے ہاتھ میں دے، جذبات کو فرائض پر غالب نہ آنے دے۔ حق کے دفاع کی پوری کوشش کرے اور سب کام نشکام کرم سمجھ کر خدا کے لیے اور خدا ہی کا کام سمجھ کر پورا کرے۔ خدا اس کا مددگار رہوگا!'' ص-52

گیتا کی تفہیم اور بھی اردو مصنفین نے کی ہے اور گیتا کی تفسیر وتعبیر پر کتابیں لکھی ہیں۔ خواجہ صاحب نے ترجمے میں درآئے اصطلاحی، تمثیلی، تلمیحاتی الفاظ اور فقروں کی اور زیادہ آسان زبان میں تفسیر وتشریح حواشی میں درج کرکے اسے آسان سے آسان تر بنادیا ہے۔

گیتا میں اٹھارہ ادھیائے (ابواب) ہیں اور ایک ہزار چار سو اشلوک جن کا منظوم ترجمہ، دو ہزار آٹھ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ ہر باب میں اشلوکوں کی تعداد مساوی نہیں ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے ترجمہ سلیس وسادہ ہے۔ خواجہ صاحب قادرالکلام شاعر تھے۔ انھوں نے ادق علمی وفلسفیانہ مسائل کو جس سہل انداز میں شعر کا جامہ پہنایا ہے، وہ ان کی علمی استعداد اور ان کے ذوق وشوق کی غمازی ہے۔

—غافل انصاری

تعلیمی تشکیل نو کے مسائل/خواجہ غلام السیدین

ترجمہ: ایم. ابوبکر

''تعلیمی تشکیل نو کے مسائل'' ماہر تعلیم مرحوم خواجہ غلام السیدین کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے ملک و بیرون ملک کے سیمناروں میں پڑھے تھے۔ مختلف اوقات میں تعلیم وتدریس کے مختلف مسائل وموضوعات پر لکھے گئے ان مقالوں کو موصوف نے الگ الگ اکیس ابواب میں منقسم کیا ہے۔ ان مقالوں میں انھوں نے تعلیمی عمل کو تدریسی اور تنظیمی دونوں نوعیتوں سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسکول اور مدرسے کی تعمیر وتشکیل سے لے کر اس کی زینت وآرائش اور بچے کی انفرادی صلاحیتوں کی تخلیقی تربیت وتعلیم کس نہج پر موزوں ومناسب طور پر کی جاسکتی ہے اس کا جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے اس پر بھی زور دیا ہے کہ تعلیمی اصلاح دراصل سماجی اصلاح اور اس کی جدید تعمیر وتشکیل کے مترادف ہے۔

اس کتاب کے ابتدائی چار صفحات میں خواجہ غلام السیدین نے اپنے تجربات و مشاہدات کے حوالے سے گفتگو کی ہے اور پھر ابواب کی تقسیم کے ساتھ مقالات کی ترتیب قائم کی ہے جو بالترتیب اس طرح ہیں— اسکول ایک سرگرم ماحول، اسکول ایک تخلیقی ماحول، اسکول جماعتی زندگی کے مرکز کی حیثیت سے، تعلیم برائے مسرت، التماس برائے وسیع النظری، گاؤں میں تعلیم کا رول، بیسک تعلیم کی دین، ثانوی تعلیم کو کام کے ذریعے حیات تازہ بخشیے، ثانوی تعلیم کی تشکیل جدید، قومی زندگی میں سماجی تعلیم کا مقام، تعلیم بالغاں جمہوری شہریت کے لیے، عمدہ شہریت کی تعلیم، تعلیمی نظم ونسق کی بنیاد انسانیت آموزی کے اصول پر، پیشے کا انتخاب، سماج میں معلم کی حیثیت، معلمین کی تعلیم وتربیت کا ایک نیا نظریہ، معلمین کی ٹریننگ کے بعض مسائل، تعلیمی نشاۃ الثانیہ اور معلم کا فرض، معلم اور ان کی دنیا اور سماجی تربیت کا ایک تجربہ۔

کتاب کے ان مشمولات پر نگاہ ڈالنے سے بھی مصنف کے مشاہدات اور وسعت نظر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ خواجہ غلام السیدین کو تعلیم وتدریس اور اس کے جملہ مسائل سے گہرا لگاؤ تھا۔ انھوں نے اپنے دفتری کاموں کے ساتھ تعلیمی امور کی جانب بھی اپنی پوری توجہ کی۔ اس سے قبل ان کی کتابیں ''اصول تعلیم'' اور ''مستقبل کا مدرسہ'' جب منظر عام پر آئی تھیں تو انھیں کافی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی تھی۔ زیرِ نظر کتاب اسی سلسلے کی اضافی کڑی ہے جس میں انھوں نے ابتدائی تعلیم سے اعلیٰ تعلیم تک کے زمینی سطح کے مسائل سے بحث کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ اسکول کے ماحول کی جدید تشکیل کے کیا تقاضے ہیں نیز طلبہ کی فطری صلاحیتوں کی نشوونما بہتر طور پر کس طرح کی جاسکتی ہے۔

—احمد کفیل

قومی اردو کونسل کی سرگرمیاں
خبرنامہ

دور دراز علاقوں میں بھی اردو کی شمع روشن کررہی ہے کونسل: پروفیسر ارتضیٰ کریم

قومی اردو کونسل میں مالی تعاون اسکیم کی میٹنگ کا انعقاد

نئی دہلی: اردو زبان وادب کی ترویج واشاعت کے لیے موجودہ وقت انتہائی سازگار ہے اور فروغ اردو کا یہ کام قومی اردو کونسل نہایت ذمے داری، خوش اسلوبی اور مستعدی سے کررہی ہے۔ مرکزی حکومت بھی قومی اردو کونسل کی کارکردگی سے مطمئن ہے۔ کونسل کی مالی تعاون اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے طول وعرض میں اردو زبان وادب کا فروغ ہو۔ چنانچہ اس اسکیم سے کشمیر سے کنیا کماری تک ملک کے تمام اردو علاقے مستفید ہورہے ہیں۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ اب اس ادارے کے دروازے ہر خاص وعام کے لیے کھلے ہوئے ہیں اور ان علاقوں کے افراد بھی کونسل سے مستفید ہورہے ہیں جنھیں کونسل کی اسکیموں کا پہلے کوئی علم نہیں تھا۔ ہمارے پاس ملک کی تمام ریاستوں سے سمینار، پروجیکٹ اور لکچر سیریز کے لیے درخواستیں موصول ہوتی ہیں جن کی تعداد سیکڑوں میں ہوتی ہے۔ اس سال بھی سمینار کے لیے تقریباً 500، پروجیکٹ کے لیے 60 اور مسودات کی اشاعت کے لیے 180 درخواستیں آئی ہیں۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ کونسل کا فیض ہر علاقے تک پہنچے۔ یہ باتیں قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر پروفیسر ارتضیٰ کریم نے کونسل کے صدر دفتر میں منعقدہ مالی تعاون اسکیم کی میٹنگ میں کہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ مالی تعاون اسکیم کے تحت شمال مشرق، تمل ناڈو، کیرل وغیرہ کے دور دراز علاقوں میں بھی ہم اردو کی شمع روشن کررہے ہیں جہاں اردو بولنے والوں کی آبادی کا تناسب قدرے کم ہے۔ ایسی ریاستوں سے آنے والی درخواستوں کو ہم ترجیحی بنیاد پر شامل کرتے ہیں۔

میٹنگ کی صدارت کرتے ہوئے معروف ناقد پروفیسر صغیر افراہیم نے کہا کہ گذشتہ چند برسوں سے قومی اردو کونسل کے کام کاج میں مزید فعالیت آگئی ہے کیونکہ پینل کی میٹنگیں پابندی کے ساتھ سال میں دو دفعہ ہونے لگی ہیں۔ اس میٹنگ میں سمینار، کانفرنس، ورک شاپ، مشاعرے، ریسرچ پروجیکٹ اور اردو، عربی و فارسی مسودات کی اشاعت سے متعلق درخواستوں پر غور وخوض کے بعد انھیں مالی تعاون کے لیے منظور کیا گیا۔

قومی اردو کونسل میں مالی تعاون اسکیم کی میٹنگ کا انعقاد

میٹنگ میں پروفیسر علیم اللہ حالی، پروفیسر فاروق بخشی، پروفیسر قدسیہ انجم، پروفیسر صفدر امام قادری، ڈاکٹر کیول دھیر، ڈاکٹر نصرت مہدی، ڈاکٹر مشتاق احمد کے علاوہ قومی اردو کونسل کی اسسٹنٹ ڈائرکٹر محترمہ شمع کوثر یزدانی، اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر محمد فیروز عالم، ریسرچ اسسٹنٹ ڈاکٹر توقیر عالم راہی، پروجیکٹ اسسٹنٹ مجیب احمد وغیرہ نے بھی شرکت کی۔

پریس ریلیز، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 6 مارچ 2017

’ہندوستان میں لسانی تنوع‘ کے عنوان سے سمینار

نئی دہلی: ’ہندوستان میں لسانی تنوع‘ کے عنوان سے منعقدہ سمینار میں کثیر لسانی معاشرے میں مادری زبان کے مقام و معنویت، علاقائی زبانوں میں مماثلت اور جذب وانجذاب کی کیفیت پر جہاں روشنی ڈالی گئی وہیں علاقائی زبانوں پر منڈلاتے خطرات پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ مقررین نے بچوں کے ذہنی ارتقا کے لیے مادری زبان کو ناگزیر قرار دیا اور یہ بھی کہا کہ بچوں کو مادری زبان میں ہی بنیادی تعلیم دی جانی چاہیے تاکہ بچے اپنے کلچر اور ماحول کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور اپنی زمین اور جڑوں سے جڑے رہیں۔ یوم مادری زبان کی مناسبت سے اس کانفرنس کا انعقاد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی اور قومی کونسل برائے فروغ سندھی زبان، نئی دہلی کے اشتراک سے دہلی یونیورسٹی کے کانفرنس سینٹر میں کیا گیا تھا۔

تقریب سے خطاب کرتے ہوئے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر پروفیسر ارتضی کریم نے کہا کہ مادری زبان کے بغیر انسان گونگا ہو جاتا ہے۔ انھوں نے اس المیے پر تشویش کا اظہار کیا کہ اب ہم انگریزیت کی ذہن میں اپنی مادری زبان سے دھیرے دھیرے کٹتے جا رہے ہیں اور ہمارے روزمرہ کے محاورے بھی ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس موقعے پر مختلف زبانوں کے مقررین نے مادری زبان کی اہمیت اور افادیت کے حوالے سے بہت خیال افروز گفتگو کی۔ پروفیسر این کے پانڈے نے ہندوستانی زبانوں کی مجموعی صورت حال پر مبسوط گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں کوئی زبان آج تک مری نہیں ہے۔ تمام ہندوستانی زبانیں بقائے باہم کے اصول پر چل رہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ زبان جس میں مہا کاویہ لکھے گئے یا جو راجاؤں کی زبان تھی ان کے اثرات کم ضرور ہوئے ہیں مگر ہندوستانی زبانیں آج بھی زندہ ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ زبانیں ایک دوسرے کے احترام سے ہی آگے بڑھتی ہیں۔ نیشنل بک ٹرسٹ کے چیئرمین بلدیو بھائی شرما نے کہا کہ ہندوستان ایک کثیر لسانی ملک ہے جہاں تقریباً سترہ سو زبانیں ہیں جبکہ پوری دنیا میں چھ ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں جس کا ایک تہائی حصہ صرف ہندوستان میں ہے۔ انھوں نے مادری زبان کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ مادری زبان ہی بچے کی شخصیت کے ارتقا کا ضامن ہوتی ہے، وہی اسے انسان بناتی ہے۔ مادری زبان ہماری روح ہے، روٹی کے بغیر زندہ رہا جا سکتا ہے مگر روح کے بغیر نہیں۔ انھوں نے کہا کہ اگر مادری زبان نہیں بچی تو نہ یہ ملک بچے گا اور نہ یہ مٹی! پروفیسر سشما یادو نے اس موقعے پر بہت معنی خیز گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ بچوں کو مادری زبان میں تعلیم دینی چاہیے تاکہ بچے اپنے من کی بات اپنی زبان میں کہہ سکیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس ملک میں مادری زبانیں اس لیے پچھڑ رہی ہیں کہ انگریزی زبان کا تسلط بڑھ رہا ہے۔ پروفیسر غضنفر نے مادری زبان کی معنویت کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ مادری زبان ہماری شناخت ہے مگر ہم اپنی شناخت کھوتے جا رہے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ میڈیکل یا انجینئرنگ کی تعلیم ملازمت کی ضمانت نہیں ہے اس لیے زبان کو روزگار سے جوڑ کر نہیں دیکھا جانا چاہیے بلکہ ہمیں اپنی مادری زبان کی قوت کو سمجھنا چاہیے۔ پروفیسر تنویر چشتی نے مادری زبان کو محبت کا خوبصورت عنوان قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں صرف اپنی مادری زبان نہیں بلکہ دوسروں کی

مادری زبان سے بھی محبت کرنی چاہیے۔ ہندوستان جیسے کثیر لسانی ملک میں لسانی تنوع زحمت نہیں رحمت ہے۔ سیمنار سے خطاب کرنے والوں میں عربی کے استاد پروفیسر حسنین اختر اور فارسی کے پروفیسر علیم اشرف بھی تھے جنھوں نے عربی، فارسی اور دیگر ہندوستانی زبانوں کے الفاظ وتراکیب کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستانی زبانوں میں بہت سے الفاظ عربی اور فارسی کے ہیں اور اس طرح ہندوستان مختلف مذاہب اور زبانوں کا خوبصورت گلدستہ ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ سندھی زبان کے ڈائرکٹر روی پرکاش ٹیک چندانی نے سندھی زبان کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ زبان برسوں تک ہندوستان میں بے زمین رہی ہے۔ بڑی جدوجہد کے بعد اسے بھارت کے آئین میں جگہ ملی ہے۔ انھوں نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ ہم ہندوستانی زبانوں کا مطالعہ بھی انگریزی کے ذریعے کرتے ہیں۔ سندھی زبان سے جڑے ہوئے کئی اور لوگوں نے مادری زبان کے حوالے سے گفتگو کی۔ محترمہ رشمی رمانی نے بھی اس موقعے پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ زبانیں بہنوں کی طرح ہوتی ہیں، میں سندھی سے تعلق رکھتی ہوں لیکن میرے لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ میرے خون میں کتنی اردو ہے اور کتنی سندھی۔ ان کے علاوہ اوویناش کمار اور بھاٹیہ جی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کانفرنس کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں مختلف زبانوں سے تعلق رکھنے والے دانشور، اساتذہ اور طلبا موجود تھے اور اس طرح یہ سیمنار مختلف زبانوں کا ایک خوبصورت سنگم تھا۔

پریس ریلیز، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 21 فروری 2017

کتابوں کی خریداری سے اردو ادیبوں وشاعروں کو حوصلہ ملتا ہے

نئی دھلی: قومی اردو کونسل کی یہ اسکیم اردو کے ادیبوں و شاعروں کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ اس اسکیم سے انھیں کافی حوصلہ ملتا ہے۔ قومی اردو کونسل کا یہ مقصد ہے کہ اردو میں معیاری کتابیں زیادہ شائع ہوں اور اردو زبان میں ادب کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی وافر تعداد میں مواد دستیاب ہو۔ تھوک خریداری اسکیم کے تحت بھی ہم نے سائنس، سوشل سائنس، طب، عام معلومات، تعلیم وتربیت وغیرہ کے موضوعات پر چھپی کتابوں کو ترجیح دی ہے۔ یہ باتیں قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر پروفیسر ارتضیٰ کریم نے قومی اردو کونسل میں منعقدہ کتابوں کی تھوک خریداری اسکیم کی میٹنگ میں کہی۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہم نہ صرف کتابوں کی تھوک خریداری کرتے ہیں بلکہ رسائل وجرائد کی بھی خریداری کی جاتی ہے۔ اردو کے پرانے رسائل جو ایک طویل مدت سے شائع ہورہے ہیں ان کی اشاعت کو جاری رکھنے کے لیے بھی کونسل ایک دوسری اسکیم لانے کی کوشش کرے گی اور اس بابت آئندہ غوروخوض کیا جائے گا۔ اس میٹنگ میں اردو، عربی، فارسی کی تقریباً 150 سے زائد کتابوں کی تھوک خریداری کو منظوری دی گئی، جن میں تخلیقی ادب، شاعری، سوانح، ادب اطفال، لغات، سائنسی وسماجی علوم، عام معلومات، تنقید وتحقیق اور صحافت کے موضوعات کے علاوہ رسائل و جرائد بھی شامل ہیں۔

قومی اردو کونسل میں تھوک خریداری اسکیم کی میٹنگ

میٹنگ کی صدارت کرتے ہوئے جناب چندربھان خیال نے کہا کہ پرانے رسائل ایک کے بعد ایک بند ہوتے جارہے ہیں اور جو رسائل آج جاری ہیں وہ بھی شدید مالی دشواریوں کا شکار ہیں۔ ان کی اشاعت جاری رکھنے کے لیے کونسل کو ضروری اقدامات کرنے چاہیے۔

واضح رہے کہ قومی اردو کونسل اس اسکیم کے تحت پورے ملک سے شائع ہونے والی کتابیں خرید کر ملک کی مختلف لائبریریوں میں بطور ہدیہ ارسال کرتی ہے تاکہ عام اردو قارئین تک یہ کتابیں پہنچ سکیں۔

میٹنگ میں پروفیسر انورالدین، پروفیسر نعمان خاں، پروفیسر علیم اشرف خاں، پروفیسر شفیق اشرفی، جناب چودھری ابن النصیر، ڈاکٹر منظر حسین، ڈاکٹر محمود فیاض، محترمہ صادقہ نواب سحر، حاجی محمد اقبال خاں کے علاوہ قومی اردو کونسل کے پرنسپل پبلی کیشن آفیسر ڈاکٹر شمس اقبال، اسسٹنٹ ڈائرکٹر محترمہ شمع کوثر یزدانی، اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر محمد فیروز عالم، محترمہ ساجدہ بیگم، فرح دیبا، اقبال حسین اور ڈاکٹر شاہد اختر وغیرہ نے بھی شرکت کی۔

پریس ریلیز، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 9 مارچ 2017

قومی اردو کونسل میں امیر خسرو کے یوم ولادت پر جشن یوم اردو

نئی دهلی: قومی اردو کونسل میں امیر خسرو کے یوم ولادت پر جشن یوم اردو کا انعقاد کیا گیا۔ قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر پروفیسر ارتضیٰ کریم نے سبھی مہمانوں کا استقبال کیا اور یوم اردو منانے کی غرض وغایت بیان کی۔ اس پروگرام میں کونسل سے وابستہ رہے سابق افسران کو مدعو کیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ دہلی کے مختلف اسکولوں کے پرنسپل حضرات نے بھی پروگرام میں شرکت کی۔ پروگرام کے آغاز میں سبھی مہمانوں کا گلدستے سے استقبال کیا گیا۔ کونسل کے ڈائرکٹر نے کہا کہ اردو کی تشکیل وترقی میں سب سے پہلا نام امیر خسرو کا آتا ہے۔ اس لیے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ یوم اردو امیر خسرو کے یوم ولادت 03 مارچ کو منایا جائے۔ اس دن کو منانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہم اردو کے مسائل کو کیسے حل کر سکتے ہیں یا اردو زبان کی ترویج واشاعت میں ہم اپنا کردار کس طرح ادا کر سکتے ہیں۔ اس پر بھی غور وخوض کیا جائے۔

قومی اردو کونسل کے سابق ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ نے امیر خسرو کی شخصیت اور شاعری پر نہایت علمی گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ آج پورے ہندوستان کو خسرو کی ضرورت ہے۔ ملک کی سالمیت کے لیے آج امیر خسرو کے پیغام کو ملک میں عام کرنا چاہیے۔ انھوں نے قومی اردو کونسل کو یہ تجویز بھی پیش کی کہ وہ اپنی اسکیم ایک سالہ اردو ڈپلومہ کے تحت ملک کے اسکولوں میں اردو اساتذہ بحال کرے، جن کی تنخواہ کم از کم دس ہزار روپے ہو۔ ان کی اس تجویز کو کونسل کے موجودہ ڈائرکٹر پروفیسر ارتضیٰ نے پسند کرتے ہوئے اس سلسلے میں پیش رفت کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے قومی اردو کونسل کے تمام مراکز میں 03 مارچ کو یوم اردو کے انعقاد سے متعلق ہدایت بھی جاری کی۔

معروف ماہر تعلیم جناب کمال فاروقی نے کہا کہ اردو کے مسائل کو حل کرنے میں امیر خسرو کی شخصیت اور ان کا پیغام ہماری مدد کر سکتا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر غضنفر علی نے اردو زبان کے تئیں مثبت سوچ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اردو بولنے والا آج کسی بھی میدان میں سرخرو ہو سکتا ہے۔ معروف ادیب و ناقد فاروق ارگلی نے امیر خسرو کے حوالے سے پر مغز گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ امیر خسرو قومی یکجہتی اور ہندوستانی تہذیب کے سب سے بڑے علمبردار ہیں۔ مقبول شاعر ملک زادہ جاوید نے قومی اردو کونسل کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ یوم اردو کے لیے 3 مارچ کی تاریخ مناسب ہے۔

فتح پور سینئر سکینڈری اسکول کے پرنسپل فیاض میر خان نے کہا کہ اردو کی ترقی کے لیے ہمیں اپنے بچوں کو اردو پڑھانی ہوگی۔ انھوں نے امیر خسرو کے کچھ کلام بھی سنائے۔ اس موقع پر ڈاکٹر خواجہ محمد معروف خاں نے اردو میں معیاری کتابوں کی فراہمی پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ پرائمری سطح کے درجات کے لیے کونسل اردو کتابیں تیار کرے جس سے اردو کی ترقی کی راہ ہموار ہوگی۔ زینت محل اسکول کی پرنسپل محترمہ مینا کماری نے اردو اساتذہ کی کمی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کونسل سے اس سمت میں پیش رفت کرنے کو کہا۔ جامعہ سینئر سکینڈری اسکول کے پرنسپل ڈاکٹر عبد النصیب خان نے اردو اسکولوں کے اساتذہ کی تربیت پر زور دیا۔ ڈاکٹر مظفر حسن نے کہا کہ اردو والوں کو اپنے بچوں کو اردو ضرور پڑھانی چاہیے۔

قومی اردو کونسل کے سابق پرنسپل پبلی کیشن آفیسر جناب پرویز شہریار نے امیر خسرو کو گنگا، جمنی تہذیب کا امین بتاتے ہوئے کہا کہ موجودہ وقت میں ان کی شاعری اور پیغام کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے اس موقع پر ایک نظم بھی پڑھی۔

قومی اردو کونسل کی اسسٹنٹ ڈائرکٹر (اکیڈمک) محترمہ شمع کوثر یزدانی نے پروگرام کے آخر میں شکریے کی رسم انجام دی۔ اس پروگرام کے اختتام پر قومی اردو کونسل کی نئی چھوٹی کتب وین کو سابق ڈائرکٹر ڈاکٹر حمید اللہ بھٹ، جناب کمال فاروقی وغیرہ نے ہری جھنڈی دکھا کر روانہ کیا۔ یہ وین دہلی اور اس کے قرب وجوار میں کتابوں کی فروخت کرے گی۔ پروگرام میں لوک سبھا سکریٹریٹ میں ایڈیٹر اور شاعر جناب شیو کمار بلگرامی، کونسل کی ممبر محترمہ شمع خان، کونسل کے پرنسپل پبلی کیشن آفیسر ڈاکٹر شمس اقبال اور اسسٹنٹ ڈائرکٹر، (انتظامیہ) جناب کمل سنگھ کے علاوہ دیگر اسٹاف بھی موجود تھے۔

پریس ریلیز، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 3 مارچ 2017

قومی اردو کونسل کے مالی تعاون سے

اردو تعلیم وتعلم کے مسائل اور ان کا حل

نئی دهلی: وزارت اقلیت کو ملنے والے فنڈ کا 70 فیصد فنڈ اردو زبان کے فروغ اور تعلیمی شعبہ میں خرچ کرنے کا وزارت نے فیصلہ کیا ہے۔ دراصل تمام مسائل کا حل تعلیم

کے حصول سے ہی ممکن ہے، اگر سابقہ حکومتیں مرکزی حکومت کی اقلیت وزارت کو حاصل فنڈ کا 50 فیصد فنڈ بھی اقلیتوں کی فلاح و بہبودگی پر خرچ کردیتیں تو آج ملک کے اقلیت خاص طور سے مسلمانوں کے حالات کچھ اور ہی ہوتے۔ ان خیالات کا اظہار مرکزی وزیر برائے اقلیتی و پارلیمانی امور مختار عباس نقوی دہلی واقع انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر کے آڈیٹوریم میں مائناریٹی کمیونٹی ٹیچرس ایسوسی ایشن اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے منعقد بہ عنوان 'اردو تعلیم و تعلم کے مسائل اور ان کا حل' قومی سیمینار میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے کر رہے تھے۔ مرکزی وزیر مختار عباس نقوی نے ایسوسی ایشن کے ذریعے پیش میمورنڈم میں کیے گئے مطالبات کے سلسلے میں یقین دہانی کراتے ہوئے کہا کہ ایسوسی ایشن کے تمام مطالبات جائز ہیں اور اردو زبان کے فروغ کے متعلق اس میمورنڈم میں جو بھی مطالبات کیے گئے ہیں ان کا مناسب حل کرانے کی کوشش کی جائے گی۔ ہماری وزارت نے فیصلہ کیا ہے کہ اس فنڈ سے ملک کے مختلف شہروں میں عالمی سطح کے 5 کالج کھولے جائیں گے، انھوں نے کہا کہ وزارت نے اس اسکیم کو غریب نواز اسکل پروگرام کے نام سے منسوب کیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اس کے لیے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو تعلیمی اداروں کا خاکہ، مقامات وغیرہ کے بارے میں بات چیت کر رہی ہے اور جلد ہی اپنی تفصیلی رپورٹ پیش کرے گی۔ یہ کوشش ہے کہ تعلیمی ادارے 2018 سے کام کرنا شروع کردیں۔ ان تعلیمی اداروں میں لڑکیوں کے لیے چالیس فیصد ریزرویشن کی بھی تجویز ہے۔ اپنے صدارتی خطبات میں این سی پی یو ایل کے ڈائرکٹر ارتضیٰ کریم نے کہا کہ یہ صحیح مطالبہ ہے کہ حکومت ہر محکمہ خاص طور سے تعلیمی شعبہ میں ایجوکیشن ڈائرکٹر اور اردو افسر کی تقرری کرے جس کے سامنے اردو زبان کے درپیش مسائل کو پیش کیا جاسکے۔

انھوں نے کہا کہ اردو زبان کی تعلیم کو بنیادی طور سے اسکولوں میں پہنچانے کی بے حد ضرورت ہے، جب ہمارے مطالبات ایک ہیں، درد ایک ہے تو ہم الگ تنظیم میں رہ کر کیوں کام کر رہے ہیں۔ اس موقعے پر اردو تعلیم کو فروغ دینے میں نمایاں رول ادا کرنے والے 22 افراد کو مرکزی اقلیتی وزیر مختار عباس نقوی اور ارتضیٰ کریم کے ہاتھوں ایوارڈ دے کر نوازا گیا۔ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری ارشد خاں نے سمینار کے مقاصد کو جبکہ چیئرمین شکیل احمد صدیقی نے میمورنڈم پیش کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 2 مارچ 2017

جامعہ میں فراق یادگاری خطبہ

نئی دهلی: شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے فراق یادگاری خطبہ کا انعقاد ٹیگور ہال، دیار میر تقی میر، جامعہ میں عمل میں آیا۔ یہ خطبہ اردو کے مشہور اسکالر اور خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کے سابق ڈائرکٹر ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے 'اردو غزل: ایک رویہ زندگی کی طرف' کے عنوان سے پیش کیا۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے کہا کہ اردو غزل زندگی کا آئینہ ہے۔ غزل کا جادو صدیوں سے سرچڑھ کر بول رہا ہے۔ انھوں نے زندگی کے تئیں اردو کے کلاسیکی شعرا کے رویوں پر ان کے اشعار کی روشنی میں اظہار خیال کیا۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے بالخصوص میر، غالب، قائم چاندپوری اور بیت قلی حسرت عظیم آبادی، مرشد آبادی کے متعدد اشعار کے حوالے سے پر مغز گفتگو کی۔ اس جلسے کی صدارت ڈین، فیکلٹی آف ہیومنیٹیز اینڈ لینگویجز پروفیسر محمد اسدالدین (استاذ شعبۂ انگریزی) نے کی۔ انھوں نے کہا کہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار کا خطبہ نہایت ہی دلچسپ، جامع اور عالمانہ تھا۔ اس سے قبل پروفیسر شہپر رسول، صدر شعبۂ اردو نے اپنے خیر مقدمی کلمات میں کہا کہ عہد حاضر میں ڈاکٹر عابد رضا بیدار کا شمار ایک جید عالم، محقق اور دانشور کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ جامعہ نے ہمیشہ عالموں کی قدر دانی کی ہے اور جامعہ میں ہمیشہ عالموں کی آمد ہوتی رہی ہے۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی آمد اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ اس پروگرام کے کنوینر پروفیسر وہاج الدین علوی نے ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے علمی کارناموں سے طلبہ اور سبھی حاضرین کو روشناس کرایا۔ پروفیسر شہزاد انجم نے فراق گورکھپوری کا تعارف پیش کیا جبکہ پروفیسر احمد محفوظ نے سبھی مہمانان کا شکریہ ادا اور کہا کہ بیدار کی شخصیت غیر معمولی ہے۔ ان سے ملنے کا خواب سبھوں کو رہتا ہے۔ اس خطبے کی نوعیت بالکل مختلف تھی۔ شعرخوانی کا انداز عمدہ اور دلچسپ تھا۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 25 فروری 2017

اردو ذریعہ تعلیم میں اختصاص اور روزگار کے مواقع

بھوپال: "ہمارے سماج اور معاشرے میں استاد کا بہت اہم رول ہے۔ تدریس بے حد چنوتی بھرا پیشہ ہے۔ اساتذہ اپنے طلبہ کی ذہن سازی اور شخصیت سازی کا اہم فریضہ بھی ادا کرتے ہیں۔" ان خیالات کا اظہار ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھوپال کے شانتی نگر میں واقع یونیورسٹی کیمپس کا افتتاح کرتے ہوئے کیا۔ واضح رہے کہ مدھیہ پردیش حکومت نے اردو یونیورسٹی کو 2013 میں ساڑھے چھ ایکڑ اراضی دی۔

بعد ازاں وائس چانسلر نے یونیورسٹی کے بھوپال ریجنل سنٹر اور قومی اردو کونسل، نئی دہلی کے زیر اشتراک منعقدہ دو روزہ قومی سمینار 'اردو ذریعہ تعلیم میں اختصاص اور روزگار کے مواقع' کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ بچوں کی تربیت سے غفلت ہمارے معاشرتی زوال کا بنیادی سبب ہے۔ تربیت کی اہمیت تعلیم سے زیادہ ہے۔ بچوں کی مناسب تربیت اور ذہنی نشوونما والدین اور اساتذہ کی ذمہ داری ہے۔ انھوں نے کہا کہ اختصاص کا تعلق عدل یا انصاف سے ہے۔ اساتذہ اگر ایمانداری سے طلبہ کو پڑھائیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان میں اختصاص پیدا نہ ہو اور ان کو اچھی ملازمت نہ ملے۔ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے زیر تربیت اساتذہ کو ایک اچھا انسان، ایک اچھا اور ذمہ دار

'اردو ادب کی ترقی میں خواتین کا کردار' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار

'معین احسن جذبی- حیات اور خدمات' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کا منظر

استاد بننے اور اپنے پیشے سے پورا انصاف کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا کہ آج کے طلبہ مستقبل کے اساتذہ ہیں۔ اس سیمینار میں مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، جموں اور کشمیر، تلنگانہ، بہار اور دہلی کے ماہرین شرکت کر رہے ہیں۔ اس سے قبل معروف ماہر تعلیم اور مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ کے سابق چیئرمین پروفیسر حلیم خاں نے ایکسیلنس اور اختصاص پر زور دیتے ہوئے کہا کہ کھرے سکے کو بازار میں جگہ ملتی ہے اور اسے کسی سفارش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ کے صدر نشیں پروفیسر عمادالدین نے اپنی مختصر تقریر میں یہ تیقن دلایا کہ وہ ریاستی حکومت سے یونیورسٹی کیمپس کو بھرپور تعاون دلانے کی کوشش کریں گے۔ پروفیسر محمد احسن، ریجنل ڈائرکٹر بھوپال ریجنل سنٹر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے اس موقعے پر کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے اردو ذریعہ تعلیم میں اختصاص کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی اور بین الاقوامی سطح پر تعلیمی صورت حال کا موازنہ ہندوستان میں تعلیم کی صورت حال سے کیا۔ انھوں نے کہا کہ اردو ذریعہ تعلیم روزگار میں رکاوٹ نہیں ہے۔ اردو کے طلبہ اپنی محنت اور معیار کی بدولت اچھی ملازمتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

یونیورسٹی کے کالج آف ٹیچر ایجوکیشن کے پرنسپل پروفیسر عبدالودود صدیقی نے حاضرین سے خطاب کیا اور شہر قاضی سید نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر فیروز عالم، ڈاکٹر کفیل احمد، ڈاکٹر رضوان الحق، ڈاکٹر ریاض احمد، پروفیسر محمد نعمان خاں اور جناب سلیم شہزاد نے اپنے اپنے مقالے پیش کیے۔ سیمینار کا آخری اجلاس جناب سلیم شہزاد، پروفیسر آفاق حسین صدیقی، ڈاکٹر بلال رفیق شاہ اور ڈاکٹر شعیب رضا وارثی کی صدارت میں منعقد ہوا جس کی نظامت ڈاکٹر اقبال مسعود نے کی۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر بلال رفیق شاہ، جناب غلام نبی مومن، ڈاکٹر عارف جنید خاں ندوی، ڈاکٹر ابوالبرکات شیخ، ڈاکٹر آصف سعید، ڈاکٹر تمکینہ فاطمہ نقوی، ڈاکٹر نثار احمد پیرزادے اور ڈاکٹر آفاق ندیم خاں نے پرمغز مقالے پیش کیے۔ آخر میں ڈاکٹر محمد احسن ریجنل ڈائرکٹر مانو ریجنل سنٹر بھوپال نے کلمات تشکر ادا کیے۔

پریس ریلیز، ڈاکٹر محمد احسن، ریجنل ڈائرکٹر، بھوپال، 16 فروری 2017

اردو ادب کی ترقی میں خواتین کا کردار

سہارنپور: سہارنپور کے ہوٹل اسکائی لارک میں پرچم تنظیم کے ذریعے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے زیر اہتمام 'اردو ادب کی ترقی میں خواتین کا کردار' کے عنوان سے ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں اردو داں شخصیات کے ساتھ ساتھ دانشوران شہر اور خواتین نے بھی شرکت کی۔ اس سیمینار میں دو سیشن ہوئے جس میں پہلے سیشن کی صدارت اتراکھنڈ اردو اکادمی کے چیئرمین افضل منگلوری نے کی اور دوسرے سیشن کی صدارت ڈاکٹر اسلم جمشید پوری نے کی۔ سیمینار کے مہمان خصوصی محمد علی جوہر یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر محمد لقمان خان رہے۔ اس سیمینار کا افتتاح سہارنپور کے ضلع مجسٹریٹ محمد شفقت کمال نے شمع روشن کرکے کیا۔ سیمینار میں افسانہ نگار ڈاکٹر نگار عظیم دہلی، ڈاکٹر عمرانہ خاتون پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ پنجاب، ڈاکٹر فرقان سنبھلی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، محمد مستمر ہریانہ اردو اکادمی، ڈاکٹر شیخ نگینوی میڈیا پوسٹ نئی دہلی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر لقمان خان نے اردو زبان کی ترقی میں خواتین کے کردار پر تفصیلی گفتگو کی۔ ڈی ایم محمد شفقت کمال نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو ادب کی ترقی میں خواتین کے کردار کو در کنار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ خواتین ہر دور میں اردو زبان کی ترقی کے لیے کوشاں رہی ہیں۔ افضل منگلوری اور ڈاکٹر اسلم جمشید پوری نے کہا کہ خواتین کو چاہیے کہ وہ موجودہ دور میں بھی کھل کر اپنے خیالات کو ظاہر کرنے کا جذبہ اپنے درمیان پیدا کریں اور ان کے اندر جو ہنر ہے اسے دنیا کے سامنے لائیں۔ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد اقبال نے کہا کہ کائنات کی شروعات میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی شریک رہی ہیں اور ادبی تاریخ خواتین کا ذکر کیے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ غیر مسلم خواتین نے اردو کے مختلف شعبوں میں اپنی خدمات انجام دیں جس سے اردو کے سیکولر کردار کو تقویت ملی۔ ڈاکٹر کمال دیوبندی نے کہا کہ جو زبان پہلے خاموش تھی شاعری کے ذریعے اس کی صدائیں لوگوں تک پہنچنے لگی ہے۔ پروگرام کی کنوینر قدسیہ انجم نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور اردو زبان کی ترقی میں خواتین کے کردار کو ناقابل فراموش قرار دیتے ہوئے کہا کہ موجودہ دور میں بھی خواتین اردو ادب کی ترقی کے لیے سرگرم ہیں۔

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 28 فروری 2017

معین احسن جذبی — حیات اور خدمات

احمد آباد: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (بھارت سرکار) نئی دہلی اور پریاس فاؤنڈیشن احمد آباد کے باہمی اشتراک سے ایک باوقار قومی سیمینار بعنوان 'معین احسن جذبی — حیات اور خدمات' احمد آباد کے سردار ولبھ بھائی پٹیل اسمارک بھون کے سیمینار ہال میں (بتاریخ 29 جنوری 2017) انعقاد پذیر ہوا۔

سیمینار کی پہلی نشست کی صدارت ڈاکٹر نثار احمد انصاری نے کی۔ ڈاکٹر انور ظہیر انصاری (بڑودہ) نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ ڈاکٹر نسرین شیخ، پروفیسر آتش تاثیر صدیقی، ڈاکٹر افشاں قادری (گجرات کالج)، ڈاکٹر اختر خان اور محترمہ عائشہ شیخ نے اپنے مقالات پیش کیے۔ مقالات کی پیشکش کے بعد ابہام رشید اور زین العابدین انصاری نے اپنے تاثرات پیش کیے۔ صدر نشست ڈاکٹر نثار احمد انصاری نے اپنا خطبۂ صدارت پیش کیا۔ لنچ کے وقفے کے بعد دوسری نشست زیر صدارت رشید ابہام شروع ہوئی۔ ڈاکٹر اختر دیوان، شاہین قادری، ندیم انصاری، محترمہ عذرا اسید، شاہ نور بانو شیخ اور محترمہ ماہ نور سید (گجرات کالج) نے اپنے اپنے مقالے پیش کیے۔

مقالوں کی پیش کش کے بعد ڈاکٹر مرغوب عالم کیف نجیب آبادی، اقبال پٹنی اور ڈاکٹر سلطان احمد خان نے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (بھارت سرکار، نئی دہلی) اور پریاس فاؤنڈیشن احمد آباد کو مبارکباد دیتے ہوئے اس درجہ خوبصورت اور بامعنی ادبی محفل کے انعقاد پر مسرت کا اظہار کیا۔

پریس ریلیز: اشفاق عمر، احمد آباد، 10 فروری 2017

اردو شاعری اور فانی گورکھپوری

بنارس: فانی گورکھپوری بیسویں صدی کے ممتاز صوفی شاعر ہیں۔ انھوں نے حضرت آسی غازی پوری کی صوفیانہ روایت کو نہ صرف یہ کہ آگے بڑھایا بلکہ خالص غزلیہ رنگ میں صوفیانہ مضامین کی شعری پیکر تراشی کی۔ فانی کو زبان و ادب پر غیر معمولی قدرت حاصل ہے اور معنی آفرینی، خیال بندی اور محاورات و امثال کی کثرت استعمال سے اردو کو مالا مال کیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار ارباب علم و دانش اور ماہرین زبان و ادب نے بیسویں صدی کے معروف ادیب و شاعر اور علم و روحانیت کے گل سرسبد شہود الحق حضرت سید شاہد علی سبز پوش المتخلص فانی گورکھپوری کی علمی و ادبی خدمات پر شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن دہلی کے زیر اہتمام یک روزہ سمینار میں کیا۔ یہ سمینار قومی کونسل دہلی کے اشتراک سے خانقاہ طیبیہ معینیہ منڈواڈیہہ بنارس میں منعقد کیا گیا جس کا موضوع تھا 'اردو شاعری میں زبان و ادب اور اخلاق و محبت کا فروغ، حضرت فانی گورکھپوری کے حوالے سے' زیر عنوان موضوع پر ملک کے مختلف اطراف سے تشریف لائے اصحاب قلم نے اپنے گراں قدر علمی و ادبی مقالات پیش کیے۔ سمینار کی سرپرستی مفتی شاہ عبیدالرحمٰن رشیدی سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ جون پور نے فرمائی جبکہ صدارت پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برق چشتی (سابق صدر شعبۂ اردو فارسی: ویر کنور سنگھ یونیورسٹی، آرہ، بہار) نے اور نظامت امتیاز سرمد (دہلی) نے کی۔

سمینار کی پہلی نشست میں کل آٹھ مقالات پڑھے گئے۔ خطبۂ استقبالیہ آسی فاؤنڈیشن کے صدر اعلیٰ مولانا سجاد احمد رشیدی نے پیش کیا، جس میں انھوں نے حضرت فانی گورکھپوری پر سمینار کے انعقاد کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد سرپرست اجلاس نے حضرت فانی گورکھپوری کی زندگی کے چند اہم پہلوؤں پر اپنا خطبہ افتتاحیہ پیش کیا۔ دوسری نشست میں بھی کافی پرمغز مقالے پڑھے گئے۔ علامہ محمد احمد مصباحی کی دعا پر تقریباً دو بجے سمینار اپنے اختتام کو پہنچا۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 14 فروری 2017

نئی نسل کی اردو سے دوری: اسباب اور سدِ باب

پٹنہ: الہند ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، پٹنہ کے زیر

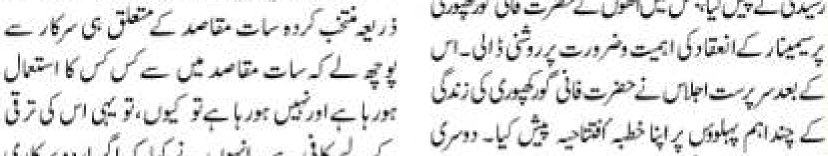

اہتمام اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے تعاون سے 'نئی نسل کی اردو سے دوری: اسباب اور سدِ باب' کے عنوان سے بہار اردو اکادمی، اشوک راج پتھ، پٹنہ کے کانفرنس ہال میں یک روزہ ریاستی سمینار کا انعقاد کیا گیا۔ اس سمینار کا افتتاح سابق وزیر اعلیٰ بہار ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا کے ذریعہ کیا گیا۔ سابق وزیر اعلیٰ نے اپنے افتتاحی خطبہ میں کہا کہ یہ ایک جمہوری ملک ہے اور جمہوریت میں ملتا نہیں، لیا جاتا ہے۔ اردو سے جمہوریت مضبوط ہوگی اور جب جمہوریت مضبوط ہوگی تو اردو آبادی مضبوط ہوگی۔

سمینار کی صدارت کرتے ہوئے اردو مشاورتی کمیٹی کے صدر نشیں شفیع مشہدی نے کہا کہ اردو کی زبوں حالی کی اصل وجہ اردو آبادی میں اس زبان کے تئیں لگاؤ کی کمی ہے۔ بنگلہ زبان کے جاننے والے طبقہ کا بچہ بچہ بنگلہ زبان میں بولتا ہے۔ یہی اس کی پہچان ہے۔ اردو ہماری مادری زبان یعنی 'ماں کی زبان' ہے۔ تو جیسے ماں کی عزت کرتے ہیں، ماں سے محبت کرتے ہیں، اسی طرح اردو سے بھی محبت کیجیے۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے شیعہ وقف بورڈ کے صدر نشیں ارشاد علی آزاد نے کہا کہ الہند سوسائٹی کی جانب سے 'نئی نسل کی اردو سے دوری کے اسباب' کی آواز صرف یہیں نہیں ختم ہونی چاہیے بلکہ پوری ریاست میں اٹھائی جانی چاہیے اور اردو آبادی کو بیدار کرنا چاہیے۔ مہمانانِ اعزازی کی حیثیت سے اردو ڈائرکٹوریٹ کے ڈائرکٹر امتیاز احمد کریمی نے کہا کہ اسکولوں اور کالجوں میں اردو پڑھنے والے بچوں کی تعداد بہت کم ہے اور وہاں زیادہ تر مدرسہ کے طالب علم ہی اردو سے بی اے یا ایم اے میں داخلہ لیتے ہیں۔ اگر اردو آبادی حکومت کے ذریعہ منتخب کردہ سات مقاصد کے متعلق ہی سرکار سے پوچھ لے کہ سات مقاصد میں سے کس کس کا استعمال ہورہا ہے اور نہیں ہورہا ہے تو کیوں، تو یہی اس کی ترقی کے لیے کافی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر اردو سرکاری زبان ہے تو سرکاری نوکریوں میں اردو والوں کو جگہ کب اور کیسے ملے گی؟ انھوں نے مزید کہا کہ اردو داں طلبا و طالبات کی کاؤنسلنگ بھی ہونی چاہیے تاکہ انھیں آگے بڑھنے میں مدد مل سکے۔ مولانا ابوالکلام قاسمی نے کہا کہ دیگر مضامین کی درسی کتابوں کا اردو ترجمہ بھی اردو زبان میں کرایا جانا چاہیے تاکہ بچوں کو اردو میں نصابی کتابوں کی تعلیم حاصل کرنے میں مدد مل سکے۔ پروفیسر جاوید حیات نے کہا کہ اردو پڑھنے پڑھانے کے لیے کسی خاص تحریک کی ضرورت نہیں بلکہ یہ چاہت کی بات ہے، محبت اور لگاؤ کی بات ہے۔ اس کے لیے والدین کو ذمہ داری لینی ہوگی اور اپنے بچوں کو شروع سے اردو کی تعلیم کی طرف رغبت پیدا کرنے پر زور دینا ہوگا۔

محمد ناصر الدین، سکریٹری الہند ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، پٹنہ 5 فروری 2017

روشنی سیوا گرام خیرآباد میں یوم مادری زبان کا انعقاد

سیتاپور: قصبہ خیرآباد کے محلہ کلہن سرائے واقع روشنی نیشنل سیوا گرام ادیوگ پر یوم مادری زبان اردو کے

موقعے پر ایک پروگرام ہوا جس میں بڑی تعداد میں مہمانان کے علاوہ سامعین نے شرکت کی۔ تقریب کے دوران جن بچیوں نے سنسنتھان سے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی کے ذریعے ڈپلومہ کورس مکمل کرلیا ہے کو مہمانوں کے ہاتھوں سند دی گئی۔ منیجر زین العابدین انصاری نے کہا کہ اردو زبان نے برصغیر ہی نہیں عالمی پیمانے پر اپنے اعلیٰ و ارفع ہونے کا گہرا نقش چھوڑا ہے۔ اردو شائقین غیر ملکوں میں بیٹھ کر آج اس سے بہرہ ور ہورہے ہیں۔ شمیم بانو نے کہا کہ اردو زبان نے لوگوں کو کاندھے سے کاندھا ملا کر چلنا سکھایا ہے اور سبھی کے ساتھ الفت و محبت کا پیغام عام کیا ہے۔ مہمان اعزازی رئیس رحمانی نے کہا کہ اگر ہندوستان کو گل و گلزار بنانا ہے تو اردو زبان کو فروغ دینا بہت ضروری ہے۔ محمد سلیم نے اردو زبان و ادب کے تعلق سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج کے بدلتے ہوئے حالات میں ارو زبان جاننے والوں کی تعداد دن بہ دن کم ہوتی جارہی ہے۔ اردو فیکلٹی نازش اختر نے کہا کہ اردو زبان کی اہمیت اور اس کی تاریخی حقیقت میں یہ چیز مضمر ہے کہ اس زبان نے ایسے ایسے سورماؤں اور تحریک آزادی کے علمبرداروں کو جنم دیا جنھوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی کی رفتار کو تقویت بخشی ہے۔ اس موقعے پر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی کی طرف سے چل رہے اردو ڈپلومہ کورس کی سند بھی تقسیم کی گئی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 23 فروری 2017

اردو اور تعلیم سے متعلق دیگر قومی اور علاقائی خبریں

قومی :—

یونیورسٹیز میں ریسرچ کے لیے سازگار ماحول بنانا ضروری: صدر جمہوریہ

نئی دہلی: صدر جمہوریہ پرنب مکھرجی نے طلبا پر زور دیا

کہ وہ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ریسرچ پر زیادہ توجہ دیں۔ انھوں نے تعلیمی شعبہ میں سازگار ماحول کے فقدان پر سوال کیا اور کہا کہ اس کے نتیجے میں بہترین صلاحیتوں کے حامل افراد اہمیت کا حامل ریسرچ کرنے کے بجائے معمول کے روزگار حاصل کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ پرنب مکھرجی نے طلبا پر زور دیا کہ وہ تحقیق کے جذبے کو پیدا کریں۔ انھوں نے کہا کہ علم ہی اس دور کا نظم بننے والا ہے۔ صدر جمہوریہ نے راشٹرپتی بھون کے یلیوڈ رائنگ روم میں منتخب افراد سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ملک میں بہترین آئی آئی ٹیز، این آئی ٹیز، مینجمنٹ ڈیولپمنٹ ادارے وغیرہ ہیں جہاں کیمپس رکروٹمنٹ کی شرح بہت اچھی ہے۔ یہ شرح تقریباً 100 فیصد ہے اور ان کالجز کے کئی گریجویٹس عالمی معیار کے ادارے دنیا بھر میں چلا رہے ہیں۔ یہ ہمارے اداروں کی بہترین مثال ہے اور اس سے انھیں خوشی ہوتی ہے۔ یہ تقریب رانجس کالج کی صدی تقاریب کے اختتام پر منعقد ہوئی تھی۔ انھوں نے کہا کہ انھیں اس بات پر افسوس بھی ہے کہ کوئی بھی ہندوستانی اسکالر جو ہندوستانی یونیورسٹی میں کام کر رہا ہے اس نے 1930 کے بعد سے کوئی نوبل انعام حاصل نہیں کیا ہے۔ سری وی رمن کو یہ ایوارڈ حاصل کیے 80 سال ہوگئے ہیں۔ ایسے میں یہ سوال ہے کہ شاید ہم وہ سازگار ماحول پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں جو ریسرچ کے شعبہ کے لیے ضروری ہے۔ صدر جمہوریہ نے صدی تقاریب پر ایک یادگار ڈاک ٹکٹ بھی جاری کیا۔ صدر جمہوریہ نے کہا کہ ایک مارکٹنگ کمپنی کی اشیا کو فروغ دینا ایک اچھا کام ہے لیکن ایک ڈٹرجنٹ کی فروخت کو فروغ دینے کے لیے کسی آئی آئی ٹی گریجویٹ کی صلاحیتیں ضروری نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اگر یہ طلبا اپنا وقت اور توانائی ریسرچ کرنے پر صرف کرتے تو پھر ہمارے ملک کو اس سے بہت فائدہ ہوتا لیکن ہم کو صرف طلبا اور گریجویٹس پر بوجھ عائد نہیں کر دینا چاہیے۔ ملک میں صلاحیتوں کی کوئی کمی نہیں ہے تاہم ہم کو ایسا ماحول پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو ریسرچ کے لیے سازگار ہو۔ صدر جمہوریہ نے عالمی سطح پر رینکنگ رکھنے والی 200 یونیورسٹیز کا تذکرہ بھی کیا اور کہا کہ ان میں گذشتہ دو سال پہلے تک کوئی ہندوستانی یونیورسٹی نہیں تھی بعدازاں صرف دو یونیورسٹیز اس میں جگہ بنا سکی ہیں۔

روزنامہ 'جدید خبر' دہلی، 14 فروری 2017

ہنر ہاٹ ہنرمندوں کے لیے اہم مارکیٹ ثابت ہوا: نقوی

نئی دہلی: مرکزی وزیر مملکت برائے اقلیتی امور (آزادانہ چارج) مختار عباس نقوی نے کہا کہ وزارت اقلیتی امور کی طرف سے لگایا گیا 'ہنر ہاٹ' ملک بھر کے ہنرمند استادوں کی حوصلہ افزائی، مارکیٹ اور روزگار کے نئے مواقع فراہم کرانے کا ایک موثر ذریعہ ثابت ہوا۔

مسٹر نقوی نے ہنر ہاٹ کے اختتامی دن یہاں صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ کناٹ پلیس کے بابا کھڑک سنگھ مارگ پر 11 فروری سے 26 فروری تک لگائے گئے ہنر ہاٹ سے جہاں ملک کے فنکاروں اور دست کاروں کو موقع اور مارکیٹ کا ایک پلیٹ فارم ملا وہیں اس نے سماجی اور فرقہ وارانہ خیرسگالی کو بھی بڑھاوا دیا۔ انھوں نے کہا کہ اس ہنر ہاٹ میں 26 لاکھ

سے زائد افراد نے شرکت کی جن میں ملک و بیرون ملک کے لوگ بھی شامل تھے۔ لوگوں نے دستکاروں اور ہاتھ سے بنائی گئی چیزوں کی لاکھوں روپے کی خریداری کی اور انھیں ملک و بیرون ملک سے لاکھوں روپے کے ساز و سامان کے آرڈر بھی ملے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہنر کے استادوں کی روایتی وراثت کی حوصلہ افزائی کرنے کے مضبوط مشن کے تحت منعقدہ یہ دوسرا ہنر ہاٹ امیدوں سے زیادہ مقبول ہوا۔ دستکاروں اور پکوانوں کے سنگم کے تھیم پر مبنی اس ہنر ہاٹ کی خاصیت ملک کے مختلف حصوں سے لائے گئے ہاتھوں سے تیار کیے گئے ساز و سامان اور ہر علاقے کا مشہور پکوان رہی۔ جو لذیذ کھانے کے شائقین کے لیے توجہ کا مرکز رہا۔ جہاں لوگوں نے پرلطف کھانوں کا بھرپور ذائقہ لیا۔ مسٹر نقوی نے بتایا کہ یہی نہیں دیگر اقلیتی طبقے کے لوگ (سکھ، جین، عیسائی اور بودھ) پڑوس کی مسجد میں نماز کے وقت اپنی دکانوں پر چلنے والے سنگیت کو بند کر دیتے تھے۔ مرکزی وزیر نے کہا کہ ہندوستانی ثقافت، تہذیب و خیرسگالی کی اس شاندار مثالی کی یہاں پر آنے والے ہر شخص نے ستائش کی۔ انھوں نے کہا کہ اس کے علاوہ یہاں پر آنے والے کاریگروں اور دست کاروں نے نہ صرف ذاتی طور پر صفائی ستھرائی کا خصوصی خیال رکھا بلکہ اپنے آس پاس کی صفائی کرکے سوچھ بھارت ابھیان کو بھی مضبوط کیا۔

روزنامہ 'جدید خبر' دہلی، 27 فروری 2017

عصر حاضر میں بیدل کے کلام کی اہمیت وافادیت

نئی دھلی: عصر حاضر میں بیدل کے کلام کی اہمیت و افادیت ایک ایسا موضوع ہے جس کے لیے صرف ایک خطبہ نہیں بلکہ ایک سیریز کی ضرورت ہے کیونکہ بیدل کوئی ناشناختہ شاعر نہیں ہے، اگر بیدل جیسا شخص ایران میں پیدا ہوتا تو اس پر لاتعداد کتب شائع ہوچکی ہوتیں۔ ان خیالات کا اظہار کناڈا سے آئے مشہور و معروف مفکر ڈاکٹر تقی عابدی نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ فارسی کے زیر اہتمام تعلیمی سیشن کے چوتھے توسیعی خطبے کے دوران کیا۔ اس موقعے پر مہمان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر علی دہگاہی، کلچرل کاؤنسلر، سفارت جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی نے شرکت کی۔ مقرر خاص ڈاکٹر تقی عابدی (کناڈا) تھے، جبکہ صدارت شعبۂ فارسی کے صدر پروفیسر عبدالحلیم نے کی۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے خطاب میں کہا کہ بیدل انسانی نفسیات کا شاعر ہے۔ جب ہم بیدل کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ تین سو سال قبل جو بات بیدل نے اپنے کلام میں کہی تھی وہ آج نظر آرہی ہیں۔ خطبہ کی ابتدا میں ڈاکٹر سید کلیم اصغر نے استقبالیہ کلمات کے دوران کہا کہ اس طرح کے خطبات سے طلبہ کے اندر تحقیق کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ پروفیسر عبدالحلیم نے صدارتی کلمات کے دوران کہا کہ بیدل پر جو مشکل پسندی کا الزام آتا ہے وہ پوری طرح درست نہیں کہا جاسکتا۔ ان کی شاعری کا ایک حصہ نہایت آسان، سادہ اور سہل بھی ہے البتہ ان کے مکمل ادراک کے لیے صاحب نظری اور دقت پسندی لازم ہے۔ آخر میں صدر شعبۂ فارسی نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 22 فروری 2017

دھلی:

پیغام آفاقی کا تخلیقی کینوس

نئی دھلی: ممتاز فکشن نگار پیغام آفاقی کی ادبی خدمات پر ایک سیمینار کا انعقاد اردو اکادمی دلی کے اشتراک سے کیا گیا۔ سیمینار کی غرض و غایت پر روشنی ڈالتے ہوئے خان رضوان نے کہا کہ ہمارا ادبی معاشرہ اپنے جینوئن فنکاروں کو بھی فراموش کرتا جارہا ہے، اس لیے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ پیغام آفاقی جیسے بڑے فکشن نگار کو یاد کرتے ہوئے ایک ادبی جلسے کا انعقاد کیا جائے۔ معروف فکشن نقاد ڈاکٹر نسیم احمد نسیم نے کلیدی خطبہ پیش کیا اور پیغام آفاقی کی تخلیقی جہات پر مبسوط روشنی ڈالی۔ سیمینار کی صدارت مشہور فکشن رائٹر پروفیسر غضنفر علی نے اور مہمانان کی حیثیت سے ابرار رحمانی (ایڈیٹر آجکل)، پروفیسر علی رفاد فتیحی، پیغام آفاقی کی اہلیہ بیگم رضیہ سلطانہ اور ان کی بیٹی ثنا فاروقی اور ڈاکٹر ابوبکر عباد موجود تھے۔ ڈاکٹر ابوبکر عباد نے پیغام آفاقی کی شاعری پر پرمغز مقالہ پیش کیا۔ نوجوان افسانہ نگار فیاض احمد وجیہ نے پیغام آفاقی کے افسانوں کی شعریات پر گفتگو کی۔ خان رضوان نے پیغام آفاقی کی موضوعی انفرادیت کو روشن کرتے ہوئے ان کے تخلیقی اسلوب پر بھی بات کی۔ معروف ناول نگار نسترن احسن فتیحی نے ناول 'مکان' کے نسائی کردار پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ اس موقعے پر پیغام آفاقی کی اہلیہ بیگم رضیہ سلطانہ کہا کہ پیغام آفاقی کا لکھا ہوا ایک ایک حرف ان کے لیے حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ صدارتی خطبے میں ڈاکٹر ابرار رحمانی نے جہاں پیغام آفاقی کے ناولوں 'مکان' اور 'پلیتہ' کو اپنی گفتگو کا محور بنایا وہیں ان سے نجی مراسم کے حوالے سے کئی واقعات بھی سنائے۔ پروفیسر علی رفاد فتیحی نے پیغام آفاقی کے تخلیقی بیانیے کو نہایت مضبوط اور مستحکم قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان کے فکشن میں بھرپور ترسیلی قوت موجود ہے۔ صدر مجلس پروفیسر غضنفر علی نے اپنے صدارتی خطبے میں پیغام آفاقی سے اپنے دیرینہ مراسم کا ذکر کرتے ہوئے ان کے فن کی آفاقیت پر روشنی ڈالی اور ان کو ایک مشن اور تحریک سے جڑے ہوئے تخلیق کار کی حیثیت سے پیش کیا۔ انھوں نے مکان، پلیتہ اور دیگر تخلیقات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے ان کے آرٹ کی مقصدیت کو بھی واضح کیا۔ پروفیسر غضنفر نے اس موقعے پر پیغام آفاقی پر لکھا گیا خاکہ بھی پیش کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 13 فروری 2017

ڈاکٹر ذاکر حسین کی 120 ویں سالگرہ

نئی دھلی: ملک میں بھائی چارہ اور سیکولرزم کے فروغ کے لیے ڈاکٹر ذاکر حسین کی خدمات لائق تحسین ہیں۔ ان خیالات کا اظہار جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر پروفیسر طلعت احمد نے ڈاکٹر ذاکر حسین کی 120 ویں سالگرہ کے موقعے پر ان کے مقبرہ پر منعقد دعائیہ تقریب میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ ذاکر صاحب کی خدمات جامعہ سے بڑھ کر پورے ملک اور قوم کے لیے تھیں، جنھوں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم اتحاد اور سالمیت کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیا۔ پروفیسر طلعت احمد نے کہا کہ بھارت رتن ڈاکٹر ذاکر حسین کو تعلیم و تعلم کا بے حد شوق تھا یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تعلیم کے میدان میں قابل قدر خدمات انجام دیں، کتابیں لکھیں، ادارے قائم کیے اور تعلیم کے لیے مہم چلائی۔ انھوں نے مزید کہا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے خصوصاً جامعہ کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں اسے ہم کبھی بھی فراموش نہیں کرسکیں گے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 9 فروری 2017

فارغین مدارس اور تجارت

نئی دھلی: مذہب اسلام نے تجارت کو افضل اور بابرکت پیشہ قرار دیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ مدارس اور جامعات سے فارغ علمائے کرام صرف مسجدوں اور مدرسوں کی ملازمت تک محدود رہیں ان کے لیے دنیا پھیلی ہوئی ہے انھیں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرنا چاہیے۔ یہ باتیں جامعہ عزیزیہ اسلامیہ، شاہین باغ نئی دہلی کے کانفرنس ہال میں منعقد قومی سیمینار میں شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے چیئرمین مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی نے کہیں۔ اس موقعے پر گوتم بدھ یونیورسٹی نوئیڈا کے استاد اور معروف ادیب ڈاکٹر خان محمد آصف نے اپنی پرمغز تقریر میں فارغین مدارس کے لیے راستے اور امکانات پر زور دیا جن کو اپنا کر وہ بہ آسانی برسرروزگار ہوسکتے ہیں۔ زبیر خان سعیدی نے قانون کے میدان میں فارغین مدارس کو جانے کا مشورہ دیا۔ سیمینار کے محرک اور آل انڈیا التقوی ایجوکیشنل گروپ کے چیئرمین رضوان ریاضی نے کہا کہ قوم نے تجارت کو چھوڑ دیا ہے اس لیے اس کی آج یہ درگت ہے۔ ہم دوسروں کو لعن طعن کرتے ہیں لیکن اپنا احتساب نہیں کرتے۔ ہمارے علما اس معاملے میں موثر کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ سیمینار کے مہمانان خصوصی ڈاکٹر زین شمسی نے کہا کہ فارغین مدارس تجارت کے آئینے میں یہ عنوان مدارس کے نصاب میں ہونا چاہیے کیونکہ تجارت ہی وہ واحد راستہ ہے جو ہمیں ہر طرح سے مضبوط اور سرخرو کرسکتا ہے۔ صدر مجلس مولانا نیاز احمد فیضی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اس قومی سیمینار میں جو دانش وروں کے خیالات سامنے آئے وہ حد درجہ اہم ہیں اور امید ہے ان پر غور کرنے کے بعد ہال میں موجود بڑی تعداد میں فارغین مدارس اور مختلف جامعات سے آئے طلبہ بھرپور استفادہ کریں گے۔

سیمینار سے قبل زید بن ثابت اکادمی کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں مہمان خصوصی کے طور پر ڈاکٹر خالد مبشر اور معروف نقاد حقانی القاسمی کے ساتھ بڑی تعداد میں سامعین نے شرکت ہوئی۔ اس موقعے پر ادارے کے ڈائرکٹر رضوان ریاضی، نیاز احمد فیضی، نسیم احمد نسیم اور ڈاکٹر مبشر نے طلبا کے عمدہ تعلیمی مظاہرے کو سراہا اور اردو ہندی، انگریزی تقاریر کے مقابلے میں اول دوم سوئم آنے والے طلبا کو سیمینار کے دوران سند اور مومنٹو سے نوازا گیا۔

سیمینار کے اختتام پر ایک شعری محفل بھی آراستہ کی گئی۔ اس مشاعرے میں بڑی تعداد میں شعرا کی شرکت ہوئی۔ صدارت نیاز احمد فیضی نے کی جبکہ نظامت ڈاکٹر نسیم احمد نسیم نے کی۔ اس مشاعرے میں علامہ اسرار جامعی، بدنام نظر،

راشد جمال فاروقی، ڈاکٹر بسمل عارفی، قاری فضل الرحمٰن انجم، اسلم خورشید، اسلم وارثی، نسیم احمد نسیم، طارق متین، اختر اعظمی، جاذب عمری، رضوان ریاضی، خان رضوان اور کئی دیگر شعرا نے اپنے اشعار سے سامعین کو محظوظ کیا اور شب کے 2 بجے تک یہ محفل بارونق اور باغ و بہار رہی۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 27 فروری 2017

اتر پردیش :

حیات اللہ انصاری شخصیت: فکر و فن

لکھنؤ: حیات اللہ انصاری فاؤنڈیشن کے تحت 'حیات اللہ انصاری شخصیت: فکر و فن' کے موضوع پر ایک سمینار اور ایوارڈ تقریب مدرسہ حیات العلوم فرنگی محل میں ہوا۔ پروگرام کی صدارت کرتے ہوئے پروفیسر آصفہ زمانی نے کہا کہ حیات اللہ انصاری کی شخصیت بہت بلند تھی۔ بہت دنوں تک وہ سیاست میں قدم جمائے رہے اور ساتھ ہی ساتھ ادبی خدمات کو بھی انجام دیتے رہے۔ بیگم شہناز سدرت نے کہا کہ حیات اللہ انصاری بہت بااخلاق صفت کے حامل تھے۔ شکیل صدیقی نے قومی آواز کا ذکر کیا وہیں ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی نے بھی حیات اللہ انصاری کی خدمات اور حیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر مجاہد الاسلام نے حیات اللہ انصاری کی شخصیت و فکر و فن پر مقالہ پیش کیا۔ پروگرام کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر مسیح الدین خان نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ جلسے کی نظامت ڈاکٹر عشرت ناہید نے کی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 20 فروری 2017

جدید ادب میں ہندوستانی عناصر

میرٹھ: شعبہ اردو، اسماعیل نیشنل پی جی گرلز کالج میرٹھ اور سی پی ای کے اشتراک سے ایک روزہ قومی سمینار 'جدید ادب میں ہندوستانی عناصر' کے عنوان سے کالج کے رام لال سمینار ہال میں منعقد ہوا۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر اعجاز علی ارشد (سابق شیخ الجامعہ مولانا مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی، پٹنہ) نے شرکت کی اور صدارت کے فرائض پروفیسر صغیر افراہیم (اے ایم یو، علی گڑھ) نے انجام دیے جبکہ مہمان مقرر کی حیثیت سے ڈاکٹر اسلم جمشید پوری اور مہمان اعزازی کے طور پر ڈاکٹر عابد حسین حیدری (پرنسپل، مہاتما گاندھی میموریل پی جی کالج، سنبھل) شریک ہوئے۔ اس موقعے پر پروفیسر فاروق بخشی نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر فوزیہ بانو نے انجام دیے اور شکریہ کی رسم کالج کی پرنسپل ڈاکٹر سادھنا سہائے نے ادا کی۔ اس سے قبل پروگرام کا آغاز بی اے سال کی اول کی طالبہ شغف نے اسماعیل میرٹھی کی تحریر کردہ حمد سے کیا۔ اس موقعے پر پروفیسر فاروق بخشی نے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اردو ادب اور ہندوستانی عناصر کوئی دو منفرد چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی شئے کے دو نام ہیں۔ اردو کی پیدائش ان ہی عناصر سے ہوئی ہے اور ان ہی عناصر کا فروغ اردو کا مقصد ہے۔ انھوں نے سوالیہ انداز میں کہا کہ اگر اردو ادب سے میلوں ٹھیلوں، رام و کرشن، ہیر رانجھا، شیریں، فرہاد، رسوم و رواج اور تقریبات و تہوار کو نکال دیا جائے تو باقی کیا رہ جائے گا؟ مہمان خصوصی پروفیسر اعجاز علی ارشد نے کہا کہ اردو زبان و ادب کو ہندوستان سے محبت کا دعویٰ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس کا خمیر ہندوستان کی تہذیب و معاشرت سے اٹھا ہے۔ ڈاکٹر اسلم جمشید پوری نے سمینار کے کامیاب انعقاد پر اسکول کی انتظامیہ اور اسٹاف کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ شعبہ اردو میں ایک طویل عرصے کے بعد سمینار منعقد کیا گیا ہے لیکن امید ہے کہ مستقبل میں یہ سلسلہ تعطل کا شکار نہیں ہوسکا۔ پروفیسر صغیر افراہیم نے صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہماری نئی نسل اپنے تہذیبی ورثے سے نابلد ہوتی جارہی ہے۔ یہ ہمارے لیے انتہائی فکر کا موضوع ہے۔ اگر فوراً اس طرف توجہ نہ دی گئی تو حالات انتہائی سنگین ہوسکتے ہیں۔ اس کے بعد سمینار کا تکنیکی سیشن شروع ہوا۔ سمینار اردو ہندی اور انگریزی تین زبانوں پر مشتمل تھا۔ اردو سمینار کی صدارت کے فرائض جامعہ ملیہ اسلامیہ کی سابق صدر شعبۂ اردو پروفیسر شہناز انجم، میرٹھ کالج کے سابق صدر ڈاکٹر یونس غازی سی سی ایس یونیورسٹی کے اردو شعبہ کے صدر ڈاکٹر اسلم جمشید پوری اور ڈاکٹر ریتا گرگ نے مشترکہ طور پر انجام دیے۔ نظامت ڈاکٹر عفت ذکیہ نے کی۔ انگریزی اجلاس کی صدارت کے فرائض ڈاکٹر پارل تیاگی اور ڈاکٹر الپنا رستوگی نے انجام دیے۔ ہندی زبان کے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر دیپا تیاگی، ڈاکٹر وندنا شرما اور ڈاکٹر ریکھا سیٹھ نے مل کر کی۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 26 فروری 2017

بہار :

اکادمی آپ تک

سمستی پور: بہار اردو اکادمی، پٹنہ کی جانب سے 'اکادمی آپ تک' کے عنوان سے محفل اعزاز کا انعقاد شہر کے اسٹیشن روڈ واقع ملت اکادمی میں متھلا یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے صدر پروفیسر ڈاکٹر انیس صدری کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں رضا اشک، قیصر صدیقی سمستی پوری اور انور شمیم کو اکادمی کی جانب سے توصیفی سند، شال اور نقد روپے سے اکادمی کے صدر مشتاق احمد نوری، پروفیسر انیس صدری اور فیض احمد فیض کے ہاتھوں نوازا گیا۔ پروفیسر ڈاکٹر انیس صدری نے کہا کہ اردو زبان میں سمستی پور کی ادبی و ثقافتی تاریخ بہت قدیم ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ منظم طور پر ہر گھر میں اردو کی ابتدائی تعلیم ماہر اساتذہ سے کرائی جائے اور اپنے نونہالوں کو اردو سے رغبت دلائی جائے۔ بہار اردو اکادمی کے سکریٹری مشتاق احمد نوری نے عوام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ادب کو ادیب تک پہنچانا ہی اردو اکادمی کی ذمہ داری ہے۔ میں طالب علمی کے زمانے سے ہی اردو سے رغبت رکھنے اور اس کے فروغ میں پیش پیش رہنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 13 فروری 2017

فروغ اردو سمینار

سیتامڑھی: محکمہ کابینہ سکریٹری اردو زبان سیل کے حکم پر اردو کو فروغ دینے کے لیے بہار کے تمام اضلاع میں ہو رہے سمینار و مشاعرہ کے تحت ضلع اردو زبان سیل کلکٹریٹ سیتامڑھی کے زیر اہتمام ڈمرا واقع نہرو بھون کے وسیع ہال میں پروگرام کا انعقاد ہوا جس کی صدارت ڈی ایم راجیو روشن نے کی جبکہ پروگرام کا آغاز ڈی ایم راجیو روشن، ڈی ڈی سی عبدالرحمٰن، اور ایس ڈی کمارل ستیانند، ڈپٹی الیکشن افسر پریم پرکاش، محکمہ اقلیتی فلاح و بہبود و اردو زبان سیل کے ضلع افسر محمد ساجد جبکہ سماجی کارکن میں ضلع آر جے ڈی کے شفیق خان، سینئر آر جے ڈی لیڈر اسرار الحق پپو، سابق نگر پریشد چیئرمین سیتامڑھی محمد جلال الدین خان نے مشترکہ طور پر شمع روشن کرکے کیا۔ اپنے خطاب میں ڈی ایم نے کہا کہ اردو ملک کی تہذیب ہے، ملک میں بسنے والے ہر ہندوستانی کی زبان ہے اور اردو کی ترقی روکنے میں وہی لوگ ذمہ دار ہیں جو اس زبان کو کسی مذہب سے جوڑتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ملک کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ ہمیں وقت رہتے اردو کی ترویج و ترقی کے لیے صلاح و مشورہ کرنا چاہیے تاکہ اس کی اجتماعی ترقی ہوسکے۔ ڈی ڈی سی عبدالرحمٰن نے کہا کہ اسے بقا اور تحفظ کے ساتھ فروغ دینے کے لیے پہلے ہمیں اپنے گھروں میں استعمال میں لانا ہوگا۔ تبھی جاکر اس کی ترقی کی بات بامعنی ہوسکے گی۔ اردو کی تاریخ پر کمارل ستیانند، راشد فہمی، ڈاکٹر عبیدالرحمٰن منے، اشرف مولانا نگری، کلیم اختر شفیق سمیت دیگر کئی اردو داں افراد نے مفصل اور سیر حاصل گفتگو کی۔ پروگرام میں اقلیتی فلاح و بہبود افسر محمد ساجد نے تمام حاضرین اور موجود شعرا و دیگر مقررین کا شکریہ ادا کیا۔ نظامت نوجوان شاعر جمیل اختر شفیق نے کی۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 1 مارچ 2017

اعزاز و اکرام:

دوحہ قطر عالمی فروغ اردو ایوارڈ 2017

نئی دہلی: اس سال اکیسواں 'عالمی فروغ اردو ادب ایوارڈ'، دوحہ قطر' جیوری کی میٹنگ نئی دہلی میں منعقد ہوئی جس میں اردو کے ممتاز ناول نگار عبدالصمد کو یہ ایوارڈ دینے کا اعلان کیا گیا جو ڈیڑھ لاکھ روپے نقد، طلائی تمغہ اور سپاس نامہ پر مشتمل ہے۔ جیوری کے چیئرمین پدم بھوشن پروفیسر گوپی چند نارنگ نے ایوارڈ کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ پروفیسر عبدالصمد کے افسانے اور ناول سماج کے درد، ناانصافیوں اور نشیب و فراز کو بیان کرتے ہیں۔ ان کے ناول دیہی زندگی بالخصوص بہار، شمال مشرقی ہندوستان، بنگلہ دیش، ملک کی تقسیم اور انسانیت کے پرپیچ مسائل اور گہرے درد اور ٹریجڈی کو پیش کرتے ہیں۔ 'دو گز زمین' پر انعام ملنے کے بعد انھوں نے صاف ستھری زبان کو اپنایا۔

انھوں نے 9 ناول لکھے ہیں جن میں ان کے شہرۂ آفاق ناول 'دو گز زمین' کے لیے ان کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ 1990 سے نوازا گیا۔ اس ناول کا متعدد ہندستانی زبانوں بشمول انگریزی اور ہندی میں ترجمہ ہو چکا ہے اور اس پر دوردرشن کے لیے سیریل بھی تیار ہو رہا ہے۔ ان کے دیگر ناولوں میں 'مہاتما'، 'خوابوں کا سویرا'، 'مہاساگر'، 'دھمک'، 'بکھرے اوراق'، 'شکست کی آواز' 'اجالوں کی سیاہی' اور 'The Journey of a Burning Boat' شامل ہیں۔ انھوں نے ایک خاکہ 'دل میں رہے مقیم' بھی لکھا، علاوہ ازیں سیاسیات سے متعلق دو کتابیں لکھی ہیں اور کئی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا ہے۔

پروفیسر عبدالصمد کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ کے علاوہ، غالب ایوارڈ، بہار اردو اکیڈمی ایوارڈ (1981, 1985, 1990, 2015)، اتر پردیش اردو اکیڈمی ایوارڈ، ساہتیہ بھاشا پریشد ایوارڈ سمیت دیگر انعامات و اعزازات سے نوازا جا چکا ہے۔ پینل آف ججز کا اجلاس جیوری کے چیئرمین اور اردو کے ممتاز نقاد و دانشور پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں منعقد ہوا۔ مجلس فروغ اردو ادب، دوحہ قطر کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے پیٹرنس کے سرپرست اعلیٰ اردو کے فعال خدمت گزار جناب محمد عتیق صاحب ہیں۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 19 فروری 2017

ساہتیہ اکادمی ترجمہ ایوارڈ

نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی کے صدر وشوناتھ پرشاد تیواری کی صدارت میں ساہتیہ اکادمی کی مجلس انتظامیہ کی میٹنگ ہوئی جس میں 22 ہندستانی زبانوں کے ساہتیہ اکادمی ترجمہ ایوارڈ 2016 کے لیے کتابوں کے انتخاب کو منظوری دی گئی۔ اردو میں ترجمہ ایوارڈ کے لیے ممتاز ادیب و صحافی حقانی القاسمی کو جوزف میکوان کے ساہتیہ اکادمی انعام یافتہ گجراتی ناول 'آنگلیات' کا ہندی سے اردو ترجمہ کے لیے منتخب کیا گیا۔ حقانی القاسمی اردو کے مختلف اخبارات اور رسائل سے ادارتی وابستگی کے علاوہ اردو کے ادبی جریدے 'استعارہ' کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ ان کی ایک درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں 'طوافِ دشتِ جنوں'، 'بدن کی جمالیات' اور 'ادب کولاژ' قابل ذکر ہیں۔ متعدد مجلّات میں ان کی تنقیدی تحریریں تواتر سے شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ان دنوں وہ یک موضوعی مجلّہ 'انداز بیاں' کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اردو کے لیے جیوری کی میٹنگ ساہتیہ اکادمی کی اردو مشاورتی بورڈ کے کنوینر معروف شاعر جناب چندربھان خیال کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ ممبران میں ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید، ماہر منصور اور نصرت ظہیر شامل تھے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 23 فروری 2017

وفیات:

کرنل نظام الدین

اعظم گڑھ: نیتاجی سبھاش چندر بوس کے ڈرائیور اور محافظ رہے کرنل نظام الدین عرف سیف الدین کا 6 فروری کو ان کے آبائی گاؤں مبارکپور کے ڈھکوا میں انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال سے نیتاجی کے بے حد قریب رہنے والوں کی کڑی اب ختم ہو گئی ہے۔ نظام الدین کو کرنل کی ڈگری خود نیتاجی سبھاش چندر بوس نے دی تھی۔ کرنل کے انتقال کی خبر ملتے ہی پورے ضلع میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ آخری سفر میں شامل ہونے کے لیے سابق وزیر و ایم ایل سی یشونت سنگھ، کلکٹر سہاس ایل وائی، ایس پی آنند کلکرنی سمیت بڑی تعداد میں لوگ ان کی رہائش گاہ پر پہنچے اور خراج عقیدت پیش کیا۔ کرنل نظام الدین کے پسماندگان میں اہلیہ، تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

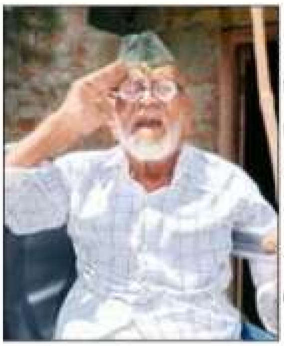

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 7 فروری 2017

اطہر صدیقی

نئی دہلی: پرانی دہلی کے بزرگ صحافی اطہر صدیقی کا 8 فروری کو تقریباً ستر برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ وہ طویل عرصے سے بیمار چل رہے تھے۔ ان کے پسماندگان میں اہلیہ، بیٹا اور بیٹی شامل ہیں۔ اطہر صدیقی کا آبائی وطن دیوبند تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں انھوں نے فارسی اور عربی زبان سیکھی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ کا رخ کیا۔ علی گڑھ میں بطور طالب علم انھیں اے ایم یو کے وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حسین کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ بعد میں انھوں نے آئی آر اے ایس کا امتحان پاس کیا جس کے بعد انھیں صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین کا پرائیویٹ سکریٹری بنایا گیا۔ راشٹریہ پتی بھون میں ڈاکٹر ذاکر حسین کے علاوہ صدر جمہوریہ فخرالدین علی احمد، گیانی ذیل سنگھ اور کے آر نارائن کے بھی وہ پرائیویٹ سکریٹری رہے۔ مرحوم اطہر صدیقی ماہر سیاسیات کے علاوہ اردو، ہندی، عربی، فارسی، انگریزی زبان پر بھی دسترس رکھتے تھے۔

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 9 فروری 2017

سابق چیف جسٹس التمش کبیر

کولکاتا: ملک کے سابق چیف جسٹس التمش کبیر کا 19 فروری کو کولکاتا میں انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر 68 برس تھی۔ وہ سپریم کورٹ کے ذہین ججوں میں سے ایک تھے۔ جسٹس کبیر طویل عرصے سے بیمار تھے۔ 2007 میں ان کے گردہ کی پیوندکاری ہوئی تھی۔

جسٹس کبیر کی پیدائش کولکاتا کے ایک معروف بنگالی مسلم خاندان میں 1948 میں ہوئی تھی۔ ان کا خاندان فرید کوٹ ضلع (اب بنگلہ دیش) کا رہنے والا تھا۔ ان کے والد جہانگیر کبیر کانگریس کے صدر اور مغربی بنگال کے مشہور مزدور لیڈر تھے۔ وہ ملک کے 39 ویں چیف جسٹس تھے اور 29 ستمبر 2012 کو انھیں سپریم کورٹ کا چیف جسٹس مقرر کیا گیا تھا۔ وہ 292 دنوں تک ملک کے چیف جسٹس کے عہدے پر رہے اور 19 جولائی 2013 کو ریٹائر ہوئے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 20 فروری 2017

مفتی اعظم محمد میاں ثمر دہلوی

نئی دهلی: حضرت قاضی اہلسنت و مفتی اعظم محمد میاں ثمر دہلوی سجادہ نشین خانقاہ مسعودیہ مظہریہ مسجد شاہی فتح پوری دہلی کا ان کی رہائش گاہ واقع باڑہ ہندو راؤ میں 3 مارچ 2017 کو انتقال ہوگیا۔ ہندوستان میں چند جید علما میں سے ایک مفتی اعظم محمد میاں ثمر دہلوی تھے۔

شاہی امام و خطیب مسجد فتح پوری ڈاکٹر مفتی مکرم احمد نے حضرت ثمر میاں دہلوی کے سانحہ ارتحال پر شدید رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم نیک انسان تھے، عالم و فاضل تھے اور میرے بڑے بھائی تھے۔ میں تعزیت کرتا ہوں، اللہ مغفرت فرمائے اور رشتے داروں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 4 مارچ 2017

پروفیسر منظور الامین

حیدرآباد: اردو کے نامور ادیب و مترجم اور سابق ایڈیشنل ڈائرکٹر جنرل دور درشن نئی دہلی، پروفیسر منظور الامین مختصر علالت کے بعد 3 مارچ کو رات دیر گئے 92 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ وہ گذشتہ کچھ دن سے فالج سے متاثر تھے۔ نماز جنازہ بعد نماز جمعہ، مسجد برکت ولا، بنجارہ ہلز روڈ نمبر 7 حیدرآباد میں ادا کی گئی۔ تدفین متصل دبیر پورہ برج قبرستان میں عمل میں آئی۔ وہ کشمیر یونیورسٹی کے ماس کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم شعبہ کے بانی تھے۔ اردو زبان و ادب میں ان کی خدمات ناقابل فراموش رہی ہیں۔ انھوں نے کئی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ ان کے انتقال سے اردو دنیا کا ایک عظیم نقصان ہوا ہے۔ کشمیر میں اپنے قیام کے دوران انھوں نے برف کو موضوع بنا کر کئی نظمیں لکھی ہیں جن میں انھوں نے کشمیر کے منظرنامے کو بہترین انداز میں پیش کیا ہے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 4 مارچ 2017

سید شہاب الدین

نئی دهلی: مشہور ملی قائد اور سابق ممبر پارلیمنٹ، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے سابق صدر ریٹائرڈ آئی ایف ایس سید شہاب الدین کا مختصر علالت کے بعد 4 مارچ 2017 کو انتقال ہوگیا۔ وہ تنفس کے مرض میں مبتلا تھے۔

ان کی نماز جنازہ اور تدفین بعد نماز ظہر پنج پیران قبرستان حضرت نظام الدین میں انجام دی گئیں۔ مسٹر سید شہاب الدین کی عمر تقریباً 82 سال تھی۔ پسماندان میں اہلیہ اور چار بیٹیاں ہیں۔ ان کے اکلوتے بیٹے کا انتقال پہلے ہی ہو چکا ہے۔ جھارکھنڈ کے رانچی میں پیدا ہونے والے سید شہاب الدین اپنے زمانے میں انڈین فارن سروس (آئی ایف ایس) کے ٹاپر تھے، آئی ایف ایس کی حیثیت سے کئی ملکوں میں انھوں نے ہندوستانی سفارت خانوں میں خدمات انجام دی تھیں۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 5 مارچ 2017

سعید سہروردی

نئی دهلی: اردو کے ممتاز ادیب، شاعر اور کالم نگار سعید سہروردی کا 9 مارچ کو طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔

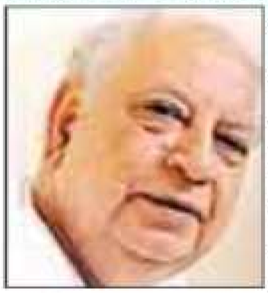

ان کی عمر تقریباً 85 برس تھی۔ سعید سہروردی نے الہ آباد یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم اے کیا تھا اور 1960 میں دہلی آمد کے بعد بعض سفارت خانوں میں ملازمت کی تھی۔ وہ ایک درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف تھے۔ انھیں انگریزی زبان پر مکمل دسترس حاصل تھی اور ترجمہ نگاری میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے مشہور انگریزی کتاب 'آدھی رات کی آزادی' کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ مسلمانوں کے اقتصادی مسائل پر ان کی تصنیف اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے۔ شاعری کے علاوہ ان کی طنزیہ تحریروں کا ایک مجموعہ 'چوہے کے خطوط بلی کے نام' شائع ہوا تھا۔

افسانوں کے دو مجموعے 'لکیریں اور خاکے' اور 'کچھ پھول کچھ پتھر' شائع ہوئے تھے۔ ان کی نظموں کا مجموعہ 'سلگتا صندل' اور قطعات کے دو مجموعے 'پنکھڑیاں اور سنگ ریزے' بھی شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے ادارہ 'شمع' کے تحت شائع ہونے والے ماہنامہ 'شبستاں' کے معاون مدیر کے طور پر یادگار فیض نمبر بھی مرتب کیا تھا۔ وہ طویل عرصے تک روزنامہ 'قومی آواز'، 'راشٹریہ سہارا' اور ہفت روزہ 'خبردار' کے لیے کالم لکھتے رہے۔ انھوں نے سماچار بھارتی کے اردو مدیر کے طور پر بھی کام کیا تھا۔ انھیں 2003 میں دہلی اردو اکادمی نے ایوارڈ برائے صحافت سے نوازا تھا۔

پسماندگان میں دو بیٹیاں نیلوفر سہروردی (صحافی) جو انقلاب کی کالم نگار ہیں اور پروفیسر تسنیم سہروردی شامل ہیں۔ 2012 میں ان کے جواں سال بیٹے اور مشہور وکیل انیس سہروردی کا اچانک دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہوگیا تھا۔ دو برس قبل ان کی اہلیہ شاہدہ سہروردی بھی اللہ کو پیاری ہوگئی تھیں۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 10 مارچ 2017

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

اردو فکشن کی تنقید

مصنف: ارتضیٰ کریم
صفحات: 546
قیمت: -/230 روپے

تاریخ ادب اردو (1858 تا 1911) جلد: شانزدہم

مصنف: محمد انصار اللہ
صفحات: 626
قیمت: 265 روپے

تاریخ ادب اردو (1858 تا 1911) جلد: ہفت دہم

مصنف: محمد انصار اللہ
صفحات: 556
قیمت: 235 روپے

مضامینِ چکبست
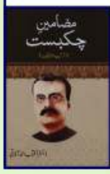

ترتیب و تالیف: آفتاب عالم آفاقی
صفحات: 393
قیمت: -/175 روپے

منٹو کے نادر خطوط

تحقیق و ترتیب: فاروق اعظم قاسمی
صفحات: 62
قیمت: -/55 روپے

زمین

مصنف: قاسم خورشید
مصور: فجر الدین
صفحات: 16، قیمت: 25 روپے

کلیاتِ مضامین وحید اختر (جلد چہارم)
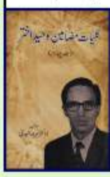

مرتب: ڈاکٹر سرور الہدیٰ
صفحات: 305
قیمت: 160 روپے

کلیاتِ مضامین وحید اختر (جلد پنجم)
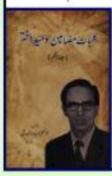

مرتب: ڈاکٹر سرور الہدیٰ
صفحات: 204
قیمت: 115 روپے

کلیاتِ مضامین وحید اختر (جلد ششم)

مرتب: ڈاکٹر سرور الہدیٰ
صفحات: 216
قیمت: -/115 روپے

آئینہ جہاں: کلیات قرۃ العین حیدر (جلد پنجم: رپورتاژ)

تحقیق و ترتیب: جمیل اختر
صفحات: 407
قیمت: 182 روپے

آئینہ جہاں: کلیات قرۃ العین حیدر (جلد ہفتم: مضامین)

تحقیق و ترتیب: جمیل اختر
صفحات: 359
قیمت: 165 روپے

عظیم سائنسداں (مع ترمیم و اضافہ)
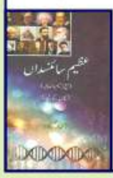

مصنف: احرار حسین
صفحات: 121
قیمت: -/32 روپے

اسرارِ کشف صوفیہ (1068ھ مطابق 1658)

مصنف: سید محمد کمال سنبھلی واسطی
تدوین و تصحیح متن و ترجمہ
وحواشی: ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی
صفحات: 803، قیمت: -/335 روپے

انتخابِ سخن (جلد اوّل) سلسلۂ شاہ حاتم

مرتب: حسرت موہانی
صفحات: 388
قیمت: -/175 روپے

دستورِ ہند کا معمار ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر

مصنف: خواجہ عبدالمنتقم
صفحات: 155
قیمت: 70 روپے

داستان گو آیا ہے

مصنف: رتن سنگھ، مصور: فجر الدین
صفحات: 16
قیمت: 25 روپے

ہماری نظم

مصنف: فراغ روہوی
مصور: فجر الدین
صفحات: 20، قیمت: 30 روپے

دوسرا آدمی
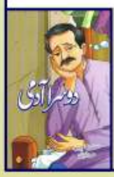

مصنف: قاسم خورشید
مصور: فجر الدین
صفحات: 16، قیمت: 25 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

URDU DUNIYA Monthly, April-2017, Vol.19, Issue:04
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. 70323/99
DL (S) - 01/3394/2017-19
ISSN 2249 - 0639
Date of Publication:**24/03/2017**
Date of Dispatch : 25 & 26 of advance month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

قومی اردو کونسل کی منفرد پیشکش

اردو زبان وادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے
مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظرِ عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!
ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے
(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S.Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II. New Delhi-110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan FC-33/9 institutional Area Jasola New Delhi-110025